مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب

مولوی محمد رمضان میاں صاحب

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

اردو بازار ٥ ایم۔اے جناح روڈ ٥ کراچی ۱

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جلد دوم

دعوت و عزیمت

جمع و ترتیب:

مولوی محمد رمضان میاں صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

طباعت : اکتوبر ۲۰۰۲ء علمی گرافکس پرنٹنگ پریس، کراچی۔

ضخامت : 416 صفحات

ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور

کشمیر بکڈ پو۔ چنیوٹ بازار فیصل آباد

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان

مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی

انتساب

متمدن دنیا میں مغربی یورپ سے لیکر برصغیر ہند کے آخری مشرقی کنارہ تک کے دماغوں پرفرماں روائی کرنے والی عظیم دینی درسگاہ میری مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نام، جس نے ہر دور میں ایسے نابغہ روزگار رجال پیدا کیئے، جنہوں نے گردش دوراں کے مصائب سے ٹکرا کر وہ فقید المثال کارنامے سرانجام دیئے جس پر تاریخ اسلام رشک کرتی ہے اور تا قیامت کرتی رہے گی!

فہرست عنوانات

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان
۳۶۹	آپ اور دوسروں میں فرق
۳۷۱	(۲۹) انسانیت کی راہنمائی میں اسلام کا تاریخی کردار
۳۷۳	نبوت محمد ﷺ کا اعجاز اور انقلابی کارنامہ
۳۷۴	ایک غیر متوقع آغاز
۳۷۵	انفس و آفاق اور اقوام و ملل کے ماضی پر غور وفکر کی دعوت اور اسکے فائدے
۳۷۸	علمی منتشر اکائیوں میں وحدت وربط
۳۷۹	مغرب کی بیداری اور علم وتہذیب کے نئے دور کے آغاز میں اسلام کا حصہ
۳۸۰	قدیم دنیا میں مسلمانوں کا علمی تفوق، مفید اور تجربی علوم میں ان کی قیادت
۳۸۱	مسلمان موجدین فن اور ماہرین علوم
۳۸۳	علم کی تاریخ کا سب سے بڑا مغالطہ اور تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا المیہ
۳۸۴	(۳۰) دین اسلام کا مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات

◆◆◆◆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

آج سے تقریباً ایک ڈیڑھ سال قبل بندہ نے عالم اسلام کے عظیم مفکر، داعی کبیر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ان خطبات کو جمع وترتیب دیا تھا جو انہوں نے ملت اسلامیہ کے علماء اور طلبۂ علوم دینیہ سے مخاطب ہو کر فرمائی تھیں اس کو اکثر اہل علم نے پسند فرمایا اور انہوں نے اس کی طباعت کا انتظام بھی فرمایا، ساتھ ہی بندہ پر یہ ذمہ داری بھی عائد کر دی کہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر خطبات کو بھی ترتیب دوں، اس وقت جب میرے سامنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کا وہ مجموعہ جو میں نے ترتیب دیا تھا وہ انتیس مضامین پر مشتمل تھا اس مجموعہ کا نام خطبات ندویؒ تجویز کیا گیا تھا، مگر جب دوسرا مجموعہ تیار ہوا تو میرے بعض محسنین (جن کا تعلق دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے تھا) نے یہ مشورہ دیا کہ اس مجموعہ کا نام بجائے خطبات ندویؒ کے خطبات علی میاںؒ رکھا جائے تو یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے زیادہ میل کھاتا ہے اور یہ بات درست بھی تھی چنانچہ اس مجموعہ کو خطبات علی میاںؒ سے موسوم کیا گیا، اس وقت مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ میں ان خطبات کے جمع وترتیب کے سلسلہ کو مزید آگے بڑھا سکوں گا، کیونکہ نہ تو میرے پاس مواد تھا اور نہ ہی مجھ میں اتنی ہمت تھی کہ [illegible] لیکن اگر خداوند کریم ورحیم اپنے بندوں پر جس قدر انعام واکرام فرماتا [illegible] احسانات سے نوازتے ہیں ان کا شکر کرنا [illegible] ممکن ہے، لیکن [illegible] اور نوازشوں [illegible] صد آفریں چیز ہے، درحقیقت اعتراف [illegible] نعمتوں کا مستحق قرار دیتی ہے۔

بالآخر میرے اساتذہ اور میرے رفقاء مجھے وقتاً فوقتاً حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے

خطابی مواد فراہم کرتے رہے اور رہنمائی بھی کرتے رہے، سب سے بڑھ کر تو یہ کہ ان حضرات نے اس کام پر میری حوصلہ افزائی فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ کی خدمت میں بجائے ایک جلد کے تین جلد حاضر ہیں۔

ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم.

اس مجموعہ میں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے وہ خطبات ہیں جو دعوت وتبلیغ سے متعلق ہیں، حضرت رحمۃ اللہ کے اسلوب تبلیغ، انداز دعوت اور اس کے طریقے کار کو کما حقہ سمجھایا ہے جو ایک عام مسلمان کے لئے بھی رہنما ثابت ہو سکتا ہے، دراصل امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایسا کام ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں، امت محمدیہ جب تک اس کام کو انجام دیتی رہی کامیابی وکامرانی اس کے قدم چومتی رہی اور عزت وشان وشوکت ملتی رہی مگر جب اس کام کو چھوڑ دیگی تو سخت مصائب وآلام اور ذلت وخواری میں مبتلا ہو جائے گی اور ہر قسم کی غیبی نصرت ومدد سے محروم ہو جائے گی، گمراہی وضلالت کی شاہراہیں کھل جائیں گی، آپس میں پھوٹ اور عداوت پیدا ہو جائے گی، آبادیاں ویران ہو جائیں گی، مخلوقِ خدا تباہ وبرباد ہو جائے گی اور یہ سب ہو رہا ہے (لیکن) اس تباہی وبربادی کی خبر اس وقت ہوگی جب میدان حشر میں خدا کے سامنے باز پرس کیلئے بلایا جائے گا...... بہر حال یہ محنت اور جد وجہد خدا کی ایک اہم عبادت اور سعادت عظمیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام کی امانت ووراثت ہے اس کا مقصد دوسروں کی ہدایت ہی نہیں بلکہ اس سے خود اپنی اصلاح اور عبدیت کا اظہار مقصود ہے، اگر ہم اس کو صحیح طور پر انجام دیں گے تو عزت وآبرو اور اطمینان وسکون کی زندگی پالیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی خدمت کرنے کے لئے قبول فرمائیں اور دین ودنیا کی تمام بھلائیوں سے نوازیں۔

والسلام

محمد رمضان علی میاں نیپالی

۲۰۰۲/۳/۲۸

دعوت و تبلیغ

''دعوت دین بہت نازک کام ہے، اور اس کی وسعت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، اس کے کچھ حدود مکانی ہیں اور کچھ زمانی۔ اور دونوں انتہائی وسیع اور پھیلے ہوئے ہیں، زمانے کے لحاظ سے دیکھئے تو اس کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ کسی پیغمبر نے دعوت کا آغاز کیا یا غیر پیغمبر نے اس دعوت کی ابتداء کی اور اس کی انتہا کوئی بھی نہیں ہے اسی طرح اس کا مقام (مکانی حدود) بھی متعین نہیں کیا جا سکتا ہو سکتا ہے کہ داعی مشرق میں ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مغرب میں ہو یا مشرق سے مغرب یا مغرب سے مشرق منتقل ہو جائے لہذا اگر صرف اہل مشرق کو سمجھانے کا طریقہ اس کو معلوم ہے تو مغرب میں وہ افہام و تفہیم کا کام انجام نہیں دے سکتا، اگر وہ صرف اہل مغرب کے طبائع اور نفسیات سے واقف ہے تو مشرق میں اس کی دعوت برمحل اور بارآور نہیں ہوگی!

مفکر اسلام، علامۃ الہند حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہدایت و تبلیغ کی اہمیت

یہ تقریر آج سے تقریباً ۲۳ سال قبل کی ہے جو حضرت نے برما کے دارالحکومت رنگون میں وہاں کی سب سے مشہور سورتی سنی مسجد میں فرمائی تھی، یہ وہ دور تھا جب برما میں جمہوری حکومت قائم تھی، لوگوں کے پاس دولت کی ریل پیل تھی لوگ آسودہ زندگی گزار رہے تھے، وہ بھول گئے تھے کہ یہاں بھی ایسا انقلاب برپا ہوسکتا ہے کہ ''صبح الدار تھے اور دوپہر کو غریب'' چاہئے تو یہ تھا کہ جو مسلمان وہاں بستے تھے وہ غیروں میں اسلام کی دعوت دیتے، دعوت تبلیغ میں کوشاں رہتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، بالآخر وہاں فوجی انقلاب ۱۹۶۲ء میں برپا ہوا اور یہ انقلاب مال و دولت سب کچھ بہا لے گیا اور پھر ایسی کایا پلٹی کہ زکوٰۃ دینے والے زکوٰۃ کے مستحق ہوگئے۔ آج سے تیس ۳۰ سال قبل برما کے مسلمان تاجروں کی فیاضی بڑی مشہور تھی، بھارت میں بڑے بڑے مدرسے خصوصاً دارالعلوم دیوبند اور پاکستان کے دینی اداروں میں برما کے مسلمانوں کا بڑا حصہ ہے، حضرت نے اپنی تقریر میں وہاں کے مسلمانوں کو جھنجوڑا اور ان کی اصل ذمہ داری کی طرف متوجہ فرمایا۔ ان کی تقریر کے تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں فوجی انقلاب آیا، جس سے وہاں کے مسلمان آج تک سنبھل نہیں سکے۔ تقریر کا ایک ایک لفظ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے سبق آموز ہے۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ

واصحابه اجمعین ومن تبعهم باحسان ودعی بدعوتهم الی یوم الدین . اما بعد! فاعوذ بالله من الشیطٰن الرجیم . بسم الله الرحمٰن الرحیم . ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ O

میرے بزرگو بھائیو اور دوستو!

آپ کو معلوم ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی تو سارے عالم میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ملک کے ملک، براعظم کے براعظم اللہ کی یاد سے، توحید کے نور سے، علم کی روشنی سے اور اخلاق حسنہ کی برکتوں سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر اس زمانے کی تصویر کون کھینچ سکتا ہے۔ وہ فرماتا ہے:۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ O

عیش وعشرت کا وبال

لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے خشکی اور تری میں، زمین پر، سمندر اور اس کے جزیروں میں عالمگیر فساد جس سے دنیا کا کوئی کونہ خالی نہ تھا، فساد زمین پر پھیلا ہوا اور چھایا ہوا تھا، اس وقت حالت یہ تھی جیسے اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے مسلمان عالم نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص چراغ لے کر نکلتا تو ملک کے ملک خدا کی یاد سے خالی تھے، اگر کوئی شخص کسی بہت بڑے ملک یا براعظم میں کسی ایسے آدمی کو تلاش کرتا جس کے دل میں خدا کی سچی معرفت اور محبت ہے اور خدا کو صحیح طور پر یاد کرتا ہے اور اس کو موت کا خیال ہے اور دوسری زندگی کا کچھ دھیان ہے، تو پورے کے پورے براعظم میں ایک آدمی بھی بعض اوقات ایسا نہ ملتا، لوگوں کے دل تاریک ہو چکے تھے، خدا کی صحیح پہچان، خدا کا صحیح علم، دنیا سے تقریباً نایاب ہو گیا تھا، ہر جگہ گناہوں کی سرکشی کا، غفلت کا، عیش وعشرت کا دور دورہ تھا، ساری زمین پر بتوں کی پرستش ہو رہی تھی، آگ پج رہی تھی، بت پج رہے تھے، درخت پج رہے تھے، سورج اور چاند پج رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت

کرنے والے بالکل عنقا تھے۔ (عنقا ایک قسم کا پرندہ جسکی نسل دنیا سے منقطع ہو چکی ہے۔)
ظلم کا عام دنیا میں دور دورہ تھا، کسی کو سوائے اپنا پیٹ بھر لینے کے اور اپنا مطلب نکال لینے کے اور اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے کے کوئی فکر اور کوئی دھندا نہ تھا، انسانیت کا درخت جس کو بڑے انتظام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے لگایا تھا اور اس کو پروان چڑھایا تھا، وہ پامال ہو رہا تھا گویا جانور اس کو چر رہے تھے، ہر طرف سے اس پر حملہ تھا، انسانیت ذلیل کی جا رہی تھی، اور اتنی لمبی چوڑی دنیا میں انسانیت کا درد رکھنے والے بالکل ناپید تھے، ایسا آدمی ایک اکیلا آدمی کہ جس کے دل میں کچھ انسانیت کا درد پیدا ہوتا، بے چینی پیدا ہوتی۔ اور اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی، اور اس کا کسی کام میں جی نہ لگتا، وہ موجود نہ تھا، سب کو اپنی اپنی پڑی تھی۔ نفسا نفسی کا عالم تھا، بادشاہ، وزیر، امیر، عالم، شاعر، ادیب، مصنف سوچنے والے اور یہاں تک کہ اللہ کو پہچاننے والے تھوڑا بہت اللہ کو یاد کرنے والے بلکہ بہت کچھ اللہ کو یاد کرنے والے وہ بھی انسانیت کی طرف سے بے فکر تھے، اگر کسی کا کوئی جھونپڑا بھی ٹوٹتا اور کسی کے ایک پیسے کا نقصان ہوتا تو آدمی اس کو برداشت نہیں کرتا تھا لیکن انسانیت کی تذلیل اور اس کی بربادی سب دیکھ رہے تھے اور یہاں تک کہ ایک آنے اور ایک روپے کی جتنی قدر ہوتی ہے اتنی بھی انسانیت کی قدر کسی کے دل میں نہیں تھی، کوئی شخص اس خطرناک زندگی سے پریشان نہیں تھا، سب اپنے اپنے عیش میں مست اور اپنے اپنے حال میں مگن تھے۔

اگر کوئی بہت ناراض ہوتا اور اس کو ایسی حالت بری معلوم ہوتی تو روٹھ کر خود ہی چلا جاتا، کہیں کسی غار میں کہیں کسی پہاڑ کی چوٹی پر جا کر اپنا ٹھکانہ بنا لیتا اور کہتا کہ ہم ایسی پاپی دنیا میں نہیں رہیں گے، دنیا بڑی پاپی، ملچھ اور گندی ہو گئی ہے، یہ دنیا رہنے کے قابل نہیں ہے، ہم اس زندگی سے بھاگ جاتے ہیں، اور کہیں اور جگہ اپنا بسیرا کر لیتے ہیں ایسے گنہگار شہروں میں ایسے ایسے گناہوں میں آلودہ زندگیوں میں رہنا ہم برداشت نہیں کر سکتے لیکن اس کا بھی کیا نتیجہ تھا جو روٹھے گا خود روٹھے گا۔

اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی کشتی دریا میں چل رہی ہے اور غلط راستے پر چل رہی

ہو۔ آگے طوفان ہو اور صاف نظر آ رہا ہو کہ اب کشتی طوفان کی نذر ہو جائے گی اور ڈوب جائے گی اور کشتی والے بالکل غافل ہوں، ایک دوسرے سے چھوٹی چھوٹی بات پر لڑ جھگڑ رہے ہوں، آستین چڑھاتے ہوئے ایک دوسرے کے گریبان پر ہاتھ ڈالے ہوئے کچھ مسافر حرمتی اور خوب دھینگا مشتی کر رہے ہوں، کچھ لوگ کشتی میں بیٹھے ہوئے تاش کھیل رہے ہوں اور کچھ لوگ کشتی پر بیٹھے گانا گا رہے ہوں، بجا رہے ہوں اور کشتی ہر منٹ پر خطرے کے قریب ہو رہی ہو اور جو منٹ بھی گزرتا ہو اور جو گھڑی بھی گزرتی ہو یہ صاف نظر آ رہا ہو کہ اب یہ کشتی ڈوبے گی، بچتی نظر نہیں آتی تو کوئی خدا کا بندہ جو اس کشتی پر بیٹھا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہو اور خطرے کو محسوس کر رہا ہو تو کشتی جس رخ پر جا رہی ہو اس سے منہ موڑ کر، پیٹھ پھیر کر دوسری طرف منہ کر کے بیٹھ جائے، وہ آنکھوں پر پٹی باندھ لے اور کہے کہ میں نہیں دیکھتا اور مجھ سے کشتی کے مسافروں کی یہ بدتمیزی نہیں دیکھی جاتی اور مجھ سے کشتی کا یہ انجام نہیں دیکھا جاتا میں تو منہ ادھر کر لیتا ہوں کشتی مشرق کی طرف جا رہی ہو اور اسی طرف طوفان ہو اور وہ آدمی بجائے مشرق کے مغرب کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اور آنکھ بھی بند کر لے اور سمجھے کہ میں نہیں ڈوبوں گا، اس سے کیا ہوتا ہے، کشتی جو ڈوبنے والی ہے وہ تو ڈوبے گی ساتھ یہ بھی ڈوبے گا، ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے مثال دی کہ اگر برائی سے نہ روکو گے اور نیکی کا حکم نہ دو گے، تو تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک کشتی کے درجے ہوں، نچلا، درمیانہ اور فرسٹ کلاس اس کشتی میں کتنی منزلیں ہوں اور سب مسافر ہوں اور اتفاق سے پانی کا انتظام اوپر کی منزل پر ہو، فرسٹ کلاس والوں کا یوں بھی زیادہ خیال کیا جاتا ہے۔ نیچے والے مسافر اوپر آتے ہیں وہاں سے پانی لاتے ہیں۔ جب پانی لاتے ہیں تو اس کا قاعدہ ہے کہ وہ کچھ ٹپکتا ہے۔ گرتا ہے۔ پانی ایسی قابو کی چیز نہیں ہے۔ کتنا ہی آپ احتیاط کیجئے پانی ٹپک پڑتا ہے، کسی کا کپڑا بھیگ گیا کوئی آدمی بھیگ گیا تو وہاں سے جب پانی بھرنے جاتے ہیں تو راستے میں پانی گرتا ہے اوپر والوں نے ایک آدھ مرتبہ برداشت کیا پھر نیچے والوں پر ناراض ہونے لگے اور کہنے لگے کہ یہ بڑی مصیبت ہے۔ روز روز کی مصیبت ہے کہ پانی لینے آ جاتے ہیں ضرورت آپ

کو پانی کی ہے، پریشان ہم ہوتے ہیں، اب ہم برداشت نہیں کر سکتے، خبردار اوپر پانی لینے کے لئے مت آنا، ہم پانی دینے کے روادار نہیں ہیں، ہم اب ایک قطرہ پانی کسی کو نہیں دیں گے جب کہ پانی کے بغیر گزارہ نہیں ہوسکتا، پانی کے بغیر زندگی نہیں اور پانی یہ دیتے نہیں اور کہتے ہیں کہ اوپر تم چڑھو نہیں تو نچلی کلاس والوں نے سوچا نیچے پیندے میں ہم ایک سوراخ کر لیتے ہیں۔ اور وہاں سے ڈول ڈال کر اپنا پانی بھر لیا کریں گے، پانی کے بغیر ہم جی نہیں سکتے، اب ہم پانی کا یہیں انتظام کرلیں گے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سمجھ دی اور ان کو ہوش آیا تو اوپر والے ان لوگوں کا ہاتھ پکڑ لیں گے ان کو سوراخ نہیں کرنے دیں گے بلکہ ان کی خوشامد کرلیں گے اور کہیں گے کہ بھائی تم شوق سے اوپر آؤ اور پانی لو، ہم تمہیں نہیں روکتے مگر خدا کے لئے تم نیچے سوراخ نہ کرو، اس لئے کہ اگر تم نے نیچے سوراخ کرلیا اور پانی کشتی میں بھرنے لگا تو ساری کشتی ڈوب جائے گی اور اوپر نیچے والے میں سے کوئی نہیں بچے گا، دریا کسی کی رعایت نہیں کرے گا، کشتی ڈوبے گی تو سب ڈوبیں گے اوپر کے بھی ڈوبیں گے اور نیچے کے بھی ڈوبیں گے۔

دور رسول کا ابتدائی منظر

تو حضور ﷺ کے زمانے میں تمام دنیا میں فساد پھیلا ہوا تھا اگر کوئی خدا کا نیک بندہ بہت زیادہ اس پر بے چین اور پریشان ہوتا تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتا تھا کہ روٹھ کر ناراض ہوکر وہاں سے چلا جاتا اس پاپی اور آلودہ زندگی سے نکل کر پہاڑ کی چوٹی پر کہیں کسی غار کے اندر اپنا ٹھکانا بناتا اور کہتا ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے یہ مریں یا تباہ ہوں ہم ان سے دور بھاگتے ہیں اتنی بڑی اللہ کی دنیا اتنی بڑی زمین اور وہاں جو یہ صورت تھی یہ فساد تھا اس سے لڑنے کے لئے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اس کا دھارا بدلنے کے لئے اس زندگی کا رخ صحیح کرنے کے لئے اور اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے کوئی تیار نہ تھا۔ بڑے بڑے نامی گرامی ملک تھے۔ ایران ہندوستان کا ملک تھا اور ساری مہذب

دنیا پڑی ہوئی تھی۔ ان میں تعلیم یافتہ لوگ بھی تھے۔ ایران بڑا تعلیم یافتہ بڑا مہذب تھا یہاں کا طبقہ بہت اونچا تھا۔ روم بڑا مہذب تھا۔ ہندوستان بڑا تعلم یافتہ مذہب تھا یہاں کا طبقہ بہت اونچا تھا۔ یہاں علم ریاضی بہت ترقی کر گیا تھا۔ یہاں عقل اور دانائی کے کام کی باتیں بہت تھیں۔ مگر زمانے کے بگاڑ کے خلاف لڑنے کے لئے، اس کی کلائی موڑنے کے لئے اور اس کا رخ صحیح کرنے کے لئے کوئی میدان میں آنے کو تیار نہ تھا۔

بادشاہوں کو اپنے عیش سے فرصت نہ تھی وزیروں کو ملک لوٹنے اور اپنے گھر بھرنے سے فرصت نہ تھی۔ لشکروں کو انسانوں کو قتل کرنے اور قوموں کو پاؤں کے نیچے روندنے، ملکوں کو اجاڑنے اور تاراج کرنے سے فرصت نہیں تھی۔

عالموں، شاعروں کو بادشاہوں کو خوش کرنے سے اور ان کی خوشامد کرنے سے فرصت نہیں تھی۔ مصنفوں کو کتابیں لکھنے اپنے نام زندہ رکھنے کی کوشش کرنے اپنی علمی باتوں کا لطف لینے اور ان میں مست رہنے سے فرصت نہیں تھی۔ صوفیوں کو خدا کے نیک بندوں کو جو کہیں دو چار خال خال پائے جاتے تھے۔ ان کو اللہ کی نام میں جو مزہ آیا اور لذت آئی انہیں اسے مزے اور لطف سے فرصت نہیں تھی۔ اب بتلاؤ کہ دنیا میں اس بگاڑ کے خلاف کون لڑتا اور کون انسانیت کی خبر لیتا اور کون زندگی کے چول صحیح جگہ پر بٹھاتا۔ اس کے لئے کوئی نہیں تھا۔

رسول اللہ ﷺ ایک ایسے ملک میں تشریف لائے جو ملک علم اور تہذیب میں بہت پیچھے تھا روم اور ایران سے تو لگا کھاتا ہی نہیں تھا ان سے سینکڑوں برس پیچھے تھا جہاں تک تعلیم اور پڑھنے لکھنے کا تعلق تھا تو اس میں پڑھے لکھے آدمی اتنے کم تھے کہ ساری قوم کو اللہ تعالی نے خود عربی زبان میں یعنی اس ملک کی زبان میں کہا کہ یہ ان پڑھ ہیں هو الذى بعث فى الاميىن رسولاً جس نے کہ ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا تو ''ان پڑھ'' اور ''ناخواندہ'' یہ ان کا قومی لقب تھا۔ مالی حیثیت سے فقیر اور مفلس تھے گوہ کا شکار کر کے کھا جایا کرتے تھے۔ کیڑے مکوڑے کہیں کہیں کھا جایا کرتے تھے اور اگر دوپہر کو کھانا مل گیا تو رات کی خبر نہیں اور رات کو مل گیا تو دوپہر کی خبر نہیں۔ جانوروں کو چراتے تھے اونٹ کے

گوشت، زیادہ تر اونٹ کے دودھ پر ان کا گزارہ ہوتا تھا اونٹ کے بالوں سے وہ اپنے کمبل اور خیمے بنا لیتے تھے اور ان میں رہتے تھے جہاں سبزہ گھاس ہوتا وہاں جا کر خیمے یا جھونپڑے ڈال دیتے تھے یا یوں ہی پڑ جاتے تھے جو مل جاتا تھا وہ کھا پی لیتے تھے اس کے بعد جب رات ختم ہوئی وہاں سے اٹھے اور خانہ بدوش قوموں کی طرح دوسری جگہ جا پڑے وہاں سے دانہ پانی ختم ہوا تو اور کوئی جگہ تلاش کر کے چلے گئے اور ان کی مفلسی اور غریبی کا یہ حال تھا کہ قافلوں کو لوٹنا ان کا ذریعہ معاش تھا اور اس ظلم کو دیکھئے کہ بے چارے قافلے جن میں عورتیں بچے اور ضعیف ہوتے تھے حج کرنے یا تجارت کرنے کے لئے شام یا یمن جارہے ہوتے بس کسی قبیلے نے ان پر حملہ کیا اور سارا کچھ لوٹ لیا دو چار مہینے مزے اڑائے موجیں کیں اور اس کے بعد کسی اور قافلے کو تا کا اور لوٹا اس سے اپنا مطلب نکالا۔ یہ ان کی حالت تھی۔ اخلاق کا یہ حال تھا کہ ان کا کوئی اخلاق نہ تھا۔ لڑکیوں کو زندہ درگور (زمین میں دفن) کر دیا کرتے تھے۔ شراب کے ایسے رسیا تھے اور ان کو ایسی دھت تھی کہ ان کی زبان میں شراب کے لئے سینکڑوں نہیں ہزاروں نام تھے۔ اور شراب اتنی عام تھی کہ شراب بیچنے والوں کو تاجر کہا کرتے تھے۔ تاجر کے معنی قدیم عربی میں شراب بیچنے والے کے ہیں۔ شراب کی تجارت ہی اصل تجارت تھی۔ اگر کوئی چیز عام طور پر بکتی تھی تو وہ شراب تھی۔ زنا کاری اور بدکاری کا ایسا رواج تھا کہ گھروں پر جھنڈے لگائے جاتے تھے کہ جگہ اڈا ہے۔ یہاں آدمی آئے اور منہ کالا کر کے ان کے اندر نکاح کے علاوہ بھی اولاد پیدا کرنے کے کئی طریقے رائج تھے کہ میں اس وقت خدا کے گھر میں ان کو بیان نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید نے اس دور کی تصویر کھینچ دی ہے اور حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے اس زمانے کا نام ہی جاہلیت رکھا گیا ہے، یعنی تاریک زمانہ، بے خبری وحشت و جہالت کا زمانہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس دنیا کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے دنیا تماشا دکھانے کے لئے پیدا نہیں کی اس نے اپنی عبادت کے لئے اور منشاء کے مطابق چلنے کے لئے بنائی ہے وہ صاف صاف فرماتا ہے۔

خلق الموت والحیوٰۃ، یعنی جس نے موت اور زندگی پیدا کی تا کہ تم کو

آزمائے کہ تم میں سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے وہ فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ، میں نے جن اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں اور میرے منشاء پر چلیں اور میرے حکم کے مطابق زندگی بسر کریں اور فرماتا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ، کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کی نظر سے دنیا کبھی بھی اوجھل نہیں ہے نے زمین کے نقشے پر نظر ڈالی تو اس کو دنیا کا یہ نقشہ بہت ناپسند آیا، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا پر نظر ڈالی تو کیا عربی اور کیا عجمی سب سے اس کو نفرت ہوئی اس نے کہا کہ یہ کیا دنیا ہے جو میں نے بنائی ہے۔ دنیا والوں کو بنایا کس کام کے لئے لیکن یہ کچھ اور کام کرنے لگ گئے اب اس کی غیرت جوش میں آئی اس نے دنیا کی اصلاح اور ہدایت کا ارادہ فرمایا تو اس نے ملک عرب میں پیغمبر بھیجا، وہ پیغمبر ایسا ہو جس کے ساتھ روح القدس کی طاقت اور آسمانی لشکر ہو، اللہ تعالیٰ لوگوں کو پیغمبر کے ذریعے ہدایت دیتا ہے مگر دنیا کی ہدایت کے لئے پیغمبر کے کام کو لے کر چلنے والے آدمی بھی چاہئیں۔

اب دنیا کی ہدایت کے لئے اس کی حالت بدلنے کے لئے دنیا میں انقلاب لانے کے لئے اس کا رخ شر سے خیر کی طرف لانے کے لئے کون اٹھتا ہے، یہ تھا سوال؟ اس کی ہلاکت و بربادی سے ترقی اور امن وسلامتی کی طرف رخ موڑنے کے لئے کون سی جماعت کون سی قوم اور کون سا ملک سامنے آتا ہے۔ حضور ﷺ تشریف لائے، ایرانی بھی تھے، ہندوستانی بھی تھے، یونانی بھی تھے رومی بھی تھے اور ساری دنیا پڑی ہوئی تھی، مگر اپنی جان جوکھنے کے لئے اپنے مال اور اولاد کی بازی لگانے کے لئے دنیا کی کوئی قوم تیار نہ تھی کام بہت مشکل تھا۔

میرے دوستو اور بزرگو! اس زمانے میں دنیا کے نقشے پر نظر ڈالو اس وقت دنیا میں بگاڑ اس حد تک اتنا دور پہنچ گیا تھا۔ اس کی جڑیں اتنی گہری، انسانیت کے جسم، انسانیت

کے دماغ اور اس کے دل کے اندر اس طرح پیوست ہو رہی تھیں کہ اس بگاڑ کو دور کرنے کے لئے معمولی کوششیں کافی نہ تھیں۔ آرام، آرام سے چلنا، تھوڑا تھوڑا وقت لگانا اپنی مصلحتوں اور فائدے کو بچا کر اپنی اولاد اپنے گھر بار کو دیکھنا اور دیکھ کر احتیاط سے کام کرنا اس سے انسانیت کی یہ گاڑی دلدل میں پھنس گئی تھی، یہ نکلنے والی نہیں تھی، جب بگاڑ انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ جب بیماری انتہاء کو پہنچ جاتی ہے تو معمولی کوشش اور معمولی دوا کام نہیں کرتی، اس وقت تو جان کی بازی لگا کر جان پر کھیل جانے کی ضرورت ہوتی ہے فرض کرو تمہارے شہر میں سیلاب آ گیا ہے (خدا تمہارے شہر کو محفوظ رکھے) یہ آپ کا رنگون دریا ہے یہ بڑھا اس کا پانی شہر رنگون اور اس کے محلوں میں پھیل گیا یہاں کی عمارتیں ڈوبنے لگیں آدمی ڈوبنے لگے تو اب اس سے کام نہیں چلے گا۔ کہ چھوٹی چھوٹی کشتیاں لاؤ اور اطمینان کے ساتھ لوگوں کو نکالو! لوگ اپنے سب کام کرتے رہیں کارخانے والے کارخانے میں جاتے رہیں، مدرسے والے مدرسے میں پڑھتے پڑھاتے رہیں، سینما کے تماشے بھی ہوتے رہیں، لوگ رات بھی میٹھی نیند سوتے رہیں، کھانے کے اوقات میں بھی کوئی فرق واقع نہ ہو، انسان کی زندگی کا جو ڈھانچہ ہے وہ بالکل اسی طرح سے برقرار رہے تو سیلاب کا مقابلہ اس طرح سے نہیں ہو سکتا، اگر مثلاً خدانخواستہ کسی گاؤں میں آگ لگ گئی ہو اور تیزی سے پھیل رہی ہو تو آرام آرام سے اس کو بجھانا، چھوٹی چھوٹی شیشیاں اور چھوٹے چھوٹے پیالے لے کر ان میں پانی ڈالنے کے لئے [illegible] کھولنا اور پھر آگ پر پانی [illegible] آرام [illegible] اس سے کام نہیں [illegible] [illegible] دریا نظر آ رہا ہو [illegible] [illegible] اور جان [illegible] جل کر راکھ ہو جائیں گے تو اس وقت کھانا کھانے والے کھانا چھوڑ دیں [illegible] کھیتی کرنے والے کھیت چھوڑ کر چلے آتے ہیں، اس وقت دکانوں پر بیٹھے والے [illegible] کو کھلا چھوڑ کر آگ بجھانے کے لئے کود پڑتے ہیں، اس وقت جو ماں اپنے بچوں [illegible] پلا رہی ہوتی ہے وہ بچوں کو پٹخ دیتی ہے اور دیوانوں کی طرح دوڑ پڑتی ہے، اس وقت [illegible]

اپنی بیماری کو نہیں دیکھتا اپنے بستر سے کود کر کے دوڑ آتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اگر یہ آگ ہمارے گھروں تک پہنچ گئی تو اس چارپائی پر پڑا پڑا جل کر خاک ہو جاؤں گا۔

اس وقت کا سب سے بڑا قانون، اس وقت کا سب سے بڑا اخلاق اور اس وقت کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ سارے کام بند کرو اور اس آگ کو بجھاؤ اگر یہ آگ تھوڑی دیر اور رہ گئی تو نہ کتب خانے باقی رہیں گے نہ مدرسے باقی رہیں گے نہ خانقاہیں باقی رہیں گی نہ ہی مسجدیں باقی رہیں گی۔

دوستو! اس وقت دنیا میں بڑے بڑے تاجر تھے۔ بڑے پڑھے لکھے تھے، بڑے مہذب تھے، بڑا علم ان کے پاس تھا، بڑی اونچی اونچی دکانیں تھیں، ان کے بڑے ترقی یافتہ کاروبار تھے، تمام دنیا میں ان کی تجارت پھیلی تھی، ان کو کام کرنے کا بڑا سلیقہ تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قابلیت دی تھی کہ ہزاروں میل کے رقبے اور ہزاروں میل کی لمبی چوڑی سلطنتوں کا وہ انتظام کر رہے تھے وہ اگر اس حالت میں دنیا کی حالت بدلنے کے لئے کود پڑتے تو بہت کام کر سکتے تھے مگر وہ اس کے لئے تیار نہ تھے، ان کو ان کی طرز زندگی نے ایسا جکڑ رکھا تھا اور ایسا غلام بنا رکھا تھا کہ وہ گویا اپنے ہی پنجرے میں گرفتار تھے جیسے چڑیا اپنے پنجرے میں گرفتار ہوتی ہے اسی طرح وہ اپنے بنائے ہوئے پنجرے میں اپنے عیش اور تمدن کے پنجرے میں چڑیوں کی طرح بند تھے وہ اندر دبے ہوئے تھے مگر باہر نکلنے کے لئے کوئی تیار نہ تھا۔

اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرب کی اس نیم وحشی قوم کو جس کے پاس اخلاق کی کمی تھی، جس کی پاس تمدن کی کمی تھی، جس کے پاس دولت کی کمی تھی جس کے پاس تنظیم کی کمی تھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی برکت سے ان کے بہت سے آدمیوں کے دل میں ڈالا کہ یہ وقت ہے نہ اولاد کو دیکھنا چاہئے نہ گھر بار کو نہ جائیداد کو دیکھنا چاہئے اور نہ کاروبار کو، نہ اپنی ذاتی ترقی کو نہ آرام کو اس وقت انسانیت صدیوں سے پامال اور اجڑ رہی تھی، صدیوں سے اس کو لوٹا جا رہا تھا، اس پر ظلم کیا جاتا رہا اس وقت دنیا سے ہدایت بالکل گم ہو چکی تھی، دلوں اور دماغ کی روشنی بالکل بجھ چکی تھی بہت بڑی بڑی شمعیں جلائی جاتی

تھیں، بڑی بڑی روشنی گھروں میں کی جاتی تھی، مگر دل بالکل تاریک تھا، انسان انسان کو کھائے چلا جارہا تھا، جیسے بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھاجاتی ہے اور طاقت ور کمزور کو ہضم کر لیتا ہے بادشاہ تمام دنیا کو لوٹ رہے تھے اور بے چارے غریب کسانوں اور کاشتکاروں کا طبقہ اپنی قسمت پر بیٹھا رورہا تھا ان کو نانِ جویں بھی حاصل نہ تھی جب کہ بادشاہ اور ان کے گھوڑے دودھ میں گویا نہا بلکہ غوطے لگا رہے تھے، اور انسان جو اشرف المخلوقات ہے دانے دانے کو ترس رہا تھا اس کے علاوہ یہ پوری کی پوری نسل اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم دنیا سے چلی جارہی تھی اور یہ عاقبت سے بالکل بے خبر تھی اور یہ کہ ان لوگوں کی مٹی بالکل خراب تھی، ان کو معلوم نہ تھا کہ مرنے کے بعد کیا حال ہوگا، انہوں نے مالک کو پہچانا نہ اس کا نام کبھی اپنی زبان سے لیا، اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو فکر دی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیا اور کہا کہ ہم حاضر ہیں ہم سے کام لیجئے ہمیں بالکل عذر نہیں ہے اور ہم مڑ کر اپنے گھروں کو نہیں دیکھیں گے اپنی اولاد کو نہیں دیکھیں گے اپنے عیش و آرام کو نہیں دیکھیں گے۔ ان میں جو امیر تھے اپنی امارت چھوڑ کر اور جو غریب تھے اپنا جھونپڑا چھوڑ کر اور جو چھوٹے دکاندار تھے اپنی دکانیں چھوڑ کر جو بڑے کارخانہ دار تھے وہ اپنے کارخانے چھوڑ کر اور جو بڑے اعلیٰ درجے کے لباس پہنتے تھے اپنے لباس سے بے پرواہ ہو کر ہر طبقے کے لوگ نکل آئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی ایک جماعت بنائی جس کا نام امت مسلمہ ہے۔ آپ ﷺ اپنے تمام فرمانبرداروں اور کام کرنے والوں کو لے کر دنیا میں نکلے اور آپ ﷺ نے دنیا کے اس بگاڑ کا مقابلہ کیا وہ آگ جو دنیا میں لگی ہوئی تھی، جو ساری انسانیت کو بھسم کرتی جارہی تھی اس کو بجھانے کے لئے اپنی چھوٹی سی جماعت کو جھونک دیا، اور اللہ تعالیٰ کے وہ بندے بے سوچے سمجھے مخلصانہ انداز میں اس میں کود پڑے انہوں نے کہا کہ ہمیں کوئی پرواہ نہیں اگر ہماری زندگی ہے تو پھر کھا پی لیں گے اور اپنے اپنے کاروبار کو دیکھ لیں گے۔ اس وقت ہم اس کے سوا کچھ نہیں کریں گے اس وقت پوری کی پوری دنیا ہلاکت کے گڑھے کی طرف جارہی تھی اور بالکل قریب پہنچ چکی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَكُنتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا.

تم جہنم کے گڑھے کے بالکل کنارے پر پہنچ گئے تھے اور بس گرا چاہتے تھے ایک قدم آگے بڑھاتے تو جہنم کی بالکل تہہ اور گہرائی میں پہنچ جاتے عین ایسی حالت میں یہ جماعت سامنے آ گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس جماعت سے کام لینا شروع کیا، یہاں تک کہ یہ حضرات ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے اور مدینہ طیبہ میں انصار حضرات جو مسلمان ہو گئے تھے، ان کے ساتھ مل گئے اب ان دونوں حضرات، مہاجرین وانصار دونوں نے مل کر اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کا بیڑہ اٹھایا اور کام کرنا شروع کیا اس وقت کچھ عرصہ کے بعد جب مسلمانوں کو سانس لینے کا موقع ملا اور اسلام کو ترقی ہونی شروع ہو گئی اور لوگ اسلام قبول کرنے لگے تو حضرات انصارؓ جو وہاں کے اصلی باشندے تھے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں یہ آیا کہ ہم بہت دن سے اسلام کی خدمت کر رہے ہیں، ہم نے اپنے آپ کو بالکل قربان کر دیا ہے، اپنے کاروبار وغیرہ سب کو مٹا دیا ہے تو ذرا حضور اکرم ﷺ سے جا کر چھٹی لیں اور اپنے کاروبار کو دیکھ لیں کچھ دن دکانیں وغیرہ کھولیں گے دکان جب چلنے لگے گی کاروبار جب سنبھل جائے گا تو اس کے بعد ہم پھر حاضر ہو جائیں گی۔ ہم مستقل چھٹی نہیں لیتے دین کی خدمت سے ہم ریٹائر نہیں ہوتے ہم صرف تھوڑے دنوں کی چھٹی لیتے ہیں اس کے بعد ہم حاضر ہیں ہمیں کوئی عذر نہیں ہے۔ قسطنطنیہ (استنبول کا دارالخلافہ) کا محاصرہ ہو رہا تھا، اسلامی فوج اس کے دروازے پر پڑی ہوئی تھی برابر جنگ جاری تھی فیصلہ نہیں ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ عین لڑائی میں مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک آدمی نکلا اس پر اس وقت ایسا شجاعت کا جذبہ غالب ہوا کہ وہ عیسائیوں کی فوج کی صفیں چیرتا پھاڑتا ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچتا، جدھر اس کی تلوار چمکتی بادل کی طرح لوگ پھٹ جاتے کسی نے دیکھا دادی کچھ صاحب کہنے لگے کہ دیکھو یہ اللہ کا بندہ خودکشی کر رہا ہے یہ بالکل خدا کے حکم کے خلاف کر رہا ہے یہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال رہا ہے خواہ مخواہ کیا ضرورت ہے اس کو اس طرح جان دینے کی، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے کہ ایک آدمی ہزاروں کے مجمع میں گھس

جائے اور آدمیوں کے بیچ میں کود پڑے۔ یہ نہیں چاہئے پھر ان صاحب نے یہ آیت پڑھی:۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِO

کہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم ﷺ کے مہمان رہ چکے تھے جو بڑے جلیل القدر صحابی اور عالم دن تھے، وہ بے چین ہو گئے کہنے لگے لوگو! اس آیت کا مطلب ہم سے پوچھو یہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے میں تمہیں اس کی تفسیر بتاتا ہوں تم بالکل اس کے غلط معنی لے رہے ہو، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ ہم انصاری حضرات جو باغوں کے مالک تھے اور تجارت جن کا پیشہ تھا ہم لوگ جو مدینہ طیبہ میں رہتے تھے کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد جب اسلام کی ترقی کا دور شروع ہو گیا تو ہم نے یہ خیال کیا اور ہمارے میں یہ بات آئی اور مشورہ کیا کہ اب اسلام کی خدمت کرنے والے بہت ہو گئے ہیں، اب ہم حضور ﷺ سے کچھ دن کی چھٹی لے لیں، آپ ﷺ بڑے شفیق ہیں آپ ﷺ ہمیں چھٹی دے دیں گے ہم عرض کریں گے کہ ہمیں ہوش نہیں تھا سوائے دین اسلام کے ہم اسی لئے جان ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے اب اللہ کا شکر ہے کوئی قریبی خطرہ نہیں ہے اس لئے ہم حضور ﷺ سے کچھ دنوں کی چھٹی لے لیں اپنے ذاتی کاروبار سنبھالنے اور ایک حد تک پہنچانے کے بعد ہم پھر حاضر ہو جائیں گے اور خدمت کریں گے بس اس خیال کا ہمارے دل میں آنا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل کر دی:۔

"وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ"

اے اللہ کے بندو! کیا سوچ رہے ہو کیا اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا چاہتے ہو دیکھو اس وقت اپنی دکان کو نہ دیکھو ایمان کی دکان دیکھو، ایمان کے سودے کو دیکھو اس وقت اپنی جان کو نہ دیکھو اس وقت جو دنیا میں بستے ہیں سب کفر کے خطرے میں ہیں اور سب خطرے میں ہیں اس بات کے کہ بغیر ایمان کے اٹھ جائیں اور قیامت میں جہنم کی آگ میں ہزاروں لاکھوں کروڑوں برس تک جلتے رہیں، ایسی حالت میں تم کو اپنی جان کو

دیکھنا اپنے مال کو دیکھنا اپنے کاروبار کو دیکھنا جائز نہیں تم اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا چاہتے ہو ہلاکت کے غار میں کودنا چاہتے ہو تو تمہی نہیں کودو گے بلکہ ساری دنیا تمہارے ساتھ اس ہلاکت کے غار میں گر جائے گی اور پھر انسانیت کے لئے اور کوئی وقت نہیں آئے گا، تم انسانیت کا آخری سہارا ہو سینکڑوں برس سے تمہاری جماعت کا آسمان کو انتظار تھا، فرشتوں کو انتظار سارے انسانوں کو انتظار تھا ساری دنیا کو انتظار تھا کہ ایک جماعت ایسی آئے مخلصوں کی جان بازوں کی، دیوانوں کی، جو اپنے مال کی اپنے کاروبار کی دکان کی پرواہ نہ کرے اور انسایت کو صحیح راستے پر لگانے کے لئے اپنی ہر چیز کو خطرے میں ڈال دے۔ اب تم باغوں کو دیکھتے ہو۔ دیکھو! اگر یہ باغ تمہارے اجڑ جائیں گے تو تمہارا کیا نقصان ہوگا چند درخت سوکھ جائیں گے اور چند سو روپے کا نقصان ہوگا ایک انسان کا باغ ہے یا ایک خاندان کا باغ ہے لیکن اگر تم نے اس وقت پہلوتہی کی اور تم انسانیت کے مسئلے کو بھول گئے اور اپنے مسئلے کو دیکھا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانوں کو ہدایت صدیوں کے لئے اور شاید ہزاروں برس کے لئے ملتوی ہو جائے یہ وقت روز روز نہیں آتا حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آج پانچ چھ سو برس کے بعد یہ وقت آیا ہے یہ وقت ہے اپنے مسئلے سے آنکھ بند کر لینے کا اور انسانیت کے مسئلے پر پہنچنے کا ہم اس خیال سے باز آئے ہم نے توبہ کی اور ہم نے کہا ہم نے کچھ نہیں کرنا ہے ہمیں حضور علیہ السلام جیسا حکم کریں گے ویسا ہی ہم کریں گے چنانچہ انہی مہاجرین وانصار نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر آپ ﷺ کہیں ہم سمندر میں گھوڑے ڈال دیں اگر آپ کہیں دنیا کے پرلے سرے تک ہم بھاگتے چلے جائیں، گھوڑے دوڑاتے چلے جائیں آپ ﷺ جو کہیں اسے ہم کرنے کو تیار ہیں، کیا نتیجہ ہوا اس کا دوستو! کہ دنیا میں ایمان وہدایت کی ہوا چلی، ایمان وہدایت کی ہوا نہیں آندھی چلی آندھی چلی اتنے زور سے آندھی چلی کہ دنیا میں کوئی درخت ایسا نہ تھا کہ جس کا پتہ ایک بار ہل نہ گیا ہو، اور اس سے مردہ زندہ ہو گئے ہوں وہ ایک بار بہاری تھی ایسی زندگی بخشنے والی ہوا تھی ایسا ٹھنڈا جانفزا جھونکا تھا کہ اس سے دنیا میں جان پڑ گئی ساری دنیا میں اس مردہ انسانیت میں جان پڑ گئی وہ دنیا جو شر کی طرف بگٹٹ بھاگی جارہی

تھی سرپٹ دوڑ رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ وہ اس میں جا پڑتی اس کا رخ شر سے خیر کی طرف، کفر سے ایمان کی طرف، مادیت سے اطاعت کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے بغض سے اور اللہ تعالیٰ کے معتوب ہونے سے محبوبیت اور مقبولیت کی طرف ہو گیا ان کی ان کوششوں کا نتیجہ کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم انسانیت پر دوبارہ ہو گئی اور اللہ نے انسانوں کو دوبارہ ہدایت دینے کا اور ترقی دینے کا اور انسانوں کو روحانی کمالات سے مالا مال کرنے کا فیصلہ فرمایا وہ انسانی نسل جس میں سانپ بچھو پیدا ہو رہے تھے مائیں سانپ اور بچھو جنم دے رہی تھیں بھیڑیئے چیتے اور درندے وغیرہ جن رہی تھیں وہ مائیں جو بندر اور سور جن رہی تھیں وہ مائیں اولیاء اللہ جننے لگیں۔

وہ مائیں اب بڑے بڑے عالم اور بڑے بڑے عارف اور بڑے بڑے ولی اللہ جننے لگیں، یہ ان لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ وہ انسانیت جو بالکل بانجھ ہو گئی تھی کہ اس کے اندر خدا کا ایک فرمانبردار بندہ، ایک اپنی ماں کا لال پیدا نہیں ہوتا تھا، جو پیدا ہوتے تھے خونخوار درندے، بدمست، خدا کو بھولنے والے، ظلم کرنے والے آج اسی انسانیت میں سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں اولیاء اللہ پیدا ہونے لگے۔

اماموں میں سے ایک امام ابو حنیفہؒ کا نام سن لو، اولیاء اللہ میں سے ایک سید عبدالقادر جیلانیؒ کا نام سن لو اور ایک سیدنا عبدالقادر جیلانی نہیں اپنے رتبے میں تو بے شک بہت بڑے تھے لیکن کون سا ملک ہے کون سا قصبہ ہے کون سا گاؤں ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے پیدا نہ ہوئے ہوں جہاں مردان خدا پیدا نہ ہوئے ہوں، جہاں بڑے بڑے دانشور درویش پیدا نہ ہوئے ہوں، یہ سب ان حضرات کی کوششوں کا نتیجہ تھا، اگر صحابہ کرام اس وقت اپنا باغ دیکھتے اپنی دکان دیکھتے اپنے مسئلے دیکھتے اپنی حکومت دیکھتے اپنی عزت دیکھتے تو انسانیت میں یہ انقلاب دنیا میں انقلاب نہ آتا اور دنیا جہاں تھی وہیں کی وہیں رہتی بلکہ روز بروز تباہ ہوتی چلی جاتی اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کی طرف سے ساری مخلوق کی طرف سے ان حضرات پر، ان بلند ہمتوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی روحوں کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے کہ انہوں نے ہماری اور آپ کی خاطر اپنی جان

کی بازی لگائی اور اپنی اولاد اور اپنے گھر بار کو اپنے دیس اپنے وطن کو اپنی خواہشات کو اپنے نفس کے تقاضوں کو سب کو انہوں نے بالکل نظر انداز کیا اور بالکل وہ بھول گئے اور کچھ برس تک انہوں نے ایسی محنت کی، ایسی محنت کی کہ ساری یہ دنیا دوبارہ زندہ ہوگئی آج کسی بھی ملک میں چلے جاؤ خدا کے فضل وکرم سے بڑے بڑے عالم، بڑے بڑے زاہد، بڑے بڑے ولی اللہ، بڑے بڑے مدرسے، بڑی بڑی خانقاہیں، بڑے بڑے کتب خانے ملیں گے، ہر جگہ اللہ کے نام کا چرچا ہے، اللہ کے راستے کی طرف بلانے والے، مسجدیں آباد، کہاں یہ رنگون کہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کا شہر، دیکھو کیسی کیسی خوبصورت مسجدیں، کیسی کیسی وسیع مسجدیں بنی ہوئی ہیں اور کتنے ہزاروں کی تعداد میں لوگ نماز پڑھتے ہیں، ابھی ہم نے عشاء کی نماز پڑھی اور اس سے پہلے مغرب کی نماز پڑھی دھوم دھام سے پڑھی تھی یہ سب نتیجہ ہے ان حضرات کی محنت کا۔ اب آیئے اس کے بعد پھر اسی طریقے سے ان کے جانشین پیدا ہوتے رہے کچھ لوگ اللہ کے بندے سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ہر زمانے میں ایسے رہے ہیں کہ سب کچھ وہ لے سکتے تھے ان کو وزارت مل سکتی تھی، ان کو حکومت اور ان کو کرسیاں مل سکتی تھیں مگر انہوں نے کہا کہ ہم کو یہ نہیں لینا ہے ہم اپنے نامۂ اعمال میں اپنے لئے ہم صرف خدا کے نیک بندے کمانا چاہتے ہیں انسانیت کی کمائی چاہتے ہیں کہ صرف خدا کے نیک بندے ہمارے حصے میں آئیں۔ ہم ہدایت اور تبلیغ کا کام کریں گے اور ہمیں کسی سے کوئی سروکار نہیں وہ اللہ کے بندے گھر بار چھوڑ کر، اپنی دکان، اپنے مکان اور کارخانے چھوڑکر اور تمام ترقیاں جوان کو مل سکتی تھیں ان کو بھول کر اور وہ اس راستے پر دیوانہ وار چل پڑے اور کسی نے کسی ملک کا انتخاب کیا اور وہاں انہوں نے اللہ کا نور پھیلایا اور دین اسلام کی تبلیغ کی اس طریقے سے ہر نسل کے بعد ایک نسل، ہر نسل کے بعد ایک اور نسل آتی رہی چراغ سے چراغ جلتا رہا، ایک برس کا زمانہ ایک مہینے کا زمانہ ایک ہفتے کا زمانہ ایک دن کی مدت بھی ایسی نہیں گزری کہ اس امت میں ہدایت کا تبلیغ کا کام کرنے والے دنیا کے مختلف حصوں میں نہ رہے ہوں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ملک اللہ کی یاد سے اور اللہ تعالیٰ کے پہچاننے والوں سے خالی

نہیں اب اس کے بعد یہ سلسلہ چلتے چلتے ہم تک پہنچا۔

اولیاءاللہ کی محنت کے نتائج

دوستو! ایک ایک آدمی ایک ایک ملک میں چلا جاتا تھا وہ ملک کے ملک کو مسلمان کر لیا کرتا تھا۔ حضرت سید علی ہمدانی نے ملک کشمیر کے تین دورے کئے ہیں ایک مرتبہ آئے اور ایک جگہ اور ایک شہر میں ٹھہر کر چلے گئے دوسری مرتبہ آئے گاؤں، گاؤں شہر شہر کا دورہ کیا تیسری مرتبہ آئے اور گھر گھر کا دورہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج اس زمانے میں بھی کشمیر میں نوے فیصد مسلمانوں کی تعداد ہے یہ ایک شخص سید علی ہمدانیؒ کی کرامت ہے ان کی محنت ہے کہ سارا کا سارا ملک مسلمان ہو گیا۔ اور اب اتنے بہت سے علماء ہیں مدرسے ہیں، ایسے پڑھے لکھے لوگ ہیں اور اس میں دولت والے لوگ ہیں لیکن تعداد جو دس برس پہلے تھی وہی تعداد آج غیر مسلموں کی ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس سے بڑھے اور مسلمانوں کی خدانخواستہ تعداد گھٹ جائے، میں نے جو آیت آپ کے سامنے پڑھی:

ثُمَّ جَعَلْنَا كُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ.

یہ پوری تاریخ ہمارے اسلام کی کھلی ہوئی کتاب ہے، ہر وقت ہر دور میں اللہ کے بندے دنیا میں ایسے تھے انہوں نے تبلیغ اور ہدایت کا کام کیا۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو ان کا جانشین بنایا ہے اب ان کی جگہ پر تم ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ تم کیا کر کے دکھاتے ہو تمہارے اسلاف نے تو یہ کر کے دکھایا کہ اٹھارہ آدمی شروع میں آئے ہوں گے ان کی محنت اور خلوص کا نتیجہ ہے کہ آج اٹھارہ لاکھ بیس لاکھ مسلمان ہیں۔ اب یہ بیس لاکھ مسلمان کیا کرتے ہیں کیا ان بیس لاکھ مسلمانوں میں سے چند سو بھی ایسے نہیں ہیں کہ جن کی محنت سے چند سو مسلمان ہو جائیں یا انہیں مسلمانوں کا ایمان محفوظ ہو جائے، دوستو! یہ رغبت اور آگے بڑھنے کا میدان ہے۔

فِي ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ۝

اس میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے، تم تجارت

میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ گئے، پیسوں میں آگے بڑھ گئے کیا تیر مارا تم نے وہ لاکھ پتی تھا تم کروڑوں پتی بن گئے نہ وہ اپنا سرمایہ قبر میں لے جائے گا نہ تم لے جاؤ گے وہ بھی خالی ہاتھ جائے گا تم بھی خالی جاؤ گے، لیکن کروڑ پتی کو زیادہ صدمہ ہوگا زیادہ حسرت ہوگی، لاکھ پتی کو کم ہوگا اور جو ہزاروں کا مالک ہوگا اس کو اس سے کم ہوگا اور سینکڑوں کا جو مالک ہوگا اس کو اس سے کم ہوگا اور بے چارہ خالی ہاتھ ہوگا اس کو تو کوئی افسوس نہ ہوگا، اس لئے میں کہتا ہوں کہ لاکھ سے جو کروڑ بنا رہے ہو وہ حسرت ہی تو بڑھا رہے ہو اور کیا کرر ہے ہو، حسرت کا سامان کرر ہے ہو لیکن اگر تم نے اپنے نامۂ اعمال میں اسلام کی ترقی لکھوالی اور تمہارے حصہ میں کچھ مسلمان آ گئے، اور اس ملک میں دین پھیلایا تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے لئے پھر ایسا انعام ہے کہ یہ دنیا تو اس کی گنجائش ہی نہیں رکھتی یہ تو اس عالم ہی میں دیا جا سکتا ہے، جس وقت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو جب ان کی محنتوں کا کام اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو دین کی دولت عطا فرمائی جب ان کے اعمال کا ثواب ملے گا تو دوستو! وہ وقت تماشہ دیکھنے کا ہوگا، جب خواجہ اجمیریؒ کو ان کی نیکیوں کا ثواب ملنے لگے گا جو ان کی محنت اور دعوت کی وجہ سے لوگوں میں پھیلا یعنی جب لاکھوں آدمیوں کی نماز کا ثواب حضرت خواجہ معین الدینؒ کو دیا جائے گا تو سب حیرت زدہ رہ جائیں گے اسی طرح اوروں کا حال ہوگا، مگر ہمارا کیا ہوگا، جب پوچھا جائے گا کہ ہم نے ان کو دعوت وتبلیغ کا اتنا بڑا میدان دیا تھا اور ان اللہ کے بندوں نے کچھ نہیں کیا۔ میرے دوستو! یہ دنیا فانی ہے اس زندگی کی ہر چیز فانی ہے دولت فانی، عزت فانی، حکومت فانی اہل حکومت سن لیں یہ ان کی حکومتیں جانے والی ہیں، دولت والے سن لیں کہ دولت ان سے بے وفائی کرنے والی ہے، صحت والے سن لیں کہ یہ صحت ان سے منہ چرانے والی ہے، جو چیز باقی رہے گی، وہ صرف اللہ کا نام ہے اور اللہ کے راستے میں محنتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے جانفشانی کوشش اور جدوجہد ہے، بڑا غنیمت وقت ہے جو گزر رہا ہے اس میں اگر تم نے اپنے کاروبار سے وقت نکال کر کے ہدایت وتبلیغ کا اپنے اندر

طریقہ پیدا کیا اور پھر اس کے لئے کوشش کر لی تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے انعام میں دنیا میں تم کو بہت دے دے گا، اور آخرت میں تم کو جنت عطا فرمائے گا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو تم اس ملک میں رہ نہیں سکتے، یہ میں آج سیاسی آدمی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس روشنی میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مسلمان کو عطا فرمائی ہے، اس روشنی میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس ملک میں تمہارا رہنا مشکل ہو جائے گا اگر تم نے دین کے لئے خلوص کے ساتھ کام نہ کیا اور جب وہ حالت پیدا ہوگی تو اس وقت نہ تمہاری دکانیں محفوظ رہیں گی، نہ تمہارے کارخانے محفوظ رہیں گے یاد رکھو حفاظت کا سامان اوپر سے ہوتا ہے کسی ملک میں مسلمان کی حفاظت کا سامان اوپر سے ہوتا ہے کسی ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ وہ دین کے لئے جدوجہد کرے اور دین کو اتنا طاقتور بنائے کہ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اس قوم کی حفاظت اپنی طرف سے فرمائے ان کی نصرت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ پھر ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تم اس ملک برما میں کس لئے آئے تم تو اسلئے آئے تھے کہ اس قوم میں تمہاری محنتوں اور کوششوں سے اولیاء اللہ پیدا ہوں بڑے بڑے عارف اور امام پیدا ہوں بڑے بڑے محدث اور مجتہد پیدا ہوں تم اس لئے آئے کہ جو خدا کا نام نہیں جانتے خدا کے آستانے پر ان کے سر جھکیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اور اللہ کی معرفت سے روشن ہوں اور ان کے دماغ اللہ کے لائے ہوئے علوم سے منور ہوں تم اس لئے یہاں آئے تھے کہ ان غریبوں کو جہنم کی آگ سے بچا کر، جنت کی بہاروں، جنت کی رونقوں اور جنت کی نعمتوں کا مستحق بناؤ تم ان سے فائدہ اٹھانے لگے بجائے اس کے کہ ان کی جان کو بچاؤ اور ان کی جھولی بھرو تم ان کی جھولی سے اپنی جھولی بھرنے لگے تم نے ان کو گاہک بنا لیا حالانکہ تم ان کے مبلغ اور گاہک بنا کر بھیجے گئے تھے جو شخص استاد بنا کر بھیجا گیا مدرسے میں رکھا گیا کہ وہ پڑھائے مدرس ہے وہ اپنے طالب علموں کو گاہک سمجھ لے اور کہے کہ ہمارے لئے کیا لائے ہو، ہمیں کیا دیتے ہو ہمیشہ اس کی نظر ان کی جیبوں پر رہے کہ ان میں کیا ہے ان کے ماں باپ کی جیبوں میں کیا ہے کہ ہم نکال لیں کتنی پستی ہے انسانیت کی اور کتنی تذلیل ہے تم یہاں ان کو گاہک سمجھنے کے

لئے نہیں آئے تھے ان کو دینے کے لئے آئے تھے تم یہاں ان کو ہدایت کا تحفہ دیتے نبوت کے علوم عطا کرتے اللہ تعالیٰ کا راستہ بتاتے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلوانے کے لئے آئے تھے تم یہاں اپنے دھندوں میں پڑ گئے، تجارت میں پڑ گئے تمہیں تجارت سے فرصت نہیں اپنے مکانوں اور کوٹھیوں کے بنانے سے فرصت نہیں اپنے کاروبار کے بڑھانے سے فرصت نہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو اس لئے تو نہیں بھیجا تھا اس سے کوئی بڑی کمائی ہوسکتی ہے۔ میرے دوستو! سچ بتاؤ، اگر ایک گھوڑا تم کو مل جائے تم کتنے خوش ہوتے ہو، ایک موٹر تم کو مل جائے کتنے خوش ہوتے ہو حالانکہ ٹوٹ پھوٹ جائے گی، پرانی ہوجائے گی بے کار ہوجائے گی انسان جس کو ملے اور ایک انسان نہیں ہزاروں آدمی جس کو ملیں اور اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں، ان کی ساری نیکیاں عبادتیں لکھی جائیں ان سے بڑھ کر خوش نصیب کون ہوسکتا ہے؟ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی تجارت سامنے آ گئی کہ اس زمانے کا جو سب سے بڑا سا ہوکار تھا۔ چاہے مسلمان رہا ہو وہ اپنی تجارت میں زیادہ کامیاب رہا، سچ سچ بتاؤ انصاف سے بتاؤ اجمیر میں اس وقت کتنے مسلمان دکان دار ہوں گے؟ ہندو دکاندار ہوں گے؟ دہلی میں ہوں گے غزنی میں ہوں گے اور کابل میں ہوں گے بغداد اور قاہرہ میں ہوں وہ بڑے بڑے تاجر اپنی تجارت میں کامیاب رہے یا خواجہ معین الدین اجمیریؒ جن کے نامہ اعمال میں کروڑوں مسلمان لکھے ہوئے ہیں، ان کے نامۂ اعمال میں ان سب کی نمازیں لکھی ہوئی ہیں، سب تسبیحیں لکھی ہوئی ہیں اور اولیاء اللہ کی ولایت لکھی ہوئی ہے جو ان کے بعد ان کی محنتوں کے نتیجے میں پیدا ہوئے ان کی ساری ولایت ان کی ساری معرفت، ان کی ساری عبادت ان کا سارا ذکر ان کی تسبیح، ان کا راتوں کو اٹھنا ان کا دنوں کو روزہ رکھنا، ان کا قرآن شریف کا پڑھنا ان کا نوافل کا پڑھنا ان کا سحر کے وقت اٹھ کر کے اپنے منہ کو آنسوؤں سے دھونا اور آنسو بہانا یہ سب کچھ خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے حصے میں ہے اور ان کے نامہ اعمال میں مسلسل لکھا جا رہا ہے۔ بتاؤ اس سے بڑھ کر کوئی نفع کی تجارت ہے، کوئی بتا سکتا ہے؟ اللہ کے بندو! مسلمانو! تم کو اس ملک میں رکھا گیا

ہے،تمہاری دوہری ذمہ داری ہے، جو بدقسمت خدانخواستہ مرتد ہوگا اس کا سوال پوری قوم پر ہے اور وہاں ہرگز یہ سوال نہیں آئے گا کہ تم نے مسجد بنائی تھی یا نہیں، یاد رکھنا، مسجد بنانا بڑے ثواب کا کام ہے مگر ایک مسلمان بھی اس ملک میں مرتد ہوگیا ایک مسلمان کا بھی اگر عقیدہ خراب ہوگیا اور اس کا ایمان جاتا رہا اس کا سوال آپ سے ہوگا ہرگز یہ بات کام نہیں آئے گی کہ ہم اپنے دینی کاموں میں حصہ لیتے تھے اور ہم اتنی نمازیں پڑھتے تھے اور ہم فلاں فلاں محفلیں کرتے تھے اور فلاں فلاں جلسے کرتے تھے،اور اسلام کی فلاں فلاں رسمیں ادا کرتے تھے ہرگز یہ جواب نہیں سنا جائے گا، پوری قوم سے اس کا سوال ہوگا جو میں نے ابھی بتلایا تھا اور اسی طرح سے یہ جو غیر مسلموں کی اتنی بڑی قوم جو آپ کے چاروں طرف رہتی ہے اس کا سوال بھی اگر اللہ آپ سے کرے تو کچھ بعید نہیں وہ فرما سکتے ہیں کہ ہم نے تم کو موقع دیا تھا اور تم ان سب کو مسلمان کر سکتے تھے۔تم نے کیا کیا؟

جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے:۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ.

تخلیق انسانی کا مقصد

اور پھر ہم نے تم کو زمین پر جانشین بنایا تمہارے اگلوں کا تاکہ ہم دیکھیں تم کیا عمل کرتے ہو آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو اس زمانے میں پیدا کیا زمانہ بہت نازک بہت خراب لیکن کرنے والے ہر زمانے میں کرتے رہے ہیں، جب تلوار سر پر لٹک رہی تھی اور کسی کو اپنی جان کا اطمینان نہیں تھا، اور کوئی سانس نہیں لے سکتا تھا۔ پوری دنیائے اسلام میں بڑے بڑے بہادر دبکے پڑے تھے، اور بڑے بڑے بادشاہ کونوں میں پڑے ہوئے تھے اور کوئی میدان میں نہیں نکل سکتا تھا اس وقت بھی اللہ کے بندوں نے نہ صرف یہ کہ دونوں پر تبلیغ کی بلکہ تاتاریوں تک کو مسلمان کر لیا، اب میرے دوستو اور بزرگو! آج یہ برما کا ملک ہے ہمارے تمہارے لئے پڑا ہوا ہے، اللہ کی مخلوقات اور انسانوں کا ایک جنگل ہے جو تمہارے حوالے کیا گیا ہے، تم جو اس ملک میں لائے گئے ہو یقین کرو

کہ تم کھانے پینے کے لئے دکان کرنے کے لئے تجارتوں کو ترقی دینے کے لئے نہیں آئے۔ یاد رکھئے کہ ہمارے سورتی بھائی، ہمارے راندیر کے بھائی، گجرات کے بھائی، بمبئی کے بھائی، ہندوستان کے بھائی، یوپی کے بھائی، پنجاب کے بھائی جو یہاں آئے ہوئے ہیں ہرگز اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لئے نہیں بھیجا کہ یہاں آ کر صرف کام کریں صرف اپنا بیوپار کریں، اور روپیہ کما کر کے یہاں سے چلے جائیں یا یہیں رہیں اور کھاتے پیتے رہیں، ہرگز نہیں ! اللہ تعالیٰ نے تم کو جانشین بنایا ہے ان نسلوں کا ان بندوں کا جنہوں نے دنیا میں ہدایت و تبلیغ کا کام کیا تھا، اور آج اللہ تعالیٰ نے تم کو اتنا بڑا انسانی کارخانہ عطا فرمایا ہے تم کو اس ملک کا غنی بنایا ہے، تم کو اس ملک کی امامت و ہدایت کا کام سونپا گیا ہے، اس میں کروڑوں انسان بستے ہیں یہ پونے دو کروڑ انسانوں کی بستی ہے جس کو برما کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تم کو دی ہے، اور کل آپ سے پوچھا جائے گا کہ:۔

لننظر کیف تعملون کہ تم نے یہاں کیا کیا؟ یہاں اپنی قوم میں اضافہ کرنے کے لئے بلکہ اللہ کے بندوں کو جہنم کے عذاب سے بچانے کے لئے اور اس جہالت اور اس حیوانیت کی زندگی سے نکالنے کے لئے اور اللہ کی روشنی اور ہدایت میں داخل کرنے کے لئے ان کو جنت کا مستحق بنانے کے لئے ان پر اللہ کی رحمت کے دروازے کھولنے کے لئے ان کو خدا کا بندہ مقبول بنانے کے لئے اور ان کو دنیا و آخرت کے خطرات سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تم کو اس ملک میں رکھا ہے اور دور دور سے تم کو یہاں بھیجا ہے اور تم تو سمجھتے تھے کہ ہم کمانے جا رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور ان کا منشا یہ تھا، تم یہاں آ کر ہدایت و تبلیغ کا کام کرو، آج حالت برعکس ہو رہی ہے کہ اٹھارہ بیس لاکھ کی مسلمانوں کی جو قوم ہے اسی کے ایمان کے لالے پڑی ہوئے ہیں، اسی میں ارتداد پھیل رہا ہے، ہم نے سنا ہے لوگ دین سے ہٹتے جا رہے ہیں، لوگ بدھ مت اختیار کرتے جا رہے ہیں مسجدیں چھوڑ کر اور ان سے نکل کر پھیا پکوڈوں میں جا رہے ہیں، بدھ مذہب اور عیسائی مذہب اختیار کر رہے ہیں، اپنے دین کو بالکل بھولتے جا رہے ہیں، آپ پر دوہری ذمہ داری ہے، ایک ذمہ داری اپنے بھائیوں کی اس اٹھارہ بیس لاکھ قوم کی

اور ایک ذمہ داری اپنے ان برادران وطن کی جو وہ اور آپ ایک ہی پانی سے پیاس بجھاتے ہیں ایک ہوا میں سانس لیتے ہیں ایک زمین پر چلتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اس ملک میں رکھا ہے ایک ایک بندے کے متعلق آپ سے سوال ہوگا ایک ایک مسلمان سے متعلق اللہ تعالیٰ آپ سے سوال کرے گا کہ ہم نے تمہیں وہاں پیدا کیا تھا، ہم نے تمہیں وہاں بھیجا تھا ایمان کی دولت نصیب کی تھی، کھانے پینے کے لئے پیٹ بھرنے تک کا سامان دیا تھا ہاتھ پاؤں دیئے تھے صحت دی تھی تندرستی دی تھی تم نے کیا حق ادا کیا؟ میرے دوستو! یہ تم ایک دار الامتحان میں ہو تم امتحان گاہ میں ہو، آج تم نہیں سمجھ رہے ہو لیکن کل روز قیامت حضور ﷺ کو کیا منہ دکھاؤ گے جب تم آپ ﷺ کے سامنے آؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری پیشی ہوگی اور اس وقت تمہیں معلوم ہوگا اور تم سے حساب ہوگا اس وقت کا اس جگہ کا اور یہاں کے انسانوں کا تم سے حساب طلب کیا جائے گا کہ صرف تم اس لئے تھے کہ کارخانے قائم کرو آمدنی میں اضافہ کرو اور ہمیں فرصت نہ ہو کسی وقت کمانے سے۔

دین کی فکر نہ کی تو……

یہاں جو سب سے بڑی عقلمندی سب سے زیادہ ضروری اور پہلا کام ہے اور اس وقت جو وقت کا فریضہ ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں دین کے لئے محنت کرلو، سب سے بڑی یہاں کی سیاست یہی ہے سب سے بڑی یہاں کی معرفت یہی ہے، سب سے بڑی یہاں کی حکمت یہی ہے اس ملک میں ایک مرتبہ طے کرلو کہ دس بیس برس اسلام کو پھیلانا ہے اور یہاں مسلمانوں کے عقیدے اور اسلام کی حفاظت کرنی ہے اگر آپ کا یہ برما بدھسٹ اسٹیٹ بن گیا تو تمہاری ذمہ داریاں کتنی بڑھ جاتی ہیں، ابھی تک شکر ہے کہ بدھسٹ اسٹیٹ نہیں ہے، لیکن اگر خدا نخواستہ بدھسٹ اسٹیٹ ہوگیا۔ پھر اگر تم نے اپنے دین کی فکر خود نہ کی اور تم نے اپنے ایمان کو قائم رکھنے کا ارادہ اور فیصلہ نہ کیا اور یہ حالات آئے تو تمہاری کوئی مدد نہیں کرے گا اور تم کہیں کے نہ رہو گے ابھی تو خیر حکومت

غیر جانبدار ہے، غیر متعلق ہے وہ نہ تو حکومت کی طرف سے بدھسٹ ہے نہ کرسچین نہ مسلمان دین کی حفاظت، اشاعت اور علم کی کوشش یہ سب تمہارے ذمہ ہے تمہارے اوپر فرض اس کا عائد ہوتا ہے تمہارے علاوہ کسی پر اس کا فرض عائد نہیں ہوتا، وقت کا فریضہ ہے کہ اگر اللہ نے تمہیں سمجھ دی ہے اور موٹی سمجھ بھی تم رکھتے ہو تو آنکھ کھول کر کے اور ذرا سا غور کر کے اس بات کو سمجھ لو کہ اس ملک میں تمہارا رہنما اسلام کے بغیر ممکن نہیں اس وقت سب سے بڑی عقلمندی اور سب سے بڑی اپنے ساتھ خیر خواہی یہ ہے، کہ اسلام کے لئے اسلام کو چمکانے کے لئے اسلام کو پھیلانے کے لئے مسلمانوں کو اپنے دین میں مضبوط کرنے کے لئے اور ان کو سچا اور پکا مسلمان بنانے کے لئے ایک مرتبہ اس کا بیڑہ اٹھاؤ اور ایک بار دیوانہ وار کام میں لگ جاؤ اور اپنے آپ کو جھونک دو کہ یہاں کا ہر کلمہ گو مسلمان پکا اور سچا مسلمان ہو جائے کہ بڑے سے بڑا زلزلہ اور بڑے سے بڑا طوفان اور بڑے سے بڑا بھونچال اس کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے اس کے لئے کوشش اور سارے ملک میں پھر جاؤ گاؤں گاؤں پھیل جاؤ اور اللہ کا پیغام پہنچاؤ خوب کلمے کا اعلان کرو خوب تعلیم کا اعلان کرو خوب اسلامی تہذیب کو کھل کر بیان کرو کہ اسلامی تہذیب اختیار کرنی چاہئے اسلامی نام رکھنے چاہئیں شرک اور مشرکانہ رسموں سے ان کو ڈراؤ اور ان سے کہو کہ اس میں مسلمانوں کی موت ہے کہ وہ شرک اختیار کرے اور کسی مشرکانہ تقریب میں اور کسی مشرکانہ رسم کی کسی مشرکانہ عمل میں شرکت کرے یہ ہر مسلمان کی موت ہے یہ ایسا ہے جیسے کوئی زہر کا پیالہ پی لے بلکہ اس سے زیادہ خطرناک بات ہے، شرک کی نفرت ان کے دل میں بٹھا دو بت پرستی کی نفرت ان کے دل میں بٹھا دو، شرک سے وحشت، کفر سے وحشت ان کے دل میں بٹھا دو اگر تم نے اس میں غفلت کی تو یاد رکھو میرے بھائیو! میں شاید اس وقت ہوں تمہیں یاد دلانے والا اور شاید ریکارڈ موجود ہو یا نہ ہو لیکن جو تم میں سے غور سے سنے گا وہ میری باتیں یاد کریں گے میں کوئی صاحب فراست آدم نہیں ہوں، میں کوئی روشن ضمیر آدمی نہیں ہوں جن کو مثلاً دس برس پہلے اللہ کی طرف سے کوئی بات دکھائی جاتی ہے، لیکن یہ بات اتنی موٹی ہے اتنی کھلی ہوئی ہے جیسے کوئی بارش دیکھے، کڑک

سے ہوا ٹھنڈی چلے اور وہ کہے کہ بارش آنے والی ہے اور پانی برسنے والا ہے اور پانی برس جائے تو اس کو کوئی ولی نہیں مانتا یہ تو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ بارش آنے والی ہے، اس طریقے سے میں آپ کو کہہ سکتا ہوں کہ بہت سخت دن آنے والے ہیں خدا کے لئے اس وقت اپنے کاروبار کو اتنی اہمیت نہ دو جتنی اہمیت دیتے رہے ہو اس وقت دین کے لئے کچھ کرلو ایک مرتبہ برما کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسلامی تہذیب دینداری اور توحید کا صور پھونک دو ایک ایک مسلمان کو اچھی طرح باخبر کردو کہ یہ دین اور یہ ایمان ہے یہ کفر ہے یہ شرک ہے، شرک کی نفرت مسلمانوں اور ان کے بچوں کے دل میں بٹھا دو، بچوں کی تعلیم کا انتظام کرو اور گاؤں میں ایسے گاؤں میں جس کا نام بھی کبھی نہ سنا ہو، اس کے ایک کنارے پر جو جھونپڑا ہے کسی برمی مسلمان کا جو اردو کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا وہاں پر بھی پہنچو اس کے جھونپڑے میں جا کر اس کے قدم پکڑلو اور اس سے کہو کہ اللہ کے بندے تو مسلمان ہے مسلمان زندہ رہ اور مسلمان مر، اس کو ایسا کردو کہ ارتداد اس کی طرف رخ بھی نہ کرسکے جیسے کہ وہ کسی لوہے کے قلعے میں محفوظ ہو جائے اس طرح اسے محفوظ کردو اس کام کی فرصت ہے معلوم نہیں کب تک فرصت ہے لیکن ابھی کچھ فرصت ہے اب اگر تم نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور کچھ کام کرلیا تو انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس دین کی بقا کی صورت یہاں باقی رہے بلکہ ترقی کرنے اور پھیلنے کا فیصلہ ہو جائے گا اور اس وجہ سے وہ تمہارے کاروبار تمہاری عورتوں تمہارے بچوں کو محفوظ کردے گا اور تمہیں سرفراز اور سربلند کرے گا اور تمہیں اس ملک میں عزت دے گا اور کچھ تعجب نہیں کہ تم کو اللہ اس ملک کے انتظام کی ذمہ داری تمہارے ہاتھوں میں سونپ دے اس لئے کہ یہ حکومتیں اور اقتدار اللہ کے دین کی محنت کے قدموں کی خاک ہے دیکھو! اللہ کے بندوں نے کچھ دن محنت کی تھی، بدر، احد اور تبلیغ کے میدانوں میں اس کا کیا نتیجہ ہوا؟

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے جانشینوں اور اولاد میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے جس کا نام ہے ہارون الرشید آپ نے اس کا نام سنا ہوگا بہت مشہور خلیفہ ہے اس کی سلطنت کا حال میں تمہیں بتلاتا ہوں، ایک مرتبہ وہ بغداد میں بیٹھا ہوا تھا بادل کا ایک ٹکڑا اس کے سر کے اوپر

سے گزر او ہ کسی طرف جارہا تھا۔اس نے سر اٹھا کر کہا اے بادل! چاہے تو مشرق میں جا، چاہے مغرب میں جا جہاں تیرا جی چاہے وہاں جا۔ جہاں تیرا جی چاہے برس لیکن تیرے برسنے کا جو نتیجہ ہے یعنی کھیتی اور دانہ وتو میرے قدموں ہی میں آئے گا جہاں تیرے جی میں آئے وہاں جا کر برس جا میں تجھ سے نہیں کہتا کہ تو بغداد ہی میں برس جہاں تیری پہنچ ہے تو وہاں چلا جا اور وہاں جا کر برس، مگر تیرے برسنے سے جو کھیتی پیدا ہوگی وہ یہیں آئے گی یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے محنت کرنے کا ایک بہت ہی معمولی اور حقیر سا فائدہ اور اس کا پھل ہے۔ حقیقی فائدہ نہیں، حقیقی فائدہ تو وہی (آخرت میں) جا کر ملے گا۔

ایک اور بات مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے زمین جوتی جاتی ہے، کھیتی کی جاتی ہے گیہوں کے لئے مگر گندم سے پہلے کچھ گھاس اگ آتی ہے وہ گھاس گھوڑے اور جانوروں کے کام آتی ہے ایسے ہی بنو عباس بنو امیہ کی حکومتیں ان کی فتوحات تھیں (میں خلافت راشدہ کو نہیں کہہ رہا) اور ساری دنیا میں اس مقصد کے لئے کام آتی ہے، اسی طریقے سے سمجھئے کہ ان حضرات نے ہدایت کے لئے محنت کی تھی، گھاس اور خس و خاشاک کے طور پر پیدا ہوگئیں تھیں حکومتیں۔ میرے دوستو! امت محمدیہ میں تم نے محنت کر لی کاش کہ امت کے ہر فرد میں یہ آواز پہنچے اور ہر آدمی کی زبان سے تم یہی پیغام سنتے اس وقت کرنے کا کام یہی ہے میں، تم سے سچ کہتا ہوں اگر میرے بس میں ہوتا میں کوئی بڑی بات نہیں کہہ رہا اگر میرے بس میں ہوتا تو میں چند مہینوں کے لئے نہیں دو چار سال کے لئے تمہاری ساری دکانوں کو تالا لگا دیتا، سیل کر دیتا اور سارے ملوں کارخانوں کو بند کر دیتا اور سارے آدمیوں کو مکانوں، دکانوں اور کارخانوں سے نکال کر کہتا اس وقت کام صرف یہ ہے کہ ہدایت اور تبلیغ کے لئے پھیل جاؤ گھر کی پرواہ نہ کرو، کھانے کو راشن ملے گا کھالینا، پیٹ بھر لینا اور پہننے کے لئے اتنے جوڑے کپڑے ملیں گے پہن لینا اور اگر کپڑے پھٹ جائیں تو پیوند لگا لینا اور اگر کھانا پورا نہ ہو تو فاقے کر لینا مگر دس برس تک صرف تبلیغ کا کام کرنا پھر دیکھنا کہ کیسے کام ہوتا ہے تم نے دیکھا ہوگا ریل کی پٹری پر ایک ٹرالی چلتی ہے لائن کی جانچ لینے اور پٹری دیکھنے کے لئے کہ وہ ٹھیک ہے یا نہیں اب تو

خیر بجلی کی بھی چلنے لگی ہے اب بھی ہمارے ہاں انڈیا میں وہی پرانی چلتی ہے کہ اس میں کچھ دیکھ بھال کرنے والے آفیسر اور قلی بیٹھے ہوتے ہیں تو قلی اتر کر اس کو دھکا دیتے ہیں ، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے دھکا دیتے ہیں ایک دو فرلانگ تک چلے جاتے ہیں پھر اس پر سوار ہو جاتے ہیں پھر وہ ٹرالی ان کو لے جاتی ہے، پہلے وہ ٹرالی کو لے جاتے ہیں اس سے دس گنا ٹرالی ان کو لے جاتی ہے ایسے ہی ایمان کی ٹرالی کو ایک مرتبہ دھکا دے دو پھر ایمان کی ٹرالی سو گنا تک خود لے جائے گی صحابہ کرامؓ نے ایسا دھکا دیا تھا کہ اب تک ٹرالی کے پہیوں میں جان ہے رکے اب بھی نہیں ہیں رفتار ذرا سست ہو گئی ہے اس لئے سست ہو گئی ہے کہ تم نے حکومتوں کا بوجھ ڈال دیا اپنے گناہوں کا بوجھ اس پر ڈال دیا گناہوں کا بوجھ اگر اس پر نہ پڑتا تو اس کی رفتار میں انشاء اللہ کمی نہ ہوتی ایسی ہی اسلام میں ترقی ہوتی چلی جاتی صحابہ کرامؓ کے ایسے بابرکت، ایسے طاقتور اور ایسے مخلص ہاتھ تھے اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ان پر ہوں جنہوں نے نہ اپنی اولاد کی پرواہ کی نہ دکانوں کی پرواہ کی اور ایک مرتبہ مل کر اسلام کی ٹرالی کو ایسا دھکا دیا ہے کہ صرف ۲۳ برس تک دھکا دینا پڑا۔ تئیس برس کے بدلے میں ۱۴۰۰ برس تو اس وقت ہو چکے ہیں اور جہاں جہاں ان کے قدم گئے آج تک اسلام وہاں غالب ہے جہاں صحابہ کرامؓ کے بابرکت قدم پہنچے وہاں کی تو فضا بدل گئی، ہوا بدل گئی، موسم بدل گیا، تہذیب بدل گئی سب زمین و آسمان بدل گئے۔ میرے دوستو! کیا یہ عقلمندی کی بات نہیں کہ ٹرالی کو مل کر دھکا دے دو۔ خدا کی راہ میں سب مل کر یہ کام کر گزرو، ذرا ہاتھ ہلا دو تھوڑا سا اتر کر دھکا دے دو۔ اگر ان کافروں پر محنت کرو تو یہ انگلی کے اشارے پر چلنے کے لئے تیار ہیں مگر تم تیار نہیں، یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ اس پر بھی تم بیٹھے رہو اور تم سے اتنا نہ ہو سکے کہ تھوڑا سا اتر کر اس کو دھکا دے کر اسے چلا دو بس تھوڑا سا دھکا دینے کی ضرورت ہے، پھر شوق سے اس پر بیٹھو تم کو خود ہی یہ لئے چلی جائے گی، ہوا کی طرح لے جائے گی، انشاء اللہ بس تم سے یہی کہنا ہے اور کچھ نہیں کہنا، تمہارے ملک کا بہت ہی نازک مسئلہ ہے، اس وقت اگر سمجھو تو کوئی مسئلہ نہیں سارے اختلافات ختم کر دو۔ جتنی جماعتیں ہیں ان سب کا اس وقت اختلاف

کرنا حرام ہے ذرا تجارت پر بریک لگاؤ اور اس پر کنٹرول قائم کرو اور وقت نکالو اور اپنے وقت کا نکالنا فرض سمجھو۔ اگر چلّے مانگے جائیں چلّے دو، ہفتے مانگے جائیں ہفتے دو اگر دن مانگے جائیں دن دو۔ اور ہر شخص یہ طے کرلے کہ میں اس ملک کا رہنے والا نہیں ہوں اور برما کونسا بڑا ملک ہے؟ میرے خیال میں یہ ہندوستان کا دسواں حصہ ہے۔ تم اگر چاہو تو اس طرح پھیل جاؤ کہ کوئی گاؤں، کوئی گھر تم سے نہ بچے، طے کرلو کہ دس برس کے اندر ایک گھر ایک جھونپڑا بھی چھوڑنا نہیں ہے، ہر جگہ تم پہنچ جاؤ کوئی جگہ باقی نہ بچے جگہ جگہ اسلام کی آواز اور پیغام پہنچاؤ۔ تمام مسلمانوں میں توحید اور اسلام کی تہذیب پھیلا دو، ہر جگہ جا کر مسلمان کو پختہ کرو اور غیر مسلم کو نرم کرو، مسلمان موم ہے اس کو تو پختہ کرو اور غیر مسلم لوہا ہے اس کو موم بناؤ، آج مسلمان موم ہو رہا ہے موم کی نرمی کی طرح ہر طرف مڑنے اور جھکنے کے لئے تیار ہے اس کو تو بنا دو فولاد، اور غیر مسلم جس کا دل لوہے اور پتھر کی طرح ہو رہا ہے اس کو کردو نرم بس اگر یہ دو کام کرلو کہ مسلمان ہوجائے فولاد اور غیر مسلم ہوجائے موم۔ اور جب وہ اسلام قبول کرے اس کو بھی فولاد بنادو، اب فولاد ہی فولاد ہو اور جہاں فولاد ہی فولاد ہو کسے مجال ہے کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے فولاد ہی کی آج ساری دنیا میں حکومت ہے، یہ لوہے اور فولاد کا زمانہ کہلاتا ہے، تم مسلمانوں کو فولاد بنادو، فولاد بنانے کے لئے پہلے اس کو تپایا جاتا ہے، نرم کیا جاتا ہے۔ پہلے غیر مسلم کو اتنا تپاؤ ایمان کی حرارت میں اس کو اتنا پگھلاؤ کہ وہ نرم پڑ جائے اور اسلام قبول کر کے کفر کو چھوڑ دے اور پھر اس کو اسلام میں مضبوط کرو کہ وہ فولاد بن جائے۔

برما کے مسلمانوں کی ذمہ داریاں

بس دوستو! کرنے کے یہ دو کام ہیں، تیسرا کام ہماری سمجھ میں اس ملک میں نہیں آیا اگر کوئی سمجھا دے تو ہم سمجھنے کے لئے تیار ہیں، مسلمانوں کو اسلام پر پختہ کرنا غیر مسلم کو اسلام کی طرف مائل دو ہی کام ہیں، تیسرا کام نہیں ہے یہ کام اگر تم نے کرلیا تو اپنے اوپر احسان کروگے کسی دوسرے پر یا اسلام پر احسان نہیں۔ اسپین والوں نے یہ کام نہیں کیا تو

کان پکڑ کر نکال دیئے گئے، چچا بھتیجے میں لڑائی، ملک کے دونوں دعویدار عیش میں پڑ گئے، مکانات بنانے لگے، مسجد ایک سے ایک بہتر، الحمرا کا ایک قلعہ تعمیر کر دیا، مدینۃ الزہرا کے نام سے ایک پورا شہر تعمیر کر دیا جن کو دیکھ کر آج بھی دنیا میں سیاح دنگ رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ چیزیں زندگی کی ضمانت نہیں۔ اسلام کی تبلیغ کی کوشش نہیں کی، مورخ لکھتا ہے کہ اندلس میں اسلام کے زوال کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ تبلیغ کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے تھے وہ یہ بات بھول گئے تھے کہ غیر مسلموں کی اکثریت والے ملک میں رہتے ہیں جس میں چاروں طرف غیر مسلم عیسائی پھیلے ہوئے ہیں اور وہ بتیس ۳۲ دانتوں میں ایک زبان ہیں ان کا تو کام یہ تھا کہ وہ اسلام کو پھیلاتے اور ایسے حالات پیدا کر دیتے کہ کبھی وہاں سے اسلام کے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ کیسے مصر سے اسلام نکلنے کا یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، سوڈان سے مسلمانوں کے نکلنے کا سوال پیدا ہوسکتا ہے؟ سو فیصدی اکثریت ہے لیکن اسپین سے نکلنا پڑا کہ چاروں طرف عیسائی دنیا تھی اور ان اللہ کے بندوں نے ان کو مسلمان بنانے کی کوئی فکر کی نہیں تھی اور اپنے ایمان میں کمزور ہوتے چلے گئے عیش نے ان کو روز بروز کمزور کر دیا خود کمزور ہو گئے اور چاروں طرف سے کوئی خبر نہیں لی، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور وہ وقت آیا۔ حکم ہوا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ ہمیں نہ تمہاری مسجدوں کی پرواہ ہے نہ تمہارے قصر حمراء کی پرواہ ہے نہ تمہارے مدینۃ الزہراء کی پرواہ ہے نہ قرطبہ کی پرواہ ہے۔ نہ غرناطہ کی پرواہ ہے نہ بلنسیا کی پرواہ ہے۔ یہاں کیسے کیسے قاری، کیسے کیسے عالم کیسے کیسے حافظ، کیسے کیسے ولی اللہ اور کیسے کیسے محاسب امام اور مجتہد پیدا ہوئے ہمیں کسی کی پرواہ نہیں جو زندگی کا قانون ہے تم نے وہ تو کیا ہی نہیں جب یہ نہیں کیا تو:۔

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ O

اللہ کسی کو نعمت دے کر چھینتے نہیں جب تک وہ اپنے کو خود ہی نعمت سے محروم نہ کرے بس میرے دوستو! اس کا مطالبہ ہے یہ کاروبار یہ سارے کام کاج رہیں گے دکانیں رہیں گی مکان رہیں گے کارخانے رہیں گے نوکریاں رہیں گی حکومت کی کرسیاں

رہیں گی سب کچھ رہے گا کوئی چیز جاتی نہیں ہے اطمینان رکھو بس تھوڑے دن محنت کرلو اور وقت نکالو اور یہاں اسلام کی جڑ مضبوط کرلو اور یہاں اسلام کا دائرہ وسیع کرلو پھر تو یہ ملک تمہارا ملک ہے انشاء اللہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں میں صاف یہ تم سے کہتا ہوں یہ تمہارا ملک ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ O اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلَاغاً لِقَوْمٍ عَابِدِيْنَ O

ہم نے زبور کے آسمانی نوشتے میں لکھ دیا ہے اس کا وارث بنانا ہے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو اور جس میں اعلان ہے اور صلائے عام ہے پیام ہے عبادت کرنے والوں ،پرہیز گاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ان کے لئے خوشخبری ہے وہ اس کے لئے کوشش کریں کوئی بڑی بات نہیں ،لیکن راستہ اس کا یہ ہے کہ مقصد حکومت نہ ہو، ہدایت کے لئے کوشش کرو اس کھیت کے ساتھ گھاس بھی پیدا ہو جائے گی۔بس میرے دوستو! میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں اور اللہ کو منظور ہوا تو اس کے بعد بھی موقع آئے گا۔اللہ تعالیٰ تم کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔بس بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کسی قوم پر جب فضل فرمانا چاہتا ہے تو اسے صحیح سمجھ عطا کر دیتا ہے، وہ تمام اختلافات کو بھول کر اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر کرنے والا کام کراتا ہے، اور جو برے کام کرتا ہے اس کی سمجھ ماری جاتی ہے، پہلی چیز سلب کی جاتی ہے وہی آخری ہوتی ہے عمر بے کار کاموں میں الجھ جاتی ہے کرنے والا کام کرتے نہیں پس اگر اللہ تعالیٰ کو بہتری منظور ہے اگر قسمت میں ہے تو انشاء اللہ تم اس میں اپنا وقت صرف کرلو گے، تھوڑی سی محنت کرلو گے اور یہ جو بات میں نے کہی۔ٹرالی کو تھوڑا سا دھکا دے دو بس تم اور تمہاری نسلیں بھی آرام کریں گی اور تم کو یہ ٹرالی لئے لئے اڑتی پھرے گی۔

وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد
وآله واصحابه اجمعین

حرمین شریفین اور جزیرۃ العرب میں مقیم غیر ملکی مسلمانوں کی ذمہ داریاں اور اہل وطن کے حقوق

یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تقریر ہے جو ۲۴ رجب المرجب ۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۳/ اپریل ۱۹۸۶ء کو جدہ میں ہندوستانی اور پاکستانی احباب کے ایک عظیم مجمع میں کی گئی تھی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین ، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعی بدعوتھم الی یوم الدین ۔ امابعد ۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّانَا رَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْنِ O (سورۃ الانبیاء ۹۲)

"یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو میری بندگی کرو۔"

حضرات! میں اس کو بڑی صحت مندانہ علامت سمجھتا ہوں کہ بغیر کسی بڑے اعلان واہتمام کے آپ حضرات اپنی مصروفیات کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں یہاں تشریف لائے، اور ذوق وشوق کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں یہ زندگی اور زندہ دلی کی بھی علامت ہے، اور اس ایمانی رشتہ کی طاقت کی بھی دلیل ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے آپ اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے درمیان قائم کیا ہے، میں نے ابھی جو آیت پڑھی اس میں خود کہا گیا ہے کہ یہ تمہاری امت ایک ہی جماعت ہے، اور میں تمہارا رب ہوں تم میری ہی بندگی کرو۔

یہ مجمع اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ مختلف ملکوں کے مسلمان بھائی اپنے ایک دینی

بھائی کی بات سننے کے شوق میں دور دور سے تشریف لائے ہیں۔

حضرات! میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے معاش کے مسئلہ کو اس سرزمین سے مربوط فرمایا لیکن آپ کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اس سرزمین کا اصل پیغام، اس سرزمین کا اصل تحفہ اور اس سرزمین کی اصل نعمت وہ چیز ہے جو ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے اور جس کے بغیر نہ معاش کا نظام درست ہوسکتا ہے، نہ معاد کا، یہ تو سب جانتے ہیں کہ معاد کا نظام تو درست ہی نہیں ہوسکتا، اور جو ملک محض معاشی مسئلہ پر قائم ہیں ،اور ان کے افراد کا آپس کا تعلق محض معاشی ہے وہ ایک غیر فطری نظام کے ماتحت زندگی گزار رہے ہیں، جس کے ساتھ نہ اللہ کی مدد ہے نہ اللہ کی رحمت ہے، جتنے مسائل بھی اس وقت ان ملکوں میں اور ان ملکوں کے اثر سے دوسرے ملکوں میں پیدا ہورہے ہیں، وہ سب اسی کا نتیجہ ہیں کہ وہاں معاش معاد کے ساتھ مربوط نہیں ہے اور زندگی کا وہ صحیح مقصد وہاں نہیں پایا جاتا جو خالقِ انسان نے انسان کے لئے متعین کیا ہے، وہ مقصد وہی ہے جس کا آیت ذیل میں تذکرہ ہے:۔

> وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَا أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ أُرِيْدُ أَنْ يُّطْعِمُوْنِ ○ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ○ (سورۃ الذاریات ۵۶۔۵۸)

> ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں، میں ان سے طالب رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں، خدا ہی تو رزق دینے والا ہے، زور آور اور مضبوط ہے۔''

یہ حقیقت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی ہے اس لئے وہاں معاد کا معاملہ تو الگ رہا معاش بھی خطرہ میں ہے، وہاں وہ معاشی پیچیدگیاں پیدا ہورہی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے وہاں ایک فرد کا مفاد دوسرے فرد کے مفاد سے، ایک جماعت کی ترقی دوسری جماعت کی ترقی سے، ایک حکومت کا نظام دوسری حکومت کے نظام سے ٹکرا رہا ہے، معاش معاش سے ٹکرا رہی ہے، بلکہ اس ملک کی معاش دوسرے ملکوں کی معاش کو خراب

کرنے یا استحصال پر آمادہ کرتی ہے، اس ملک کی معاشی ترقی کا انحصار بھی دوسرے ملکوں کی معاشی ابتری اور بدنظمی پر موقوف ہے، اس لئے نہ صرف اس ملک میں مسائل پیدا ہورہے ہیں بلکہ اس ملک کی وجہ سے دوسرے ملکوں میں بھی نئے نئے مسائل پیدا ہورہے ہیں، اور وہ معاش ان کے لئے وبال جان بن گئی ہے، یہ ایک مسئلہ لاینحل ہے، جس کا حل ان کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے، ان کے بڑے بڑے عقلاء ومفکرین سرگرداں و پریشاں ہیں، مگر راستہ نظر نہیں آتا۔

لیکن اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا جو گھر (کعبۃ اللہ) ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ.

(سورۃ المائدۃ ۹۷)

"اللہ نے کعبہ مکان محترم کو (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ، اور انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے۔"

اس حقیقت پر ابھی تک کم لوگوں کی نگاہ گئی ہے کہ نظام عالم کعبۃ اللہ اور اس کی دعوت ومقام سے وابستہ ہے، اس کو ہماری ظاہری نگاہیں نہیں دیکھ رہی ہیں، لیکن اہل بصیرت سمجھتے ہیں کہ جس طرح پہاڑوں کا وجود ملک اور زمین ایک استقرار وتوازن پیدا کرتا ہے، اسی طریقہ سے اس سے ایک بالاتر نظام ہے، اور وہ نظام وابستہ ہے بیت اللہ سے جب تک بیت اللہ قائم ہے اور اس کا وہ پیغام زندہ ہے، اس وقت تک گویا نظام عالم قائم ہے۔

کھانا پینا پیغام نہیں:

محترم حضرات! آپ اس کو نہ بھولیں کہ اس سرزمین مقدس کا پیغام یہ نہیں تھا کہ خوب کماؤ اور کھاؤ، پھلو پھولو نسل انسانی میں اضافہ کرو، اور اپنی زندگی راحت کے ساتھ گزار کر چلے جاؤ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ کہا کہ:

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ

الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ. (سورة ابراهيم ـ ۳۷)

(ترجمہ) ''اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں زراعت کھیتی نہیں، تیرے غیرت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے، اے پروردگار تا کہ یہ نماز قائم کریں۔''

تو ابراہیم علیہ السلام نے اس وادی مکہ اور حجاز کے مقام کا قیامت تک کے لئے تعین کر دیا، اصلاً اس وادی کی فطرت ''وادی غیر ذی زرع'' ہونے کی ہے، اس لئے اگر اس میں کبھی سرسبزی وخوش حالی، باغات اور کھیتیاں، مرغزار، سبزہ زار، پانی کی بہتات، دولت کی فراوانی اور تجارت کی گرم بازاری دیکھنے میں آئے تو یہ اوپری چیز ہوگی، یہ اندر کی چیز نہیں ہوگی، یہ اس کے لئے ایک غیر فطری، مصنوعی اور عارضی عمل ہے اس وادی کے اصل مزاج کا پہنچاننے والا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ کون ہوسکتا ہے؟ اور کون اس کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ انہوں نے الہام ربانی اور ہدایت آسمانی سے اپنی اولاد کو یہاں لا کر چھوڑا تھا، اور کہہ دیا تھا کہ میں نے اپنی اولاد کو ''وادی غیر ذی زرع'' میں بسایا ہے، یہاں اپنا خاندان چھوڑ کر جارہا ہوں، گویا قیامت تک کے لئے اس وادی کا مزاج اس وادی کا مقام اور اس وادی کی فطرت کو متعین کر دیا، اب یہاں اگر رزق اور معاش کی برکتیں زمین سے ابلیں اور آسمان سے برسیں، جب بھی اس وادی کا مزاج وہی رہے گا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیان کیا اور جس کے ساتھ انہوں نے اس کا رشتہ اور ربط قائم کیا۔

میرے بھائیو غور فرمایئے ''اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ'' سے ''رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' کا ربط کیا ہے؟ فرماتے تو یہ ہیں کہ میں نے اپنی اولاد کو اس وادی غیر ذی زرع میں آباد کیا ہے، اے ہمارے پروردگار تا کہ یہ نماز قائم کریں، نماز پڑھیں، آپ نے لیقیمو الصلوٰۃ کہا یہ نماز کے قائم کرنے والے ہوں، یہ نماز کے داعی بنیں، یہ نماز کے قیام کے روئے زمین پر ذمہ دار ہوں اگر وہ اپنی اولاد کو نینوا کی سرزمین یا دجلہ فرات کی وادی میں چھوڑتے (جہاں کے وہ رہنے والے تھے) یا مصر میں جس سے گزر کر آئے تھے، یا شام میں جہاں پھر مسجد اقصیٰ بنی اور آپ ہی کی اولاد نے بنائی، کیا وہاں لیقموا الصلوٰۃ کا ظہور تحقق نہیں ہوسکتا تھا؟ آپ سب جانتے ہیں کہ وہاں

نمازیں پڑھی جارہی ہیں، خدا کے فضل و کرم سے مسلمان موجود ہیں، جگہ کے انتخاب اور اس کی تعریف اور نماز کے قیام واہتمام کے درمیان جو ربط ہے وہ یہی ہے کہ یہ جب نظر اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں جلے ہوئے پہاڑ نظر آئیں گے، انہیں خشک زمین نظر آئے گی ان کو کہیں بہتا ہوا دریا، چلتی ہوئی نہر نظر نہ آئے گی، تو ان کی فطرت صحیحہ اور ان کا ذہن سلیم ان کی رہبری کرے گا کہ ہمارے جدامجد ہمارے مورث اعلیٰ کے اس سرزمین کا انتخاب کرنے کا راز کیا ہے؟ راز یہ ہے کہ اگر ان کو ہم سے معاشی مسئلہ حل کروانا ہوتا، ہم کو خوش حالی عطا کرنے اور آسودگی کی زندگی بسر کروانی ہوتی تو پھر کسی سرسبز و متمدن زمین کا انتخاب کیا ہوتا، یہاں ٹھہرانے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ ہم سے ان کو کوئی اور ہی کام لینا مقصود ہے اور اس کام کو اس سرزمین سے زیادہ مناسبت ہے۔

ان آیات قرآنی کی روشنی میں یہاں کے رہنے والوں کے ذہن میں (چاہے وہ باہر سے آئے ہوں یا یہیں کے رہنے والے ہوں) وادی غیر ذی زرع اور اقامت صلوٰۃ کے درمیان جو رشتہ ورابطہ ہے، ہمیشہ مستحضر اور تازہ رہنا چاہیئے، اس سرزمین کا اصل پیغام ہے: دنیا میں خدا کی عبادت کی دعوت دینا، اس کے خدائے واحد ہونے کا اقرار کرنا، اور اسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا، اور اسی کی عبادت کو زندگی کا مقصود سمجھنا، اور اسی کو راضی رکھنے کی کوشش کرنا، اور سارے معاشی اور دنیاوی نظام کو اسی کے احکام کا تابع بنانا، اور لوگوں کو بتانا کہ وہ اس نظام کے باغی نہ ہوں بلکہ اس نظام کے فرمانبردار ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ ضروری ہے کہ آپ سمجھیں کہ یہاں کا پیغام اور یہاں کی سوغات کچھ اور ہے، یہاں کے ذرہ ذرہ سے کوئی اور صدا آرہی ہے۔ یہاں کی ہوا کا ہر جھونکا ایک دوسری زندگی کا پیغام دیتا ہے، ایسی زندگی گزارنے کا پیغام دیا ہے جس میں مادیت روحانیت کے تابع ہو، معاش معاد کے تابع ہو، جہاں اعمال عقائد کے تابع ہوں، اقتصادیات اخلاق کے تابع ہوں، اور جہاں ہر محبت خدا کی محبت کے تابع ہو۔

اپنے بھائیوں کو نہ بھولیں

یہ بات تو میں نے یہاں اسی مناسبت سے عرض کی، اب یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات زیادہ تر ہندوستان و پاکستان سے تشریف لائے ہوئے ہیں، تو آپ

حضرات کو (یہاں تک کہ جن کو تابعیہ یا اقامہ مل گیا ہے) اپنے ان ملکوں کو نہیں بھولنا چاہئے، جہاں سے آئے تھے، اور وہاں اپنے بھائیوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہاں رہنا مقدر فرمایا ہے، اور جن کا رزق اللہ نے وہیں رکھا ہے، ان کی زندگی وہیں گزر رہی ہے، اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، یہاں کی مشغولیت میں (خواہ وہ معاشی مشغولیت ہو یا عبادتی مشغولیت) یہاں کے احترام اور یہاں کی محبت میں اور اپنے ملک کے لوگوں کے حالات سے واقف ہونے میں، ان کا درد محسوس کرنے میں، اور ان کی طرف سے فکرمند رہنے میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسلمان ایک جسد واحد کی طرح ہیں، ایک جسم ہیں، "اِذَا اشْتَکٰی مِنهُ عُضوٌ تداعی له سائر الجسد بِالسَّهرِ والحُمّٰی" کہ اگر کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اسے محسوس کرتا ہے، بخار چڑھ آتا ہے درد ہو جاتا ہے، آپ کے برصغیر ہندو پاک نے (اب تو خیر وہ دو۲ الگ الگ ملک ہیں لیکن پہلے تو وہ برصغیر ہی تھا) اسلامی تاریخ کی بعض صدیوں میں عالم اسلام کی قیادت ورہبری کی ہے، عالم اسلام کو ایک نئی ایمانی طاقت اور ایک نیا اعتماد عطا کیا ہے، تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ کئی صدیاں ایسی گزری ہیں کہ تمام عالم اسلام پر دینی انحطاط یا ذہنی و علمی انحطاط کا بادل سایہ فگن رہا ہے، تقریباً آٹھویں صدری کے بعد ہمیں واضح طور پر یہ نظر آتا ہے، کہ وہ عرب ممالک جو اسلامی ثقافت، اسلامی تہذیب اور اسلامی دعوت کے مراکز تھے، وہ تنزل وانحطاط کا شکار ہو گئے ہیں، اس وقت ہندوستان نے ایسی ہستیاں پیدا کی ہیں، جنہوں نے افغانستان، ترکستان، ایران ہی میں نہیں، بلکہ ممالک عربیہ میں پھر نئی زندگی کی ایک لہر دوڑا دی ہے، اور ان کا فیض ممالک عربیہ تک پہنچا ہے، خاص طور پر دسویں، گیارہویں، بارہویں، تیرہویں صدی، یہ چار صدیاں درحقیقت برصغیر کی روحانی، علمی اور دینی ترقی کی صدیاں ہیں، جب وہاں وہ شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کی نظیر پورے عالم اسلام میں ملنی مشکل ہے۔

مثال کے طور پر اس وقت چند ہی نام لے سکتا ہوں، حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد

سرہندیؒ، پھر ان کی اولاد واحفاد کا پورا سلسلہ جو تقریباً سو ۱۰۰ برس تک چلتا رہا۔ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، ان کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، تین صدیوں میں پورے عالم اسلام میں ان شخصیتوں کا جواب نہیں ملتا، انہوں نے اپنے ملک بلکہ اپنے عہد کے مسلمانوں کے دلوں اور سینوں کو ایک نئی ایمانی طاقت سے بھر دیا ہے، شام وترکی کے علاقہ سے مولانا خالد رومیؒ دہلی آئے، اور واپس جا کر عراق، شام، ترکی کو ذکر الٰہی اور ایمانی طاقت سے بھر دیا، اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہ اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا (جو انہیں کے خاندان کے تربیت یافتہ تھے) فیض دور دور تک پہنچا، اور ہندوستان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ لوگوں کا اندازہ ہے کہ کم سے کم تیس ۳۰ لاکھ آدمی حضرت سید احمد صاحب سے براہ راست فیض یاب ہوئے، اور چالیس ہزار سے زیادہ آدمی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، رسوم کی جو اصلاح، بدعات کا جورد، اتباع سنت کا جو ذوق اور اشاعت کتاب وسنت کا جو جذبہ پیدا ہوا، پھر قرآن مجید کے تراجم کے ذریعہ سے مسلمان خاندانوں کی جو اصلاح ہوئی، اور جاہلیت سے مسلمان نکل کر صحیح اسلام کے دائرہ میں آئے، اور ان کے اندر ذوق عبادت پیدا ہوا، خدا طلبی اور حمیت دینی کا جو شعلہ موجزن ہوا، اس کی مثال تو دور دور تک نہیں ملتی اپنے زمانہ کے بڑے مبصر و باخبر عالم نواب سید صدیق حسن خان مرحوم والیٔ بھوپال کے بقول (جو اپنے زمانہ کے عظیم ترین مصنف اور محدث تھے) دوسرے ملکوں ترکستان اور ممالک عربیہ تک میں بھی حضرت سید جیسا صاحب تاثیر آدمی سنا نہیں گیا۔

حضرات! اس کے بعد میں آپ سے عرض کرنا چاہونگا کہ آج ہندوستان کی ملت اسلامیہ ہندیہ ایک نئے موڑ پر پہنچ گئی ہے، آپ حضرات کو اجمالی طور پر اس کا حال معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کے لئے ایک امتحانی گھڑی آگئی ہے، آپ جانتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ جہاں رہیں اپنے امتیازی عقائد، اپنی عبادت وفرائض، اسلامی شعائر اور اپنے ملی تشخص اپنے مخصوص تمدن و

معاشرت اور اللہ و رسول کے ساتھ مستحکم اور واضح تعلق کے ساتھ رہیں۔ یہی معتبر ہے، اور اسی کو اسلامی اور صحیح ایمانی زندگی کہتے ہیں، اگر یہ نہیں تو پھر وہ اسلامی زندگی کہلانے کی مستحق نہیں۔ یہ جاہلیت کی زندگی ہے، ہمارے اسلاف برابر اس کی کوشش کرتے رہے کہ مسلمان صرف جسمانی وجود اور نسل کے اعتبار سے ہندوستان میں نہ رہیں، بلکہ اپنی اسلامی شخصیت کے ساتھ رہیں، اپنی دعوت، اپنے پیغام اور اپنی خصوصیات کے ساتھ رہیں، یہ تسلسل خدا کے فضل سے ابھی تک قائم رہا ہے۔

اس وقت اچانک ایک موڑ آیا، جس کو میں آپ حضرات کے سامنے مجملاً بیان کرنا چاہونگا　،آپ حضرات جانتے ہیں کہ جو قومیں اپنے مخصوص تمدن سے محروم کردی جاتی ہیں، ان کا دین ان کی عبادت گاہوں ان کی شب کی خلوتوں اور ان کی عبادت کے طریقوں کے اندر محدود ہو کر رہ جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ ان کا رشتہ زندگی سے کٹ جاتا ہے ،اس لئے ایک صاحب شریعت ،ملت کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے امتیازی عقائد، اور اپنی عبادات کے ساتھ رہے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی مخصوص معاشرت وتمدن کے ساتھ رہے، اس لئے کہ ہمارے دین کا اصول یہ نہیں ہے کہ ''جو خدا کا ہے وہ خدا کو دے دو، اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو'' اور ''مذہب ایک پرائیویٹ معاملہ ہے اس کا تعلق باہر کی زندگی سے نہیں ہے۔''

جو ملتیں اپنی مخصوص معاشرت اور تمدن کے سانچوں سے محروم رہ گئیں، ملل وادیان کی تاریخ بتاتی ہے، کہ وہ ملتیں برائے نام ان ادیان سے وابستہ رہیں، مذہب کی گرفت ان کے اوپر سے ڈھیلی ہوتے ہوتے بالکل چھوٹ گئی، اور وہ آزاد ہوگئیں، ان کے اندر الحاد اور اپنے مذہب سے بغاوت پیدا ہوئی، اس لئے ہم مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم جہاں رہیں عقیدۂ توحید کے ساتھ رہیں، ایمان بالمعاد، شریعت کے اتباع بلکہ سنت کے اتباع کے شوق اور جذبہ کے ساتھ رہیں۔ جاہلیت سے (خواہ وہ ہمارے اندرون ملک کی جاہلیت ہو، یا باہر کی جاہلیت ہو) جاہلیت قدیمہ ہو، جاہلیت مغربیہ ہو، جاہلیت علمیہ ہو، جاہلیت فکریہ ہو یا جاہلیت خلقیہ ہو، ہر قسم کی جاہلیت سے دور اور محفوظ

رہیں۔

ہندستان جیسے برصغیر کے لئے یہ بات یوں بھی ضروری ہے کہ وہ مختلف مذاہب اور اقوام کا گہوارہ ہے وہاں مسلمانوں کی ذمہ داری دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں (جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں) بہت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کہ وہاں ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ ان کی گردوپیش کی آبادی اور اکثریت جس کو جمہوری نظام اقتدار اعلیٰ کا درجہ دیتا ہے، اور اقتدار کی مرکزیت اس کے ہاتھ میں آجاتی ہے، جہاں سروں کا شمار ہوتا ہے، سینوں کا اور دلوں یا صلاحیتوں کا شمار نہیں ہوتا، وہاں ایسی ملت کے لئے بڑی پیچیدگی اور بڑی نزاکت ہے اگر اس نے اپنی بنیادی وملی خصوصیات سے ذرا بھی دستبرداری اختیار کی، اور ذرا بھی تساہل، برتا، اپنے کسی عقیدہ میں مفاہمت یا سودا کرنے کا طرز عمل اختیار کیا، یا وحدت ادیان اور ''ہمہ اوست'' کے چکر میں پڑ گئی، یا اس نے یہ منظور کر لیا کہ ہم نماز پڑھیں گے لیکن مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور بلند آواز سے اذان دینے سے دستبردار ہوتے ہیں تو پھر وہ ملت رفتہ رفتہ اکثریت کے مذہب اور تہذیب میں تحلیل ہو کر رہ جائے گی حضرت مجدد الف ثانی نے جو شریعت کے پورے مزاج داں تھے، یہاں تک لکھ دیا ہے کہ "ذبح بقرہ درهندوستان از اعظم شعائر اسلام است" یہ ان کی بصیرت تھی کہ انہوں نے کہا کہ گائے کی قربانی ہندوستان میں بہت بڑا اسلامی شعار ہے، کہیں اور ہو نہ ہو لیکن ہندوستان میں اسلامی شعار ہے، اس لئے کہ گائے وہاں کا معبود ہے، اس لئے مسلمانوں نے اگر اس سے دستبرداری اختیار کی تو اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی زمانہ میں اس کے تقدس کے قائل ہو جائیں گے، ایسے ملکوں میں مسلمان رہنماؤں علمائے دین، حامیان شریعت اور اسلام کے ترجمان کی ذمہ داری اضعافاً مضاعفةً ہو جاتی ہے، جہاں ہر وقت خاکم بدہن ایک تہذیبی ارتداد، پھر معاشرتی وتمدنی ارتداد، پھر معاذ اللہ اعتقادی ارتداد کا خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ درجے بلند فرمائے ہمارے ان بزرگوں، ہمارے ان دینی پیشواؤں حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ مدارس عربیہ اور دینی اداروں وتحریکوں کے مؤسسین

کے، کہ انہوں نے ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو اس کے شعائر کے ساتھ قائم رکھنے کی پوری کوشش کی، الحمد للہ آج ہندوستان کا مسلمان اپنی ان تمام خصوصیات کے ساتھ باقی ہے، وہاں صرف یہی نہیں کہ اذانیں دی جارہی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسلمان عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی بھی کرتے ہیں، بڑے بڑے دینی اجتماعات کرتے ہیں، اور آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت کی سب سے بڑی وسیع دعوت تبلیغ بھی وہیں سے نکلی ہے، اس کا مرکز بھی دہلی اور ہندوستان ہے۔

ان عجمی نژادوں کو یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ وہ عربوں کو یاد دلائیں، کہ تم سے ہم کو اسلام ملا تھا، اس لئے تمہیں سب سے زیادہ اسلام کے معاملہ میں ذکی الحس اور غیور ہونا چاہئے، تمہیں اب بھی اس کا علمبردار ہونا چاہئے الحمد للہ ساری دشواریوں، بُعد مسافت اور عربی زبان کے وہاں رائج نہ ہونے کے باوجود (جو صرف مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے) اللہ نے ہندوستان کے فرزندوں کو توفیق دی کہ وہ عربوں کو خطاب کریں، قاہرہ میں خطاب کریں، دمشق میں خطاب کریں، حد یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ میں خطاب کریں، اور عربوں سے کہیں کہ تم کو اسلام کا نمونہ بننا چاہئے، قومیت عربیہ کے خلاف سب سے زیادہ طاقتور آواز اٹھانے والے ہندوستان کے فرزند، اور عربی کے وہ نوجوان اہل قلم تھے، جنہوں نے اس زور سے اس کا صور پھونکا کہ اس کی آواز قاہرہ اور دمشق اور مکہ مدینہ (شرفہما اللہ) کی دیواروں سے گونجی، اور اس کا یہاں کے فضلاء و قائدین نے اعتراف کیا کہ جس جرأت و وضاحت کے ساتھ قومیت عربیہ اور ''تجدد'' و ''تقدمیت'' اور مغربیت کے خلاف ہندوستان کے عربی رسائل اور عربی کے اہل قلم نے مضامین لکھے ان کی نظیر خود عالم عربی میں بھی ملنی مشکل ہے۔

مسلم پرسنل لاء

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان میں اچانک ایک موڑ آیا، اور وہ یہ کہ ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت نے جسے سپریم کورٹ (SUPREME COURT) کہتے ہیں، ایک مسلمان مدعہ شاہ نور کے کیس میں یہ فیصلہ کیا کہ طلاق دینے والے کے ذمہ یہ ہے کہ مطلقہ کو جب تک وہ زندہ رہے نفقہ دے، اور اس کی مقدار مقرر کی

جو اس وقت پانچ سو ماہانہ ہے جب تک وہ شادی نہ کرلے یا زندہ رہے، اگر شادی نہ کرے تو عمر بھر دے یہ بظاہر تو ایک چھوٹی سی بات تھی، لیکن فیصلہ کا آغاز ان لفظوں سے ہوا ہے کہ ''اسلام کا ایک کمزور پہلو یہ ہے کہ اس نے عورت کو صحیح مقام نہیں بلکہ بہت ہی پست درجہ دیا ہے، اور اس کے بعد اس فیصلہ میں ''متاع'' کی تشریح کی گئی ہے انگریزی ترجموں کی بنیاد پر کہ ''متاع'' کا مطلب ہے کہ اس کو نفقہ برابر دیا جاتا رہے۔

خطرناک پہلو

اس میں خطرناک تین پہلو تھے۔

(۱) ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عدالت کو یہ حق ہوگا کہ وہ ہمارے مذہب میں، ہمارے پرسنل (لا قانون احوال شخصیہ) میں مداخلت کرے، اور اب اس ملک میں شریعت کا حکم نہیں چلے گا، علماء کا فیصلہ اور مفتیان دین کا فتویٰ نہیں چلے گا، عدالت کا فیصلہ چلے گا۔

(۲) دوسری بات یہ کہ انگریزی ترجمہ کی مدد سے ایسے لوگوں نے جو ماہرین فن نہیں، عربی زبان سے واقف بھی نہیں، عالم دین بھی نہیں، قرآن کی آیات اور دینی اصطلاحات کی تشریح اپنے ذمہ لی، یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ قرآن مجید کی تشریح جج صاحبان کرنے لگیں، اگر اس کا دروازہ کھلا رہا، اور اس کو اپنے وقت پر روک نہ دیا گیا تو پھر نماز کی تشریح بھی کردی جائے گی کہ دیکھئے قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں آتا ہے:۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○

(سورة التوبه. ۱۰۳)

(ترجمہ) ''ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے رہو، اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لئے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

آپ ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کیجئے اور ان کے لئے دعائے خیر کیجئے، آپ کی دعائے خیر ان کے لئے باعث تسکین ہے، تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ نماز کہاں سے آئی؟ اور اس کے لئے اتنی بلند آواز سے اذان دینے سے ہماری نیندیں خراب ہوتی ہے، اور صبح کی اذان

اور نیند خراب کرتی ہے، ہم نے مار ماڈیوک پکتھال صاحب کا انگریزی ترجمہ دیکھا ہے، اس میں تو (صلوٰۃ) کا ترجمہ دعا سے کیا گیا ہے۔(۱)، تو یہ نماز کہاں سے آئی؟ تو اگر اس کا وقت پر نوٹس نہیں لیا گیا، اور اس کو چیلنج نہیں کیا گیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئندہ عدالتیں قرآن مجید کے لفظوں کا سہارا لے کر اور ترجموں کی مدد سے جو چاہیں گی تشریح کریں گی، اور جیسا کہ میں نے ہندوستان میں بعض جلسوں میں کہا کہ یہ بات صرف قانون تک محدود نہیں ہے، یہ دنیا کے اس مانے ہوئے نظام کو توڑنا ہے کہ جس کا جو فن نہیں ہے وہ اس میں دخل نہ دے، ریاضی والا فزکس میں نہ بولے، فزکس والا ریاضی میں نہ بولے، تو قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے، اور وہ عربی زبان میں نازل ہوئی ہے، اور اس کی تفسیر ان مستند فضلاء نے کی ہے، جو علوم قرآن و سنت اور عربی زبان کے ماہر تھے، اس لئے یہ ایک بڑی خطرناک بات ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ میں نے کہا کہ لکھنے والے لکھ رکھیں کہ جس طرح آج مطلوب جہیز نہ لانے پر دلہنوں کو جلایا جا رہا ہے، (اور نیشنل پریس کی رپورٹ یہ ہے کہ دارالسلطنت دہلی میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک واقعہ پیش آتا ہے) طلاق دینے کے بجائے بیویوں کو جلایا جائے گا، یا زہر دے کر مار دیا جائے گا، یا رات کو انہیں کوئی ایسی دوا دے دی جائے گی کہ صبح لوگ اٹھیں تو معلوم ہو وہ مردہ ہیں، اس لئے کہ کون جھنجھٹ مول لے کر تیس برس تک چالیس برس تک، اور اس مدت تک جس کا ابھی کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا، طلاق دینے والے شوہر پانچ سو روپیہ ماہوار دیتے رہے اس کے بعد خود عدالت فیصلہ کرے گی کہ معیار زندگی بڑھ گیا ہے، پانچ سو روپیہ کافی نہیں ہے، یا وہ خود درخواست دے کہ پانچ سو میں ہمارا گزارہ نہیں ہو رہا ہے ہمیں ایک ہزار ملنا چاہئے، پھر اس کے بعد وہ اس شوہر کے پاس جائے گی، جس نے اسے گھر سے نکالا ہے، اور اس سے پیسے لے گی، اور اس طرح اس سے کوئی نہ کوئی رابطہ رہے گا۔

---

(۱) پکتھال صاحب کے ترجمہ میں ہے:۔

AND PRAY FOR -THEM, PRAYER IS AN ARRANGEMENT FOR THEM ALL IS NEARER KNOWER (P-193-NO.103))

یہ چند چیزیں تھیں جو بہت خطرناک تھیں، اور مسئلہ صرف مطلقہ کا مسئلہ نہیں تھا، مسئلہ تھا، شریعت میں مداخلت کا، مسئلہ تھا شریعت کے کسی حکم کی تشریح کرنے کا، اور اس کے مفہوم بتانے کا مسئلہ تھا مسلمانوں پر ایک ایسی چیز عائد کرنے کا جو ان پر خدا اور رسول نے عائد نہیں کی، خدا کا شکر ہے اور میں آپ کو یہ خوش خبری سناتا ہوں کہ ہندوستان میں خلافت تحریک کے بعد ایسا عموم احتجاج اور مظاہرہ ہندوستان کے اندر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا، تمام مختلف الخیال طبقے، تمام مکاتب فکر اور مشہور فرقے اور جماعتیں سب کے سب سو فیصدی اس پر متفق ہو گئیں۔

حکومت نے یہ بات تسلیم کر لی کہ عوام اس مسئلہ میں علماء کے ساتھ ہیں، اور مسلمانوں کی اکثریت اس مسئلہ میں یہی رائے رکھتی ہے، اور یہی چاہتی ہے، وزیر اعظم کے مشورہ اشارہ سے وزیر قانون نے نیا بل بنایا اور ان علماء کو بلا کر جو اس تحریک کے علمبردار ہیں، لفظ بہ لفظ سنوایا۔

وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ ہم نے نامور علماء سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا ہے، اور یہ بھی کہا کہ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اسلامی شریعت اور اسلامی قانون عورت کے حقوق کا جو تحفظ کرتا ہے، اور جو اس کو دیتا ہے، وہ ہمارا قانون بھی نہیں، اور دفعہ ۱۲۵ مسلمان عورت کے حقوق کا وہ تحفظ نہیں کرتی، اور اسے وہ فائدہ نہیں پہنچاتی جو یہ بل فراہم کرتا ہے، پھر ۲۱ فروری کو یہ بل پارلیمنٹ کے ارکان کے سامنے رکھ دیا گیا، اس حد تک الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی، لیکن ابھی جدو جہد جاری ہے، جب تک وہ بل پارلیمنٹ میں باقاعدہ پیش ہو کر پاس نہ ہو جائے اس وقت تک ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، لیکن آپ حضرات کو حالات کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور دعا کرتے رہنا چاہئے۔(۱)

میں آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ خالص اکثریت کے ملک میں بھی مسلمانوں کو اپنے تمام ملی تشخصات اپنے پورے تمدن ومعاشرت، اور اپنے پورے تمدن قانون کے ساتھ رہنا

---

(۱) خدا کا شکر ہے کہ ۵ مئی کو لوک سبھا میں یہ بل پیش ہوا اور ۱۳-۱۴ گھنٹے بحث واظہار خیال کے بعد ۶ مئی کی صبح ہونے سے پہلے ۵۴ مخالف ووٹوں کے مقابلہ میں ۳۷۲ ووٹ کی اکثریت سے یہ بل پاس ہو گیا۔

چاہئے، میں نے ایک جلسہ میں (جس میں بڑی تعداد میں ہندو حضرات بھی شریک تھے) کہا کہ میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر مصر میں، شام میں یہاں تک کہ میں جرأت کر کے کہتا ہوں کہ خدانخواستہ حجاز مقدس اور سعودی عرب میں بھی شریعت کے خلاف کوئی قانون بنایا جائے گا تو وہاں کے مسلمانوں کا اور سب سے پہلے علماء کا فرض ہوگا کہ وہ اس کی مخالفت کریں، ہمارے اس اختلاف، اور ہماری اس جدوجہد کا محرک یہ نہیں ہے کہ یہ ایک ایسی عدالت نے فیصلہ دیا ہے جو غیر مسلم ہے، آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر کسی خالص مسلم ملک میں بھی قانون شریعت کی مخالفت کی گئی تو ہم اور وہاں کے علماء اور غیور مسلمان اس طریقہ سے اس کے خلاف جدوجہد کریں گے اور سینہ سپر ہوں گے جس طرح ہندوستان میں ہو رہے ہیں، بہت سے ہندوؤں نے اس کا اعتراف کیا، اور کہا کہ مولانا نے یہ بات انصاف کی کہی ہے اگر معاملہ یہی ہے کہ اس کی مخالفت میں صرف یہ جذبہ کام کر رہا ہے کہ اس سے شریعت متاثر ہوتی ہے، اور مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل نہیں کر سکتے، اور ان کا یہی طرز عمل اور موقف مسلم اکثریت کے ملکوں میں بھی رہا تو پھر شکایت کی کوئی وجہ نہیں۔

محترم حضرات! میں نے مثال کے طور پر اس مسئلہ کو ذرا وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آپ کہیں بھی رہیں یہاں تک کہ آپ حرمین کی سرزمین میں رہیں، آپ کو خود اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ آپ اسلامی معاشرت و اقدار کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں یا نہیں؟ آپ خود اپنے نگران بنیے کہ آپ حرمین شریفین میں رہ کر بھی ''تہذیب حجازی'' اور معاشرت اسلامی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں، یا مغربی تہذیب و معاشرت کے مقلد و نقال ہیں، اگر واقعہ یہ ہے کہ آپ رہتے اور کماتے تو ہیں، حجاز مقدس اور گہوارۂ اسلام (عرب) میں مگر آپ کا رہنا سہنا، سوچنا اور برتنا اہل مغرب اور مادہ پرستوں کا سا ہے تو آپ کا حرمین میں رہنا آپ کے اس قصور کو معاف نہیں کروائے گا، بلکہ اس وجہ سے آپ کا جرم بڑھ جائے گا، کیونکہ قرآن مجید میں آتا ہے:۔

وَمَنۡ يُّرِدۡ فِيۡهِ بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ۝

(سورۃ الحج ۔ ۲۵)

''اور جو اس میں (حرم میں) شرارت سے کج روی (وکفر) کرنا چاہے ہم اس کو درد دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔''

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اور جگہ معصیت پر مواخذہ ہے، لیکن حرم مکی میں (پختہ) ارادہ معصیت پر بھی مواخذہ ہوگا، اور اسی بناء پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو حبر امت ہیں، اور جن کو رسول اللہ ﷺ نے علم وحکمت کی دعا دی ہے، وہ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر طائف چلے گئے اور وہیں رہے، ان کی قبر مبارک وہیں ہے۔

بھائیو! مجھے یہ دیکھ کر رنج ہوا کہ یہاں شادی کے مراسم میں بہت سی وہ چیزیں داخل ہوگئی ہیں جو ہمارے یہاں بھی معیوب تھیں، لیکن یہاں آگئی ہیں، مجلس نکاح میں کئی وہ چیزیں آگئی ہیں جو خلاف سنت ہیں، ہم ہندوستانی، پاکستانی مسلمانوں نے جن سنتوں کو ہاتھوں سے نہیں دانتوں سے پکڑ رکھا ہے ان میں سے کتنی یہاں متروک نظر آئیں، ہم نے یہاں سے اور سنت وحدیث سے عقد کے موقعہ پر کھجور وچھوہارے تقسیم کرنا اور لٹانا سیکھا تھا، اور الحمد للہ یہ سنت ہمارے یہاں زندہ ہے، مگر یہاں اس کے بجائے ڈبوں میں مٹھائی یا کھلونے کی تقسیم دیکھی، حالانکہ ہم ان سنتوں کی پابندی پر اپنے غیر مسلم بھائیوں اور برادران وطن کے طعنے سنتے رہتے ہیں مگر ہم ان سے دستبردار نہیں ہوتے۔

اسی طرح یہاں شادی کو پُر مصارف، بلند معیار اور مشکل کام بنا دیا گیا ہے، اور اس کے لئے (ہندوستان کے برخلاف) لڑکی والوں کی طرف سے ایسی شرطیں اور مطالبات رکھے جاتے ہیں کہ یہ سنت وعبادت، اور زندگی کی ناگزیر ضرورت، ایک دشوار کام اور آزمائش بن گئی ہے، میں نے یہاں کے اخبارات میں نوجوانوں کے مضامین دیکھے ہیں جن میں اس کی شکایت اور اس حقیقت کا برملا اظہار کیا گیا ہے، اسی طرح یہاں گھروں میں وہ خلاف شریعت وسنت چیزیں، اور مغربی تمدن کی لائی ہوئی وہ جدتیں داخل ہوگئی ہیں، اور زندگی کا جزء بن گئی ہیں، جنہوں نے توجہ الی اللہ، گھروں کی دینی فضاء اور بچوں کی

تعلیمی یکسوئی اور ذہنی ارتکاز پر اثر ڈالا ہے اور جن سے ہمارے ملکوں کے بہت سے خاندان اور معاشرے ابھی محفوظ ہیں...... ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل!

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاں بھی رکھے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے قانون اور شریعت کے مطابق زندگی گزارنے، اور شعائر اسلام کی حفاظت و پابندی، تعلق باللہ اور تعلق بالشریعت کے ساتھ رکھے۔ ہمیں دوسری جگہ اگر اتباع سنت کی ایک دفعہ توفیق دے تو یہاں چار مرتبہ توفیق دے، اگر ہم وہاں ان سنتوں کو ہاتھوں سے پکڑیں تو یہاں دانتوں سے پکڑیں، اس لئے کہ یہاں ہماری ذمہ داری بہت زیادہ ہے، ہم اس جگہ ہیں جہاں شریعت نازل ہوئی، اور جہاں سے شریعت تمام دنیا میں پھیلی، اور آج بھی اس کی نسبت اسی مقدس مقام، یہیں کی دعوت و پیغام، اور اسی ملک کے افق سے طلوع ہونے والے آفتاب اور صبح صادق سے ہے، جس نے تمام عالم کو منور کر دیا، اور کہنے والے نے بآواز بلند کہا۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و آله وصحبه اجمعین، ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الیٰ یوم الدین.

خواتین اسلام کی خدمت میں

یہ فکر انگیز تقریر جو خواتین اسلام سے متعلق ہے حضرۃ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے ۱۹ جون ۱۹۷۷ کو مسلم کمیونٹی سینٹر شکاگو امریکہ میں خواتین کے سیمنار میں کی تھی!

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. ومن تبعهم باحسان ودعی بدعوتهم الی یوم الدین

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا.

اسلامی معاشرت:

خواتین اور برادران! میں اس عزت افزائی کے لئے بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس مجلس میں یاد کیا اور ایک اہم اور نازک موضوع پر جو پوری زندگی سے تعلق رکھتا ہے اظہار خیال کا موقع دیا، میں اس کے لئے بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری خاطر اس پروگرام میں ترمیم گوارا کر لی، یہ آپ کی شرافت اور خوش اخلاقی ہے، میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھوں گا اور بتاؤں گا کہ اسلام، معاشرت کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے؟ اور اس کا تصور کیا ہے اور وہ اس بارے میں کتنا حقیقت پسند واقع ہوا ہے۔

یہ آیت سورۂ نساء کی ہے، سورۂ نساء کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے

طبقۂ اناث کو اور جنس لطیف کو کیا مقام دیا ہے، سورۂ نساء کی پہلی آیت ہے۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۝ (سورة النساء)

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی آدم) اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ طبقۂ اناث کے متعلق اسلام کے تصور اور مرد وعورت کی باہمی ذمہ داری اور تعلقات کی نوعیت پر یہ آیت پوری روشنی ڈالتی ہے، پہلے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے، کہ ان دو طبقوں کی خلقت ایک ہی طرح ہوئی ہے، اور ان دونوں کی قسمت ایک دوسرے سے ایسی وابستہ ہے گویا ایک جسم کے دو حصے ہوں، مرد وعورت کی جسمانی ساخت میں معمولی تبدیلی اس وجہ سے ہے کہ دونوں زندگی کا سفر خوشگواری سے طے کر سکیں۔

پہلے تو ان دونوں طبقوں کا وجود نفس واحدہ سے ہے پھر اس نفس واحدہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، اس تقسیم کے باوجود ان میں کوئی تضاد نہیں بلکہ وہ جا کر ایک ہی نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، اس دنیا میں سفر کرنے والے انسان کو ہم سفر اس کی جنس سے دیا گیا ہے، اور وہ اسی کے جسم کا حصہ ہے، پھر اس کے بعد ان دونوں سے نسل انسانی کی آفرینش، اور افزائش، اللہ تعالیٰ نے دونوں کی رفاقت محبت اور ہم سفری میں بڑی برکت عطا فرمائی کہ جو دو تھے ان سے ہزاروں ہوئے اور ہزاروں سے لاکھوں، کروڑوں ہوئے، یہاں تک کہ صحیح تعداد کا شمار کمپیوٹر بھی نہیں لگا سکا کہ کتنے انسان پیدا ہوئے؟ اس کو صرف خدا جانتا ہے، ''کثیراً'' کے لفظ سے خدا نے اس کی کثرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

سائل بھی اور مسئول بھی:

میری بہنو! پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''تم اس خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو'' قرآن مجید میں انقلابی طور پر تصور پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ہر فرد ایک دوسرے کا محتاج ہے ہر ایک سائل ہے اور ہر ایک مسئول ہے، پھر تقسیم اس طرح نہیں کہ سائلین ایک طرف ہیں اور مسئولین دوسری طرف، بلکہ جو سائل ہے وہ مسئول بھی ہے، اور جو مسئول ہے وہ سائل بھی ہے، ''تساؤل'' (مشترک سوال وجواب) ایک ایسی زنجیر ہے، جس میں ہر ایک بندھا ہوا ہے، ہماری تمدنی زندگی ایک جال ہے، جس میں ہر ایک دوسرے کا ضرورت مند ہے۔

مرد عورت کے بغیر اپنا قدرتی اور فطری سفر خوشگوار طریقہ سے طے نہیں کرسکتا اور کوئی شریف خاتون رفیق حیات کے بغیر خوشگوار طریقہ سے زندگی نہیں گزار سکتی، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دوسرے کا ایسا سائل اور محتاج بنادیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی نہیں گذر سکتی۔

خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے:

پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ سوال جس کے نام پر تم کرتے ہو وہ خدا ہے، اسلامی معاشرہ خدا کے عقیدے خدا کی عظمت، خدا کی قدرت اور خدا کی وحدت کے عقیدے پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت جب جائز ہوتی ہے، جب وہ خدا کا نام بیچ میں لائیں، خدا کا نام ہی بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے، دور کو نزدیک کرتا ہے، غیروں کو اپنا بناتا ہے، جن کی پرچھائیں بھی پڑنا گوارا نہ تھی، ان کو ایسا قریب اور عزیز بنادیا جاتا ہے کہ ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہوسکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیق حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں، شوہر اور بیوی کا تعلق ایسی محبت واعتماد کا تعلق ہے کہ بعض اوقات وہ والدین کے تعلق سے بھی بڑھ جاتا ہے، جو بے تکلفی، جو اعتماد جو الفت، جو سادگی، جو فطریت ان کے درمیان ہوتی ہے، کسی اور رشتہ میں اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، خدا کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود

میں آ جاتی ہے، کل تک جو غیر تھا، یا غیر تھی، وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنا بن جاتی ہے، ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت، ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کر سکتے، ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں، لیکن جب خدا کا نام بیچ میں آ جاتا ہے، تو ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

یہ قرآنی معجزہ ہے کہ " تساء لون بہ " کہہ کر معاشرہ انسانی کا باہمی ارتباط، پیوستگی، وابستگی اور ہر ایک کا ایک دوسرے کی ساتھ جڑا ہونا ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے سے بڑا چارٹر بھی اس کو بیان نہیں کر سکتا، فلسفہ اجتماع وعمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو نہیں بیان کر سکتی۔

پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لا کر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلاب عظیم لاتے ہو، اس پاک اور بڑے نام کی لاج بھی رکھنی چاہئے، زوجین کے گہرے اور محکم تعلق کو قرآن مجید نے ایک دوسرے انداز میں بھی بیان کیا ہے، فرمایا" هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ " تم ایک دوسرے کا لباس بن جاتے ہو یہ بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے، کہ اس کے لئے لباس کا لفظ استعمال کیا، جو ستر پوشی اور زینت زندگی کی اہم ضرورت ہے، لباس کے لفظ میں وہ سب کچھ آ گیا جو زوجین کے باہمی تعلق واعتماد کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے، تم ان کے لئے لباس ہو اور وہ تمہارے لئے لباس ہیں، لباس کے بغیر جس طرح انسان حیوانیت سے قریب تر نظر آتا ہے، ایک صحرائی مخلوق نظر آتا ہے، ویسے ہی ازدواجی زندگی کے بغیر انسان غیر متمدن نظر آتا ہے، اس کو غیر متمدن اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے۔

ازدواجی زندگی ایک عبادت:

خواتین اسلام! "اسلام میں ازدواجی تعلق کو زندگی کی ایک ضرورت کی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا، بلکہ اس کو ایک عبادت کا درجہ دیا گیا ہے، جس سے آدمی خدا کے قریب ہوتا ہے، یعنی ہمارے یہاں ازدواجی تعلق کا، عقد نکاح کا تصور یہ نہیں کہ زندگی کی

ضرورت کے تحت یہ کرنا ہی تھا، اوراس کے بغیر زندگی کا تلذذ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کو دینی رنگ دیا گیا، اس کو عبادت قرار دیا گیا، اوراسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کا سب سے بڑا نمونہ پیش کیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہواور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے بہتر ہوں۔" چنانچہ آپ اگر سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ آپ کے اندر صنف نازک کا جو احترام، اس کے جذبات اور لطیف احساسات کا شعور اوران کا لحاظ تھا وہ طبقہ نسواں کے بڑے بڑے وکیل اور عورت کے احترام کے بڑے بڑے مدعی کے یہاں نہیں ملتا، اسی طرح سے وہ بڑے بڑے مقدس لوگوں، رشیوں، منیوں یہاں تک کہ دوسرے پیغمبروں کی زندگی میں ملنا مشکل ہے، ازواج مطہرات کی دلجوئی، ان کی جائز تفریحات میں شرکت ان کے جذبات کا خیال اوران کے درمیان جو عدل فرماتے تھے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔

انہیں کی ساتھ نہیں بلکہ بچوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ اس طرح پیش آتے تھے کہ نماز جیسی محبوب ترین چیز میں بھی آپ ﷺ محض اس وجہ سے اختصار فرمادیتے تھے کہ کسی ماں کو تکلیف نہ ہو اگر کوئی بچہ روتا تھا تو آپ ﷺ نماز میں اختصار فرماتے تھے، یہ انتہائی قربانی ہے، رسول اللہ ﷺ کے لئے تو نماز سے بڑھ کر کوئی چیز تھی ہی نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی قربانی نہیں ہوسکتی تھی، آپ ﷺ فرماتے تھے، بعض مرتبہ میں چاہتا ہوں کہ لمبی نماز پڑھوں لیکن کسی کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کی ماں کا دل نہ لگا ہو اس کی ماں کا دل نہ گھبرائے اس لئے نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔

مغربی تہذیب کا زوال شروع ہوگیا:

میری بہنو۔ ہمارے سامنے یہ نمونے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نام کو تم بیچ میں لائے اس کی شرم بھی رکھنا یہ نہیں کہ اس سے فائدہ ہی فائدہ اٹھاؤ یہ حکم عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے ہے، آپ یہاں امریکن سوسائٹی میں ہیں، یہاں ہمیں صرف

اسلام کے عقائد ہی پیش کرنا نہیں ہیں بلکہ اسلام کا خاندانی نظام معاشرت بھی پیش کرنا ہے
مغربی تہذیب آج تیزی کے ساتھ زوال کی طرف جارہی ہے آپ کو بھی احساس ہوگا کہ
مغربی تہذیب کا زوال شروع ہوگیا ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے، اس کا ایک
بہت بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں کے خاندانی نظام میں ایک ابتری پیدا ہوگئی، خاندانی نظام
ٹوٹ رہا ہے، اس میں انتشار ہے، شوہر وبیوی میں جو اعتماد اور جو محبت ہونی چاہئے، روز
بروز اس میں کمی آرہی ہے، اور اس وقت کے مفکر وفلاسفر پریشان ہیں اور کتابیں لکھی
جارہی ہیں کہ مغرب کے معاشرتی نظام کو ٹوٹنے سے، بکھرنے سے کس طرح بچایا جائے،
طرفین میں محبت والفت ہونی چاہئے جو زندگی کی حقیقی لذت ہے، اس میں فقر وفاقہ بھی
ہوتا ہے، تو وہ خوش دلی کے ساتھ برداشت کرلیا جاتا ہے، ابھی ہمارے مشرقی ممالک میں
بہت سے ایسے خاندان ہیں کہ وہاں کھانے کو مشکل سے ملتا ہے، لیکن ان کو جنت کا مزہ
آتا ہے، کیونکہ آپس میں محبت ہے، وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر اپنا فقر وفاقہ اور اپنی
تکلیف بھول جاتے ہیں، یہاں سب کچھ ہے، تمام وسائل کا قدموں پر ڈھیر لگ گیا ہے،
اور کائنات کی بہت سی طاقتوں کو انہوں نے مسخر کرلیا ہے، لیکن وہ اپنے دل کی دنیا کو اور
اپنے گھر کو جنت میں تبدیل نہیں کرسکتے جیسا کہ اقبال نے کہا ہے کہ ع

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

سکون کی تلاش:

جس نے سورج کی شعاعوں کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے زندگی کی تاریک رات کو صبح
میں تبدیل نہیں کرسکا، اور ستاروں کی گذرگاہوں کا تلاش کرنے والا، اگر اقبالؒ ہوتے تو
کہتے کہ چاند تک پہنچنے والا مغربی انسان اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا، اپنے گھر کو
گلدستہ اور جنت کا نمونہ بنا سکا، جس نے دنیا کو جنت کا نمونہ بنانے کی کوشش کی اس کا گھر
جہنم بنا ہوا ہے، بہت سے امریکی اور یوروپین خاندان ایسے ہیں کہ ان کے گھر میں سکون
کا کوئی سامان نہیں، اسی لئے ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ وہ باہر کی تفریحات اور کلب میں

سکون تلاش کرتے ہیں، کیونکہ سکون ان کے گھروں میں میسر نہیں ہے، گھر آ کر ان کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ دنیاوی جنت میں پہنچ گئے، بلکہ وہ گھر کی زندگی سے بھاگتے ہیں۔

احتیاج اور احترام:

خواتین اسلام، میں سمجھتا ہوں، جو یہاں دس دس برس، بیس بیس برس سے زندگی گذار رہے ہیں، وہ مجھ سے زائد اس المیہ سے اور اس کمزور پہلو سے واقف ہیں، مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرت کا ایک بنیادی تصور دیا ہے کہ معاشرہ ایک دوسرے کی احتیاج اور احترام پر قائم ہے ضرورت تو سب کو ہوتی ہے، لیکن ضرورت کا محسوس کرنا اور جس سے وہ ضرورت پوری ہو اس کا احسان ماننا، یہ الگ ذہنی کیفیت ہے، یہ ذہنی کیفیت اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہم میں ہر فرد اپنے کو دوسرے کا محتاج سمجھے اور اپنی اس احتیاج کو تسلیم کرے اور دوسرے کا احترام کرے، اگر یہ تصور پورے طور سے تسلیم کرلیا جائے اور ذہن میں اتر جائے تو اس کے بعد کوئی گرہ باقی نہیں رہتی۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کی صحیح رہنمائی فرمائے اور آپ اس ملک میں اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرت کا ایسا نمونہ پیش کریں جو یہاں کی سوسائٹی کے لئے جو زندگی سے عاجز آ چکی ہے، دل کش ثابت ہو اور وہ اسلام کے معاشرتی احکام اور اس کے باہمی تعلقات کا بھی سنجیدگی سے مطالعہ کریں اور اپنے لئے اس کو ترجیح دیں اور ان میں اس کا جذبہ پیدا ہو کہ کاش ہم کو بھی یہ نعمت حاصل ہوتی۔

اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ نہ صرف اس ملک کی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی بلکہ اسلام کی بھی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی، اور یہ اسلام کی ایک عظیم تبلیغ ودعوت ہوگی

میں ان لفظوں کے ساتھ آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آپ کا یہ سیمنار اور مجلس مذاکرہ اچھے فیصلوں اور نتائج تک پہنچے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

انسان خود پرست بھی ہے خود فراموش بھی

یہ تقریر مفکر اسلام، داعی کبیر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء رات کو ساڑھے سات بجے ٹاؤن ہال غازی پور (ہندوستان) کے ایک جلسۂ عام میں فرمائی تھی، جس میں ہندو مسلمان تعلیم یافتہ اصحاب کی کافی تعداد تھی۔

نحمده و نصلى على رسوله الكريم اما بعد.

دوستو اور بھائیو! جانوروں اور انسانوں میں ایک بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ کہ جانوروں میں اپنی حالت سے بے اطمینانی اور اپنی زندگی کی ترقی کی کوئی صلاحیت نہیں ہوتی، لیکن انسان اس کا احساس رکھتا ہے، ہم اور آپ زندگی سے غیر مطمئن ہیں، اس بے اطمینانی کو عام طور سے برا سمجھا جاتا ہے، لیکن اگر بے اطمینانی جو انسان کا جوہر ہے ختم ہوجائے تو پھر زندگی کی خوبی اور دلچسپی ختم ہوجائے، ہر شخص زندگی کی شکایت کرتا ہے اور اکثر گفتگو اس بے اطمینانی پر ہوتی ہے، مگر اس کو دور کرنے کی فکر اور اس کے اسباب پر غور کرنے کی تکلیف بہت کم لوگ گوارا کرتے ہیں، کیونکہ یہ ایک ذمہ داری کی چیز ہے، اور انسان ذمہ داری سے گھبراتا ہے۔

اگر کسی مشین یا ایک گھڑی میں خرابی ہوجائے تو اس کو گرانے اور پٹخنے سے وہ درست نہیں ہوتی، بلکہ اس کو آسانی اور سہولت سے درست کرنے ہی سے کام چلتا ہے، اسی طرح غور کرنا ہے کہ اس وقت انسان کی چول تو اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی نہیں ہے، اور یہ سارا بگاڑ اور بے اطمینانی انسانیت کی پستی ہی کا نتیجہ تو نہیں ہے، جس کے ذمہ دار ہم اور آپ ہیں۔

انسان کے لئے سب سے محبوب اپنی ذات ہے:

میرے بھائیو! انسان کو سب سے زیادہ اپنی ذات سے محبت ہے، اور جس سے جتنی دلچسپی ہے، وہ اپنی ذات کے تعلق کی بنا پر محبت میں انسان کی اپنی ذات چھپی ہوتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ایک خوردبین کی ضرورت ہے، محبت کے فلسفہ پر غور فرمائیے کہ کسی شخص کو آپ سے محبت ہے تو یقیناً آپ کو بھی اس سے محبت ہوگی، اولاد، بھائیوں اور دوستوں کی محبت میں درحقیقت انسان کی اپنی محبت کام کرتی ہے، انسانی محبت کے لئے کالروجیکل خوردبین کی ضرورت ہے، اگر انسان کو اپنی ذات سے محبت نہ ہو تو یہ سارا نظام عالم درہم برہم ہو جائے، اب تو یہ تسلیم کیا جارہا ہے کہ قوت کشش کا فلسفہ بھی دراصل ایک تعلق اور محبت کا رشتہ ہے، جو نظام شمسی کو قائم رکھتا ہے، اس دنیا میں جو رونق و رنگینی اور چہل پہل معلوم ہوتی ہے، وہ سب انسان کی اپنی ذات سے دلچسپی رکھنے کا نتیجہ ہے، اگر انسان کو اپنی ذات سے دلچسپی نہ ہو تو بازار، کارخانے اور کاروباری سرگرمیاں سرد پڑ جائیں، کیونکہ ذاتی دلچسپی تو کسی چیز سے نہیں، بلکہ انسان کو اپنی ذات کا عشق دوسری چیزوں سے تعلق اور محبت پر مجبور کرتا ہے، یہ لاکھوں برس کی پرانی اور فطری حقیقت ہے اس دنیا میں جو کچھ طاقت، زینت اور نظام آپ دیکھتے ہیں، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے دلچسپی رکھتا ہے، انسان اس دنیا کا مرکز ہے اور ساری چیزیں اس کے گرد گھوم رہی ہیں، اگر انسان اپنی ذات سے دلچسپی نہ رکھے اور اس کو فراموش کردے، اپنی حقیقت سے ناواقف ہو اور اپنی ذات کو بھول جائے تو بڑی انارکی پھیل جائے اور بڑی ابتری اور بدنظمی رونما ہو۔

ایک ذہنی طاعون:

انسان کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو سمجھے، اپنی حیثیت کو پہچانے اور یہ جانے کہ یہ ساری دنیا میرے لئے بنائی گئی ہے، اور انسان ہی اس دنیا کی پیدائش کا مقصد ہے......

میرے بھائیو ، دوستو ، ذریعہ کو ذریعہ اور مقصد کو مقصد سمجھنا چاہئے، انسانی تاریخ کا یہ ایک بحرانی دور اور ذہنی پلیگ ہے کہ وہ اپنی ذات کو فراموش کردے اپنے مقصود اور وسائل و ذرائع کو الگ الگ نہ پہچانے اور ذرائع کو مقصود سمجھے، انسان پر خود فراموشی کا طاری ہونا ایک خطرناک بیماری ہے، جب کہ وہ یہ بھلادے کہ وہ کس مقام پر رکھا گیا تھا اور اس کی کیا حیثیت اور ذمہ داری ہے، اسے کون سا پارٹ ادا کرنا ہے اور اس کا اس عالم سے کیا تعلق ہے۔

اس زمانہ میں ایک خاص قسم کا ذہنی پلیگ پھیلا ہوا ہے جو مشرق سے مغرب تک ہے بظاہر تو انسان اپنی ذات سے اس قدر دلچسپی اس زمانہ میں رکھتا ہے، اس کے لئے جو محنتیں اور کوششیں کررہا ہے اور جو اختراعات، ایجادات، اور مصنوعات سامنے آرہی ہیں، وہ یہ دھوکہ دیتی ہیں کہ انسان کو اپنی ذات سے جس قدر دلچسپی اس زمانہ میں ہے، ایسی دلچسپی کسی زمانے میں نہیں رہی، انسان پچھلے دور میں گویا سویا ہوا تھا، اب جاگا ہے، زندگی کو جیسا پر تکلف اور راحت آشناء بنادیا گیا ہے وہ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ انسان کو اپنی ذات سے اس وقت ہمیشہ سے زیادہ دلچسپی ہے، انسان اپنی ذات کے لئے جو ذہانتیں دکھارہا ہے اور جو قوتیں استعمال کررہا ہے، ایسا تاریخ میں کبھی نہیں ہوا اور اب بظاہر انسان کو اپنی ذات سے بے انتہا شیفتگی ہے، لباس نئے نئے، کھانے عجیب وغریب اور راحت وسہولت کے کتنے ذرائع نکل آئے ہیں۔

اس زمانہ کی خود فراموشی:

حضرات! میں یہ عرض کروں گا کہ دراصل انسان نے اپنی ذات، اپنی آدمیت، اور اپنے جوہر، اپنے اصل ذائقہ اور اپنی حقیقی لذت کو جس قدر اس زمانہ میں بھلایا ہے، ایسا کبھی نہیں بھلایا ہے، ایسا کبھی نہیں بھلایا تھا، انسان اس وقت سب سے کم اپنی ذات اور اپنے ذاتی مسائل پر غور کرتا ہے اور جو چیزیں اس کے لئے پیدا کی گئی تھیں ان پر اپنی زندگی کو قربان کررہا ہے، ظاہری چیزیں، جھوٹے تقاضے اور بیرونی لذتیں اس پر ایسی

حاوی ہوچکی ہیں کہ وہ اپنے باطن اور اپنی حقیقت کو بالکل فراموش کر چکا ہے۔

یہ دور دراصل دو متضاد پہلو رکھتا ہے، ایک ظاہر اور دوسرا باطن، اگر پرکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس مادی ترقی کے دور میں انسان نے اپنی روحانی جوہر اور حقیقی مقصد اور زندگی کی اصل لذت کو بالکل بھلا دیا ہے، جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اور لطف یہ کہ اپنے فرض کو نہیں پہچانتا، اپنی بیماری کو سنجیدگی سے نہیں سوچتا، اس کے ذرائع مقاصد بن گئے ہیں، انسان ان چیزوں پر کیسے مر رہا ہے جو اسی کے لئے ہیں، ذرا غور کیجئے، کیا انسان اپنی ذات سے واقف ہے اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے، کیا انسان اپنی حقیقی راحتوں کو یاد کرتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ انسان پر ایک جنون طاری ہے، اور وہ ایک عجیب کھیل کھیل رہا ہے، صبح سے شام تک ایک چکر میں رہتا ہے، جانوروں سے زیادہ محنت کرتا ہے، بہت سے انسان ایسے ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو روپیہ ڈھلانے کی مشین سمجھ رکھا ہے۔

لا حاصل کوشش:

میرے بچپن میں بچے ایک کھیل کھیلا کرتے تھے کہ بڑھیا بڑھیا کیا ڈھونڈ رہی ہے ، جواب ملتا تھا، سوئی، سوئی کا کیا کرے گی، جواب ملتا تھا تھیلی سیوں گی، تھیلی کا کیا کرے گی، جواب ملتا، روپیہ رکھوں گی ،روپیہ کا کیا کرے گی، جواب ملتا گائے خریدوں گی، گائے کا کیا کرے گی؟ جواب ملتا دودھ پیوں گی، ادھر سے جواب ملتا دودھ کے بدلے ” موت“ آج ساری دنیا یہی کھیل کھیل رہی ہے، ساری دنیا کو اپنی محنتوں کے صلہ میں جو حاصل کرنا چاہئے تھا اس کے بجائے بے مقصد اور غیر حقیقی چیزوں میں الجھ کر رہ گئی ہے ا انسان تعلیم حاصل کرتا ہے اور تعلیم اس لئے کہ روپیہ کمائے اور روپیہ اس لئے کہ آرام پائے، یہ ایک مسلسل زنجیر ہے جس میں سارے انسان جکڑے ہوئے ہیں، انسان جس کے لئے سب کچھ کرتا ہے، اس کو بھول جاتا ہے، آج حقیقی مقاصد زندگی بالکل فراموش کئے جاچکے ہیں، زندگی کا سارا سفر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ انسانیت جس کے لئے

چلی تھی، وہ اس کا راستہ نہیں۔

سکہ کی انسان پر حکومت:

حضرات آپ بتایئے کہ سکہ کس لئے ہے، اس کی قیمت یہی تو ہے کہ انسان اس سے کام لے، آپ نے بے جان سکہ میں جان ڈالی مگر سکہ کے یہ معنی تو نہیں کہ آپ اس سے عشق کریں، اس سے جو کام لینا چاہئے تھا وہ نہیں لیا جاتا بلکہ سکہ اس وقت انسان پر حکومت کرتا ہے، اس سکہ کے لئے دنیا میں دو بڑی لڑائیاں ہوئیں، آپ نے عہدوں، کوٹھیوں اور کرسیوں کو اپنے اوپر حکمراں بنالیا انسان نے انسان کے خلاف خوفناک ہتھیار استعمال کئے، انسان نے انسانیت سے سرکشی کی بغاوت کی، جس کے نتیجہ میں انسان کو انسان سے ہزار گناہ ادنیٰ چیزوں کو اپنا حکمراں بنانا پڑا، وہ چیزیں جن میں زندگی نہیں، لوچ نہیں، کوئی برتری نہیں وہ انسان پر مسلط ہیں، یہ ایک عجیب اور عبرتناک حال ہے کہ اشرف المخلوقات پر اس کے بنائے ہوئے قانون اور بے جان اشیاء حکومت کریں۔

ذرائع مقاصد بن گئے:

اس دنیا میں اکثر انسان ایسے ہیں جن کو یاد نہیں کہ ان کا مقام اور مقصدِ حیات کیا ہے؟ جو چیزیں انسان کے مقاصد کا صرف ذریعہ ہیں، ان پر ایسی محنتیں کی جارہی ہیں کہ گویا وہی اصلی مقاصد ہیں، اصل مقاصد کو بھلا کر انسان ہوس کے جال میں پھنسا ہوا ہے، انسان چاہتا ہے کہ دوسروں پر حکومت کرے، لیکن جب ایک کو دوسرے پر فتح ہوتی ہے تو اس پر دوسری چیزیں حکومت کرتی ہیں، ایک قوم کیا ایک فرد بھی گوارا نہیں کرتا کہ اس پر دوسرا حکومت کرے، مگر انسان سے ہزار درجہ پست چیزوں کو مثلاً کپڑوں کو، کوٹھیوں کو، روپیہ کو آج ہم نے اپنے اوپر حکمراں بنا رکھا ہے، انسان پر آج خواہشات کی، اپنے بنائے ہوئے قانون کی اور جمادات کی حکومت ہے، حالانکہ ان چیزوں میں ہرگز کوئی جاذبیت نہیں، اور وہ ہرگز ہمارا مقصود بننے کے قابل نہیں، مگر ہم نے جمادات کو ترجیح دی، انسانوں پر، ہم نے نباتات کو انسان سے افضل سمجھا، حالانکہ ہم میں آج لاکھوں انسان

حقیقی آرام سے محروم ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان نے انسانیت کو فراموش کر دیا۔ اور اس پر ایک خود فراموشی طاری ہے۔

دوستو! یقیناً ہم لوگ بھول چکے ہیں کہ ہمارا اصل مقام کیا ہے، ہماری غلط روش ہی سے ساری دنیا میں آج انتشار ہے، آج ہم عہدوں کے لئے جان دیتے ہیں اور اپنی حقیقی عزّت اور اصل راحت کو فراموش کر چکے ہیں، جغرافیہ کس لئے ہے، اگر اس دنیا میں انسان نہ پیدا ہوتا تو تاریخ وجغرافیہ کی کیا ضرورت تھی، سارے علوم وفنون انسان ہی کے لئے تو ہیں، پھر یہ کیا ہے کہ انسان اپنی پوزیشن (Position) نہیں سمجھتا اور اپنی حقیقت سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے، آپ کا اس دنیا سے کیا علاقہ ہے ہم کس لئے آئے، کیا ہم اس دنیا میں اس لئے بھیجے گئے کہ دریاؤں پر دوڑیں، اور ہوا میں اڑیں اور مادی ترقیوں کو اپنا مقصد حیات بنا لیں؟ ہماری زندگی کا جو لباس ہے، اس میں برابر جھول پڑتے جا رہے ہیں اور دامن انسانیت آج تار تار ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

خدا کے برگزیدہ بندے جنہیں پیغمبر کہتے ہیں دنیا میں اسی لئے تو آئے کہ انسان کو اس کا مقام اور مقصد زندگی بتلائیں اور انہوں نے ایک موٹا اصول بتلایا کہ انسان اللہ کے لئے بنایا گیا ہے اور یہ ساری مخلوق انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے، اگر ہم اور آپ یہ سمجھ لیں کہ ہم اس دنیا کے امین (Trusti)، ٹرسٹی اور نگراں ہیں تو یقیناً ہمارا اور آپ کا رویہ اور طرز زندگی بدل جائے اور دنیا میں جو فساد اور تباہی برپا ہے، وہ یقیناً دور ہو سکتی ہے۔

دولت مند بننے کی ریس:

میرے بھائیو! لیکن اگر آپ یہ سمجھ بیٹھیں کہ آپ صرف روپیہ ڈھالنے کی مشین ہیں تو انسانیت کے لباس میں جھول پڑتے ہی جائیں گے، غیر محدود تعداد میں روپیہ پیدا کرنا جب آپ کا مقصد حیات ہوگا تو نہ آپ انسانی رشتوں کو ملحوظ رکھیں گے، نہ کسی کے دل کو ستانے میں عار ہوگا، نہ کسی پر ظلم کرنے میں ہچکچائیں گے، اگر آپ کا آئیڈیل یہ ہوگا

کہ زندگی صرف عیش و آرام اور دولت مند بننے اور تھوڑی مدت میں جلد از جلد روپیہ سمیٹنے کا نام ہے، پھر اس کا نتیجہ یہی ہوگا جو آج ہمارے سامنے ہے، خواہ انسانیت کا خون ہو، اور آدمیت برباد ہو، مگر ہر انسان دولت مند بننے کی اس ریس میں آگے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے، ساری اخلاقی تعلیمات طاق پر رکھی ہوئی ہیں اور ہر ایک شہر میں ایک ریس کا میدان گرم ہے۔ دفتروں میں شام ہونے سے پہلے کلرک چاہتا ہے کہ جیب بھرے، اس وقت فلسفہ، شاعری اور فائن آرٹس کا مقصد بھی دولت کمانا اور شہرت حاصل کرنا ہے، اورتواور ولایت میں تو روحانیت کا مقصد بھی دولت کمانا اور شہرت حاصل کرنا ہے اور ولایت میں تو روحانیت کا مقصد بھی یہی بن گیا ہے کہ دولت حاصل ہو۔

سکہ کے اخلاق:

حضرات! آپ جس چیز سے محبت کریں گے، اس کا عکس آپ پر ضرور پڑے گا، آج روپیہ کی محبت کا عکس بھی پوری انسانیت پر پڑ رہا ہے، روپیہ کی بے وفائی اور اس کا تلون آج ہمارے دماغوں اور دلوں میں گھس چکا ہے، سارا دھیان گیان آج اس سکہ کے دھیان میں مٹ چکا ہے، ہم میں سکہ کی خاصیت، یعنی سختی، تلون اور بے وفائی پائی جا رہی ہے، ساری عمر کی کوشش کے باوجود اور روپیہ زیادہ سے زیادہ کمانے پر بھی آج دنیا کو وہ فائدہ نصیب نہیں ہوتا جو سکہ کا مقصد تھا، کیونکہ انسانی ہمدردی اور جذبۂ خدمت کے بغیر سکون کی دولت حاصل نہیں ہو سکتی، انسانوں کی حق تلفی انسانیت کا خون ہے، آئیڈیل کی حکومت ہر زمانہ میں رہی مگر کسی زمانہ میں بھی انسانی زندگی کا یہ آئیڈیل رہا ہے کہ دولت کے حصول کی خاطر انسان کا نازک دل بھی ملے تو اس کو روندتا چلا جائے، انسانی اخلاق آج ہم سے رخصت ہو گیا، سکہ کے نام پر آج انسان انسان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

تاجر اور خریدار:

میرے دوستو! آج بھائی بھائی کو گاہک یا خریدار کی نظر سے دیکھتا ہے اور ساری

دنیا دو گروہوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے، ایک تاجر اور دوسرا خریدار، آج دنیا کو اصرار ہے کہ ساری زندگی اسی بازار میں گزارے۔ انسانوں نے انسانوں کے دلوں میں گھر کرنا، دلوں کو آباد کرنا، صورتوں پر نظر ڈالنا اور باہمی رشتوں کو قائم رکھنا اور ایک دوسرے کے حقوق کو سمجھنا بالکل ختم کر دیا، اس دنیا میں گویا سارے رشتے ختم ہو چکے، تمام جذبات سرد پڑ گئے اور ساری محبتیں اٹھ چکیں اور اب ایک تاجر دوسرا خریدار بن کر زندگی گزارنا چاہتا ہے، اور ایک دوسرے کی جیب پر نظر جمائے ہوئے ہے، اس دولت نے اولاد کے دلوں سے والدین کی محبت نکال دی، چیلوں کے دلوں سے گروؤں اور استادوں کی عظمت ختم کر دی، ماں باپ کے دلوں سے اولاد کی شفقت کھودی اور ساری زندگی ایک دکان بن کر رہ گئی، بےلوث ہمدردی اور خدمت کا جذبہ نیست و نابود ہو چکا اور حقیقی لطف اب زندگی سے اٹھ چکا ہر شخص دوسرے کو گاہک کی نظر سے دیکھتا اور سوچتا ہے کہ کیا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اگر دنیا میں صرف دوکاندار اور گاہک ہی بستے ہوں تو کیا خاک لطف زندگی ہو۔

۱۹۴۷ء سے پہلے انگریزوں کے دور حکومت میں ایسے استاد دیکھنے میں آئے جو پڑھانے کا بل بنا کر دیتے تھے اور ایک کلکٹر صاحب نے جن کا لڑکا ان کے پاس آ کر ٹھہرا تھا، اس کے قیام کا بل بھی بنا کر دے دیا تھا، اب تو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا ہے کہ بے جان اور بے زبان چیزیں بھی بل پیش کرنے لگیں، درخت اپنے سایہ میں کھڑے ہونے کا بل بنانے لگیں، زمین اپنے اوپر چلنے کا معاوضہ طلب کرنے لگے، یہ زندگی کیا ہے، ایک منڈی بن گئی ہے، لیکن ساری زندگی منڈی میں کیونکر گذرے۔

دولت کا ضرورت سے زائد احترام:

سب سے پہلے ہماری نظر جب کسی پر پڑتی ہے تو اس کے لباس، معیار زندگی اور مالی حیثیت کو دیکھتے ہیں، اس کے اخلاق اور اس کی انسانیت کی ہمارے بازار میں کوئی قدر و قیمت نہیں، آج انسان بالشتیوں کی طرح ایک سونے کے پہاڑ کے گرد چکر لگا رہے ہیں، مگر میں پوچھتا ہوں کہ آج ہمیں کون سی چیز زندگی کی حقیقی خوشی اور لذت سے آشنا

کر رہی ہے۔

پیغمبروں نے انسانوں کو بتلایا تھا کہ اگر تم نے اپنے کو دنیا کے تابع کر لیا اور اپنی خواہشات کو اپنے اوپر مسلط کر لیا تو یہ ساری زندگی غیر فطری اور بدنظم ہو جائے گی اور ایک ایسی انارکی پھیلے گی کہ یہ دنیا تمہارے لئے جہنم بن جائے گی۔ اگر انسان نے اپنے کو نہیں پہچانا تو وہ اپنے مقام سے گرتا چلا جائے گا اور انسانیت تباہ و برباد ہوگی۔

مقام انسانیت:

قرآن شریف میں بتلایا گیا ہے کہ انسان کو پیدا کر کے فرشتوں کو اس کے آگے جھکایا گیا، جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسانیت کی یہ ایک تذلیل ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کے سامنے جھکے، جب کہ خدا کے بعد اس کے فرشتے ہی سب سے زیادہ جھکنے کے قابل تھے، کیونکہ وہ اس عالم کے کار پرداز ہیں، وہ اللہ کے حکم سے بارش لاتے ہیں، ہوائیں چلاتے ہیں، جس طرح ایک حاکم اپنے نائب کا، اپنے اہل کاروں سے تعارف کراتا ہے، اسی طرح خدا نے انسان کے آگے فرشتوں کو جھکا کر ایک تعارف یا انٹروڈکشن کرایا کہ انسان کی نسل کو قیامت تک کے لئے یہ سبق یاد رہے کہ وہ بجز خدا کے کسی کے آگے جھکنے کے قابل نہیں، مگر انسان اپنی ہستی اور ذات کو فراموش کر کے انسانیت کی تذلیل اور خون کر رہے ہیں۔

انسان کا اصل دشمن:

دوستو اور بھائیو! جنگی تاریخیں صاف بتلاتی ہیں کہ بجز ہوس کی آگ، نفس کی آگ اور پیٹ کی آگ کو بجھانے کے اور کوئی اہم مقصد حکومتوں کے سامنے نہیں رہا، کسی سیارے اور کسی مریخ سے کوئی دشمن نہیں اترا، باہر سے کوئی ستانے کے لئے نہیں آیا، کسی دوسرے ملک سے بھی ہمیں تباہ کرنے کے لئے کوئی نہیں آیا، بلکہ جو کچھ ہماری مصیبتیں ہیں، وہ ہمارے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی اور ہماری اخلاقی پستی کا نتیجہ ہیں۔

آپ سے پہلے جو قومیں دنیا میں تباہ ہوئیں ان پر کسی مرض یا وبا سے تباہی نہیں آئی

، بلکہ وہ اپنے اخلاق کی خرابی، دولت پرستی اور کیریکٹر کی گراوٹ سے تباہ ہوئیں، سیاسی پارٹیاں چاہے جو مرض اور بیماری بتلائیں مگر میں تو یہی کہتا ہوں کہ اصل بیماری انسانیت کی تباہی اور اخلاقی پستی ہے۔

آنکھوں کی ہوس:

میں چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی ماہر اقتصادیات یہ ثابت کرے کہ جتنی پیداوار ہے اس سے زیادہ آبادی ہے، کیونکہ اللہ نے جس انسان کو پیدا کیا ہے، اس کا رزق بھی پیدا کیا ہے، مگر آج انسان کی ہوس اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ چاہے ایک سیر نہ کھا سکے، مگر اپنے پاس ایک من دیکھنا چاہتا ہے، یہ آنکھوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہوسکتی، آج فرضی ضرورتوں کی فہرست اتنی طویل ہوچکی ہے کہ جس کی تکمیل کبھی ہو ہی نہیں سکتی، ہماری ضرورتوں کا پورا کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے، مگر اللہ نے یہ ذمہ نہیں لیا۔ کہ آپ چار موٹروں کی ہوس کریں، آپ سنیما کی ہوس کریں، آپ روپیہ جمع کرنے کی ضرورت سمجھیں۔ آج اگر انسانوں میں سکون پیدا ہوسکتا ہے۔ اگر زندگی بہترین ہوسکتی ہے، تو اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ ایک اچھا قانون تلاش کریں۔

مذہب کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں:

یاد رکھیے مذہب کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں، جو لوگ مذہب کو ایک مظلوم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، میں ان لوگوں میں نہیں، ہماری مصیبتیں، ہماری پریشانیاں ہمیں اس بات پر خود مجبور کرتی ہیں کہ ہم مذہب کو اپنائیں۔ آپ کب تک ضد کریں گے اور کب تک اپنی آنکھوں میں خاک ڈالے رہیں گے آخر آپ کو اپنی اس بے لطف اور تلخ زندگی کا چسکا کب تک پڑا رہے گا، آج میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ کوئی قانون اور کنٹرول انسان کو بد اخلاقی اور جرائم سے نہیں روک سکتا، بلکہ خدا کا خوف، اس کا مذہب سے تعلق، انسان سے محبت ہی ہماری بیماریوں کا واحد علاج ہے۔ آج افسوس یہ ہے کہ اس

لمبے چوڑے ملک میں جس میں کروڑوں انسان بستے ہیں اور بڑے سے بڑے انسان ہیں جو ہمارے لئے قابل فخر ہیں مگر اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے اور روحانی اور انسانی زندگی کو رواج دینے کے لئے کوئی تحریک اور کوئی جماعت نظر نہیں آتی۔

ہم نے بہت انتظار کیا اور آخر یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہم سے بن پڑے اس کو شروع کردیں۔

آزادی کی حفاظت:

میں آپ کو خبر دار کرتا ہوں کہ آزادی حاصل کرنا تو بہت اچھا ہے، مگر اس کو برقرار رکھنا اس کے بغیر نامکمل ہے کہ ہماری اخلاقی حالت درست ہو اور ہماری زندگی میں انسانیت زندہ ہو۔ دنیا کی تاریخ بتلاتی ہے کہ کوئی ملک اور کوئی حکومت بغیر اخلاقی ترقی اور انسانیت کی بقا کے قائم نہیں رہ سکتی۔

آج یہ کام ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لئے ضروری ہے، آپ اس یقین کے ساتھ اس سے تعاون کریں کہ بغیر ایک بے لوث خدمت کے جذبہ اور اخلاقی بلندی اور انسانیت کی بیداری کے ہماری زندگی کی مصیبتیں دور نہیں ہوسکتیں۔

یورپ زندگی سے مایوس ہے:

یورپ جو آج دنیا کا امام بنا ہوا ہے، اپنی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ زندگی سے مایوس ہو رہا ہے، اور زندگی کے حقیقی لطف اور اصل سکون سے محروم اور خالی ہاتھ ہے اور اپنی مادہ پرستی سے بددل ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کا فرض منصبی:

مسلمانوں سے میں صاف کہتا ہوں کہ آپ کو جتنا اصرار خدا کی وحدانیت پر، خدا کی ذات پر اور خدا کے دین پر ہے اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ دنیا میں اس اعلان کو عام کرتے اور اس دبی ہوئی حقیقت کو ابھارتے، دوسرے بھائیوں کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلاتے،

مگر آپ نے تو اس کی فکر تک نہ کی، آپ دوسرے ملکوں پر نظریں لگانا چھوڑ دیں۔ اپنے اسلاف کی تاریخ پر نظر ڈالئے کہ (Spain) اسپین میں لنگر انداز ہونے پر جب طارق نے اپنے جہازوں کو آگ لگوادی۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو تلوار پر ہاتھ ڈال کر جواب دیا کہ جو بزدل جہازوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو وہ نا امید ہو جائے، لیکن ہمارا معبود تو صرف ایک اللہ ہے جو حیّ و قیوم ہے۔ ہم اس کے پیغام کو لے کر آئے ہیں اور اب ہمیں اسی ملک میں جینا اور مرنا ہے، اب اس ملک میں توحید کا تحفہ دے سکتے ہیں اور یہ تحفہ قبول کرنے کے قابل ہے، میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ تم اس ملک میں رہنے کا فیصلہ کرو۔ کوئی مانے یا نہ مانے مگر تم اس ضرورت کو محسوس کرو۔

ہر چیز اپنے مقام سے ہٹی ہوئی ہے:

میرے رفیقو! اس ملک کا سدھار اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک بے لوث خدمت، صحیح جذبہ، اخوت و مساوات اور انسانی ہمدردی کا جذبہ نہ پیدا ہو، انسان کی زندگی کا اصل مقام اور حقیقی مقصد خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہونا ہے، مگر تم ایک سکہ کے پاؤں تلے اپنا سر رکھنے لگے۔ تم نے سکہ کو جیب میں جگہ دینے کے بجائے اپنے دلوں میں اور دماغوں میں جگہ دی، گھر گھر جو شوالہ اور مسجد بنی ہوئی ہے، وہ روپئے کا شوالہ اور مسجد ہے، جہاں روپئے کی پرستش ہو رہی ہے، خدا کے نائب اور سچے پرستار بن جاؤ۔ اس زندگی کی چول بیٹھ جائے گی، تم اپنے مقام پر آجاؤ، ہر چیز اپنے مقام پر آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو دین سے لگائے رکھے، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام کا پیام جرمن قوم کے نام

یہ فکر انگیز تقریر ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے برلن کی انجینئرنگ یونیورسٹی میں کی تھی، جس میں یونیورسٹی کے بڑے اساتذہ، طلبہ کے سوا مختلف حلقوں کے نمائندے اور محققین موجود تھے! اس تقریر میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جرمن قوم کو اسلام کی دعوت دی ہے جو ان کی تعمیر و ترقی کا ضامن بن سکتا ہے

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین اما بعد.

عظیم جرمن قوم:

مجھے اس عظیم شہر برلن میں پہلی بار عظیم جرمن قوم سے خطاب کرنے اور اسلام کا پیغام پہنچانے کا موقع مل رہا ہے یہ ایک خوشگوار اور قیمتی موقع ہے، اور مجھے اس کی اہمیت اور نزاکت کا پورا احساس ہے۔

جرمن قوم زمانہ قدیم سے شجاعت اور مہم جوئی، سنجیدگی اور قوت عمل اور انتھک جدّ وجہد میں ممتاز رہی ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ اس قوم میں ایسے صاحب عزم اور جوان مرد پیدا ہوئے، جنہوں نے مغربی معاشرہ اور مغربی افکار پر گہرا اثر ڈالا، اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ میں تین اشخاص کا نام لوں گا، جن میں سے ہر ایک کا یورپ کے دل ودماغ پر زبردست اثر ہے، اور ان میں سے ہر ایک مستقل مدرسہ فکر کا بانی اور اپنے رنگ میں منفرد ہے، پہلا شخص مارٹن لوتھر (MARTIN LU THER) ہے، جس نے اصلاح کلیسا کتاب مقدس کی طرف رجوع اور پوپ اور پادریوں کے حد سے بڑھے ہوئے اقتدار کی حد بندی کی دعوت دی اس نے مسیحی یورپ پر گہرا اثر چھوڑا، اور ایک مذہب کا

بانی قرار پایا، اور دوسرا شخص گوئٹے (GOETTE) ہے، جس نے مشرق سے ہمیشہ محبت کی اور اس کے شعر و نغمہ و روحانیت سے پوری دلچسپی لی، اس نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا اور اس مذہب اور اس مذہب کے پیغمبر سے اپنے تاثر کا اظہار کیا اور جرمن شعر و ادب پر اپنا لافانی نقش چھوڑا آخری زمانہ میں کانٹ (KANT) جیسا شخص پیدا ہوا، جس نے یورپ کی عقل پرستی کی تردید کی، اور اس کے حدود اور میدان متعین کئے، کانٹ عہد آخر میں جرمنی کا سب سے بالغ نظر مفکر سمجھا جاتا ہے اس کا اور اس کی دو کتابوں ''تنقید عقل محض'' اور ''تنقید عقل عملی'' کا مغربی فکر و فلسفہ پر گہرا اثر ہے، یہ تینوں تحریکیں یا مدارس فکر، حرارت و انقلاب اور جدت میں ممتاز تھے، ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر انقلابی نئی نقطہ نظر کا حامل تھا، جس کا اعتراف نہ صرف اس کے ملک جرمنی بلکہ پورے یورپ کو ہے۔

جرمنوں کی قومی خصوصیات اور حوصلہ مندی:

انقلاب بغاوت اور ذہنی بے چینی جرمن قوم کے خمیر میں ہے، انقلاب پسندی اور نفسانی خلش اور بے چینی تھی جو کارل مارکس کی شخصیت کے روپ میں اپنے پورے عروج کے ساتھ ظاہر ہوئی، اور جس نے آخر کار دنیا کے ایک بہت بڑے رقبہ میں بے چینی پیدا کر دی، اور موجودہ زمانہ کے قدیم اقتصادی نظاموں کے خلاف سب سے بڑی بغاوت کہلائی۔

یہ تحریکیں جن کا ابھی میں نے ذکر کیا دراصل انقلاب اور بغاوتیں ہی تھیں، کبھی ان کا دائرہ وسیع تھا، کبھی تنگ، کبھی ان کا اثر گہرا تھا، اور کبھی ہلکا جرمن قوم ہمت و جرأت پیش قدمی، دنیا میں بلند مرتبہ حاصل کرنے کا شوق اور خود اعتمادی میں بھی ممتاز ہے، پہلی اور دوسری عالمگیر جنگیں (۱۹۱۴ـ۱۹۱۸ء) (۱۹۳۹ـ۱۹۴۵ء) کبھی درحقیقت سیاست و حکومت کی دنیا میں دو بغاوتیں یا دو مہم جوئی کہی جا سکتی ہے، یہ صرف اس کا نتیجہ تھا کہ اس عظیم قوم میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا، اس کی صلاحیتیں، قوتیں یکا یک ابھر آئیں، اس میں حوصلہ مندی اور خود اعتمادی پیدا ہو گئی، اب بھی شرار زندگی اس کی خاکستر میں

پوشیدہ ہے، اب بھی وہ زندگی اور نشاط تعمیر وترقی کی زبردست صلاحیت سے بھرپور ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو جرمن قوم اس زبردست صدمہ کو برداشت نہ کر سکتی جس کی مثالیں تاریخ میں کم ملتی ہیں، وہ اس قیامت کو سہار نہ سکتی جو ایک پوری قوم کی صلاحیت کو مفلوج کر دینے، اور اس کو زندگی سے مایوس کر دینے کے لئے کافی تھی، اور دوسری جنگ عظیم میں اس کی تباہ شدہ عمارتوں اور کارخانوں کے ملبہ سے یہ تمدن یہ صنعت اور یہ نشاط اور قوت پیدا وار ظاہر نہ ہوتی، اور جرمن قوم تازہ دم ہو کر نئی قوت اور نئے ولولہ کے ساتھ اپنی زندگی کی دوڑ شروع کرنے کے قابل نہ ہو سکتی۔

جرمنوں کی بدقسمتی وناکامی:

لیکن اس عظیم قوم کے یہ تجربے اور مہم جوئیاں محدود بغاوتوں اور محدود قسم کے انقلاب سے آگے نہ بڑھ سکیں جس طرح کے انقلاب کا آغازِ کلام میں میں نے اشارہ کیا ہے اور جس کی مغربی معاشرہ اور مغربی دائرۂ فکر میں ایک خاص قیمت ہے، جس نے جرمن قوم کو عظمت ترقی اور شہرت دوام عطا کی ہے، لیکن وہ یورپ کے مذہبی اور فکری نظام کو یکسر تہ وبالا نہ کر سکا، وہ ایک نیا معاشرہ اور یک نئی دنیا پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا جو قدیم دنیا سے ہر چیز میں مختلف ہوتا۔

گزشتہ عالمی جنگیں کس لئے لڑی گئیں؟:

گزشتہ دونوں جنگیں عظیم پاکیزہ مقاصد کے لئے نہ تھیں، اور مسیحیت یا بلند اخلاقی اقدار یا انسانیت کے لئے نہیں لڑی گئی تھیں، ان کا مقصد اور نشانہ یہ نہیں تھا کہ قیادت ظالم اور پاپی کے ہاتھ سے نکل کر رحم دل اور عدل نواز ہاتھ میں پہنچ جائے، وہ فسق وفجور بے حیائی اور حیوانیت کو ختم کرنے کے لئے نہیں چھیڑی گئی تھیں، آپ مجھے معاف کریں یہ درحقیقت حکومت واقتدار حاصل کرنے کے لئے تھیں، اور زیادہ صاف لفظوں میں یہ جنگیں اس لئے کی گئیں کہ دونوں فریقوں میں سے ہر فریق یہ چاہتا تھا کہ دنیا میں جو کچھ فساد، ظلم، زور دستی اور لوٹ کھسوٹ ہے وہ سب برقرار رہے، لیکن اس کی تولیت اور

ماتحتی میں ہو۔

اس عظیم قوم کی ذمہ داری کیا تھی:

حضرات! عظیم جرمن قوم کا مقام و مرتبہ تو یہ تھا کہ وہ ان تمام بغاوتوں اور جنگوں اور انقلابات سے زیادہ وسیع اور زیادہ دوررس انقلاب دنیا کے سامنے پیش کرتی، ایسا انقلاب جو نہ صرف جرمنی اور یورپ بلکہ پورے نوع انسانی کے لئے مفید ہوتا اور اس کو حقیقی سکون اور اطمینان سے ہم کنار کرتا۔ ایک ایسا انقلاب جو اپنی انفرادیت، انقلاب آفرینی جدت اور حوصلہ مندی اور اپنی تخلیقی صلاحیت میں ان تمام انقلابات سے کہیں بہتر ہوتا جو جرمنی کے اولوالعزم رہنماؤں نے ماضی قریب یا ماضی بعید میں برپا کئے ہیں۔

آج بھی جرمنی مغربی قافلہ کا پوری طرح ساتھ دے رہا ہے بلکہ صنعت، کاریگری اور کثرت پیداوار میں بعض اوقات اس سے آگے بڑھ جاتا ہے، وہ وسائل ایجادات مصنوعات اور زندگی کی سہولتوں میں برابر اضافہ کرتا رہا ہے، لیکن موجودہ تہذیب میں اس کا حصہ صرف صنعت، پیداوار، تجارت اور موقع شناسی کی حد تک ہے، اس معاملے میں اس قوم کی ذہانت اور عبقریت، اس کا کمال فن اور اس کا ضبط و تحمل اچھی طرح آشکارہ ہو گیا اور وہ اس میدان میں اپنی بہت سی پڑوسی قوموں اور ملکوں سے آگے نکل گئی ہے، اور دنیا کی قوموں میں اور تجارت کی منڈیوں اور بازاروں میں صف اول میں نظر آتی ہے۔

اس انقلاب پسند اور حوصلہ مند قوم سے اور اس ملک سے جو عرصہ سے انقلابوں کا مسکن اور انقلابات کی آماجگاہ رہ چکا ہے، اسکی توقع تھی کہ وہ اس تہذیب سے بغاوت کرتا جس نے انسان کو ایک گمراہ سرکش وجود اور ایک طاقتور تباہ کن ہستی بنا دیا ہے، س نے اس کو ایک ایسی اندھی بہری مشین بنا دیا ہے، جو نہ روح رکھتی ہے نہ دل، نہ عقیدہ نہ ضمیر، اس نے پوری دنیا کو ایک قمار خانہ یا بوچڑ خانہ اور پوری زندگی کو خرید و فروخت اور لین دین کی ایک منڈی بنا دیا ہے، اس نے زندگی سے ندت، جدت، تنوع، گہرائی اور حرارت سلب کر لی ہے، اس تہذیب کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا جس نے زندگی کو ایک نہ ختم ہونے والا

سفر، نہ ختم ہونے والی مشکلات بنا دیا ہے، ایک ایسی ریس بنا دیا ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں، ایک ایسی جدو جہد تگ ودو جس کا کوئی نتیجہ نہیں، اس نے عصر حاضر کے انسان کو کولھو کا بیل بنا دیا ہے، جو مسلسل ایک دائرہ میں چکر کاٹتا رہتا ہے، اس نے انسان سے اس کی سب سے بیش قیمت متاع چھین لی، اس کو سب سے بڑی شرافت سے محروم کر دیا، اور وہ ہے، ایمان اور یقین، بے لوث اخلاص، پاکیزہ محبت اور درد و سوز کی دولت۔

اس کی توقع تھی کہ یورپ کی قوموں میں سے کوئی ایک قوم جھوٹے نظریات اور ان مصنوعی اقدار اور معیاروں سے بغاوت کرتی، جس کو خود انسان تراشتا ہے، اور پھر ان کی پرستش کرتا ہے۔ یہ جھوٹی اقدار زندگی کی وہ مطالبات اور زندگی کا وہ معیار اور نئے نئے فیشن ہیں، اور وہ ساری باتیں ہیں جن کو سوسائٹی بلا وجہ انسان پر عائد کرتی ہے، وہ ٹیکس ہیں جو انسان کی پرسکون زندگی کو مغلوب اور اس کی حقیقی آزادی کو سلب کر لیتے ہیں، خاص طور پر اس جرمن قوم سے جس کی یورپ نے کوئی قدر نہیں کی ...... اس بات کی امید تھی کہ وہ اس مبارک اور حقیقی انقلاب کی علم بردار ہو کر نہ صرف اپنے ملک بلکہ پوری دنیا کے حالات کا رخ تبدیل کر دیتی، اور اس کے ایک نئے باب کا آغاز کرتی۔

جرمنی نے کیا غلطی کی:

اس کے برعکس جرمنی اس مغربی خاندان کا ایک وفادار ممبر بنا رہا جس نے اس کے ساتھ مساویانہ سلوک نہیں کیا اور ہمیشہ اس کو حسد کی نگاہ سے دیکھا اور اسی رخ پر چلتا رہا، اسی ذہن و دماغ سے سوچتا رہا، اور اپنی ذہانت اور مہارت و کمال سے اس کو مدد پہنچاتا رہا اس نے ان حدود سے آگے بڑھنے اور اس دائرے سے باہر قدم نکالنے کی کوئی کوشش نہیں کی جو اس نے متعین کر دی تھی، وہ عظیم جست نہیں لگائی جو اس کی تقدیر اور دنیا کی تقدیر تبدیل کر سکتی، اس کو دنیا کی قیادت بقاء دوام ملتی اور قوموں کی برادری میں اس کے مقام کو بلند اور اپنے پڑوسیوں کی نگاہ میں اس کی عزت دو چند کر سکتی ہے۔ یہ ایک ایسی جرأت مندانہ جست ہوتی جس کا مقابلہ یورپ کی کوئی اور قوم نہیں کر سکتی، یہ اس مصنوعی اور تنگ

دائرہ کوتوڑ سکتی ہے، جس میں یورپ صدیوں سے زندگی گذار رہا ہے، یہ جست قدیم و جدید مشرق اور مغرب سب کو فراموش کر کے دنیا کو مادیت، حیوانیت، درندگی اور اس المناک انجام سے محفوظ کر سکتی تھی، جس کو سائنس نے بہت قریب کر دیا ہے، یورپ کے مختلف حصوں میں اقتصادیات، اجتماعیات اور سیاست کے میدانوں میں انقلابیوں نے جو چھلانگیں لگائی ہیں، وہ اس عظیم جست کے مقابلے میں بچوں کے اچھل کود سے زیادہ کوئی حقیقت نہ رکھتیں۔

ایک عجیب تضاد:

یہ ایک عجیب وغریب نا قابل فہم تضاد ہے کہ وہ یورپ جو زندگی اور نشاط سے بھرپور ہے، اور متمدن دنیا کے سب سے وسیع رقبہ کی قیادت کر رہا ہے، جس نے کائنات کے اسرار سے پردہ اٹھایا اور مادی طاقتوں کو اپنا غلام بنایا جو سستی، جمود تعطل اور بے عملی کے الفاظ سے ناواقف ہے، اس کی رہنمائی ایک ایسے مذہب کے ہاتھ میں ہے جو رہبانیت کا داعی اور انسان اور اس کے خالق کے درمیان...... واسطہ حاصل کرنے پر مجبور ہے، جو کفارہ پر بھی عقید رکھتا ہے، وہ کفارہ جو انسان کو دوسروں پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے، اور اپنی صلاحیتوں اور اپنی ارادہ وعمل پر اس کے اعتماد کو ختم کر دیتا ہے اس کے عمل کی قیمت اور جدوجہد کی افادیت کو خود اس کی نگاہ سے گراتا ہے، پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس مذہب کے نمائندے یورپ کے متجسس، حوصلہ مند، انسان اور علم وعقل کے درمیان ایک طویل عرصے تک دیوار بن کر حائل بھی رہے انہوں نے کتاب مقدس کے مفسرین اور اہل کلیسا کے بتائے ہوئے معلومات ونظریات سے سرتابی ان کے لئے حرام کر رکھی تھی، چنانچہ جو شخص اپنے عقل اور تجربے پر بھروسہ کرتا تھا، وہ اپنے مشاہدہ اور نظریہ کا اعلان کرتا تھا، اس کو وہ سزائیں دی جاتی تھیں کہ مذاہب کی پوری تاریخ میں اس سے ہیبت ناک اور بے دردانہ سزاؤں کی مثال نہیں ملتی۔

کلیسا سے بغاوت:

پھر وہ وقت بھی آیا کہ یورپ نے کلیسا کے اس بے جا تشدد جبر و استبداد اور تنگ نظری و کم عقلی کے خلاف بغاوت کردی اور اس کی بیڑیاں اور زنجیریں توڑ ڈالیں اس نے وہ عظیم ترقی کی جس کی مثال جدید انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، علم وتمدن اور طبقاتی علوم میں بڑے بڑے مراحل طے کئے لیکن اس زبردست کش مکش نے جس نے اس کو باطل خستہ اور شکستہ کردیا، اور اس کی ساری طاقتوں اور صلاحیتوں کو نچوڑ لیا، (حالانکہ اس دردسری کی اس کو کوئی ضرورت نہ تھی) اس کو اس توازن اور اعتدال سے محروم کردیا، جو حقیقی سعادت کا سرچشمہ ہے اور اس پر وہ انتہا پسندی اور مادہ پرستی مسلط کردی جو مرور زمانہ کے ساتھ مغربی تہذیب کا مزاج اور اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، آج بھی یہ کلیسا بہت سے مغربی ملکوں کی مغربی سوسائٹیوں پر حاوی ہے آج بھی ایک یورپین اپنے مذہب میں وہ رخ اختیار کرتا ہے، جس کا عقل وتدبیر سے کچھ تعلق نہیں ہوتا، اور اپنی تہذیب و معاشرت میں وہ طرز اختیار کرتا ہے، جس کا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، یہ تضاد اس کی ہر ترقی، ہر پیش قدمی اور ہر طرز ادا کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔

اسلام سے یورپ کی محرومی:

میرے دوستو! اس سے بڑھ کر تضاد اور المیہ جس کو تاریخ بھول نہیں سکتی یہ ہے کہ اس کے برعکس یورپ اس توحیدِ خالص اور واضح عقیدہ کے دین (اسلام) سے محروم رہا، جو اپنی وضاحت اور عملیت سعی وعمل اور خود اعتمادی میں ممتاز ہے، جس کے نزدیک ایک فرد کے عمل کی بڑی قیمت ہے، جو دنیا وآخرت دونوں جگہ اعمال کے نتائج واثرات پر ایمان رکھتا ہے، اور اس دنیا کو آخرت تک پہنچنے کا ایک پل سمجھتا ہے، جو انسان میں مردانگی، اولو العزمی، عالی ہمتی اور بلند نظری کے اوصاف پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ اس پیغام کے داعی سے بالکل رہا جس کے متعلق قرآن کی معجزانہ اور بلیغ الفاظ یہ ہیں:۔

الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْباً عِنْدَهُمْ فِي

التَّوْرَاتِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ. (الاعراف۔۱۵۷)

(ترجمہ) جو رسول کی پیروی کریں گے، جو نبی امی ہوگا اس کی ظہور کی خبر اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھی پائیں گے وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا برائی سے روکے گا پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا گندی چیزیں حرام ٹھہرائے گا اُس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دبے ہوں گے، ان پھندوں سے نکالے گا جن میں گرفتار ہوں گے۔

اسلام کی غلط تصویر کے بعض اسباب:

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے یورپ کو متوحش بدظن اور دور کرنے میں صلیبی جنگوں، اہل کلیسا، مسیحیت کے مبلغین اور یورپ کے ان مصنفین کا بہت بڑا ہاتھ ہے، جو علمی رجحان اور عقلی رجحان کے حامی نہ تھے، انہوں نے اس دین اور اس کے عظیم پیغمبر کی بہت خوفناک اور کریہہ (ناپسندیدہ) تصویر پیش کی، اور یورپ میں پیغمبر اسلام کے متعلق طرح طرح کے من گڑھت کہانیاں اور بے سروپا داستانیں مشہور ہوگئیں، ان کے گرد مختلف کہانیوں مثالوں اور کہاوتوں کا ایک سیاہ ہالہ قائم ہوگیا جس نے یورپ کو ان کی محبت اور ان کی عظمت کے اعتراف سے باز رکھا، آج بھی اس کے نمونے ان کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، جو قرون وسطی اور اس کے بہت بعد تک لکھی جاتی رہیں، اور آج بھی بہت سے پرجوش مغربی مصنفین اسی بات کو دہراتے اور نئے نئے زاویے سے پیش کرتے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کا بہت بڑا سبب اور ہی تھا، اور وہ یہ کہ یورپ اس دین کو ترکوں کے واسطے سے دیکھنے کا عادی رہا، جب وہ اس پر غور کرتا، یا اس کا تصور کرتا، تو اس کے سامنے عثمانی ترک کھڑے ہوجاتے، جو یورپ کے براعظم میں اسلام کے تنہا، سرکاری نمائندہ سمجھے جاتے تھے، وہ آزادانہ نگاہ سے اسلام کو نہیں دیکھتا تھا، بلکہ عثمانیوں کے

مذہب کی حیثیت سے اس پر غور کرتا تھا، جو اس پر اکثر حملہ کرتے رہتے تھے، اور اس کے بہت سے حصوں پر قبضہ بھی کر لیتے تھے جو کبھی کبھی غلطیاں بھی کر۔تے تھے، اور کبھی ان سے تشدد اور سختی کا مظاہرہ بھی ہوتا تھا، یہ ساری باتیں اسلام کے صحیح اور پاکیزہ فہم سے مانع رہیں، جو آزاد غور وفکر اور براہ راست مطالعہ پر مبنی ہوتا۔

اسلام سے دوری اور زندگی پر اس کے نتائج واثرات:

اسلام سے یورپ کے بعد کا انسانی سوسائٹی کی تاریخ اور تہذیب وترقی کی رفتار پر بہت گہرا اور دوررس اثر پڑا، اگر یورپ یا اس کی کسی بڑی قوم نے اسلام کو اختیار کیا ہوتا اور اس دعوت کی علمبردار ہوتی تو نہ صرف یورپ بلکہ پوری دنیا کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا، زندگی اس طرح بے معنی اور بے مقصد نہ ہوتی، دین واخلاق اس طرح بے دست وپا اور بے اثر نہ ہوتے، انسانی تہذیب کا رخ تباہی وبربادی کی طرف نہ ہوتا، اور مشرق محض استحصال اور جبر واستعمال کی آماجگاہ نہ ہوتا جیسا آج ہے۔

دنیا کا عظیم خلاء:

دنیا میں ایک ایسا عظیم خلا ہے، جو صدیوں سے پر نہیں کیا جا سکا وہ ایک ایسی قوم کا فقدان ہے، جو اپنے ایمان وعقیدہ اور اپنے اخلاق ومعاملات ہر چیز کے لحاظ سے طاقتور ہو، جو صحیح دینی دعوت اور اس آخری آسمانی پیغام کی حامل ہو جو زندگی کے مسائل کا سامنا کرتا ہے۔ اس سے گھبراتا نہیں، قافلہ انسانی کی رہنمائی کرتا ہے، اس سے بچھڑتا نہیں ،ایسی قوم جو عصری ثقافت میں ممتاز، عبقریت اور تخلیقی صلاحیت کی حامل زندگی ونشاط سے لبریز اور مجسم جہد وعمل ہو، یہ وہ مطلوب قوم ہے، جو دنیا کو شر سے خیر کی طرف تخریب سے تعمیر کی طرف اور فساد سے اصلاح کی طرف پھیر سکتی ہے۔

ترکوں میں جن کی قیادت آل عثمان کر رہے تھے، (پندرھویں صدی عیسوی میں) اس کی صلاحیت تھی کہ عالمی قیادت کے اس خلا کو پر کر سکیں، جو طویل عرصے سے چلا آرہا تھا، انہوں نے مشرق میں قیادت کے اس خلا کو ضرور پر کیا، عالم اسلام کی قیادت کی اور

اس کو ایک نئی زندگی اور نئی قوت عطا کی، لیکن بہت سے اسباب کی بنا پر مثلاً جدید علوم جدید تنظیم اور ترقیات وایجادات کے شعبے میں ان کی پسماندگی، مغربی قوموں کی ان پر یورش اور جنگوں کے لامتناہی سلسلہ کی وجہ سے وہ مغرب کی قیادت نہ کر سکے اور اس نشاۃ ثانیہ کی سربراہی نہ کر سکے جو یورپ میں طوفان کی طرح بڑھ رہی تھی، اور ایک نیا عہد وجود میں آ رہا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قافلہ سے بچھڑ گئے یہ خلا ان کے بعد آج بھی باقی ہے، اور وہ کسی ایسی مغربی یا مشرقی قوم کا منتظر ہے، جو ایمان اور علم کی قوت، روح اور مادہ کی قوت، آسمانی پیغام کی ابدیت اور اس کی ازلی حقیقت، علم کی جدت اور عقل کی ترقی پذیری، جدید وسائل کے انبار اور صالح مقاصد کی دولت کو باہم جمع کر سکے، وہ مقاصد جو آسمانی مذاہب عطا کرتے ہیں، اور آخری آسمانی مذہب اسلام اس کا سب سے مکمل اور جامع نمائندہ ہے، وہی اس دنیا کی اصلی قائد اور رہنما ہے، جو اس خلا کو پر کر سکے، تاریخ کے دھارے کو موڑ سکے، اور زمانے کو ایک نیا راستہ اور نئی سمت اختیار کرنے پر مجبور کر سکے، اور اس جی چھوڑتی آمادہ خودکشی دنیا کو زندگی کی ایک نئی قسط عطا کر سکے، اور اس کو موت کے اس غار سے بچا سکے، جس کی طرف وہ ایٹمی سرعت اور راکٹ کی رفتار سے بڑھ رہی ہے۔

نئے انقلاب کی ضرورت:

میرے بھائیو! اس کے لئے ایک جرأت مندانہ بغاوت کی ضرورت ہے، ایک ایسے انقلاب کی ضرورت ہے، جو ان تمام انقلابات سے بڑھ جائے .... جو آزادی وترقی کے علمبرداروں نے ماضی یا حال میں کئے تھے، اس کے لئے پوری قوم کے انقلاب اور تغیر حال کی ضرورت ہے، ایک ایسی جست یا چھلانگ کی ضرورت ہے جس میں خاصا خطرہ ہو، قربانی ہو جست ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف ایک نظام سے دوسرے نظام کی طرف، ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف یہ جست تجھ کو وہ قیادت وزعامت وہ عزت واحترام وہ اثر ورسوخ وہ ہیبت وہ رعب، اور وہ سکون واطمینان اور روحانی آسودگی وخوش حالی عطا کر سکتی ہے جس کا خواب بھی تیرے ان خطر پسندوں،

جواں مردوں اور جنگجور ہنماؤں نے نہ دیکھا ہوگا، جنہوں نے تجھ کو دو ہولناک جنگوں کی آ گ میں دھکیل دیا تھا۔

اس جست سے تو مادی قوت سیاسی اقتدار اور انسانیت کی صحیح رہنمائی اور صحیح نمونہ دونوں چیزوں کی جامع اور اللہ تعالیٰ کے ان ارشاد کی مصداق ہوسکتی ہے۔

وَنُرِيْدُاَنْ نَّمُنَّ عَلَے الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلُهُمُ الْوَارِثِيْنَ O (القصص. ۵)

(ترجمہ)اور ہم چاہتے ہیں کہ اپنا خاص فضل کریں ان بندوں پر جو ہماری زمین میں کمزور کردیئے گئے ہیں، اور ہم ان کو سربراہ بنائیں اور انہی کو زمین کا وارث بنادیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِآيَاتِنَا يُوْقِنُوْنَO (السجدہ. ۲۴)

(ترجمہ)اور ہم نے بنا دیا ان کو پیشرو کہ وہ رہنمائی کریں ہمارے حکم سے جب کہ انہوں نے صبر وثبات کا ثبوت دیا، اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔
اللہ تعالیٰ آپکو مزید ترقی نصیب کرے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آزاد اسلامی ملک میں اہل بصیرت اور اصحاب غیر کی ذمہ داری

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

ایک تاریخی حقیقت

حضرات! میں اپنی گفتگو کا آغاز مشہور صحابی فاتح مصر، حضرت سیدنا عمرو بن العاص کے ایک جملے سے کروں گا جو بڑا حکیمانہ اور سبق آموز ہے اس سے ہر مسلم معاشرہ اور خطہ کو فائدہ اٹھانا چاہیے، مصر جب فتح ہوا اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس کو خلافت راشدہ کی قلمرو میں شامل کیا اس وقت اس بات کے سارے قرائن موجود تھے کہ مصر مسلمانوں کے قبضے میں رہے گا قبطی سلطنت دم توڑ چکی تھی اور ملک میں مقابلے کی کوئی طاقت باقی نہیں رہ گئی تھی خلافت راشدہ کے مرکز مدینہ طیبہ سے اور جزیرۃ العرب سے اس کا جو جغرافیائی قرب تھا وہ بھی اس بات کی ضمانت تھا کہ مصر کی پوری طور پر نگرانی کی جا سکے گی اور وہاں مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل محفوظ رہے گا۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ جن ممالک کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فتح کیا وہ ممالک اب بھی کسی نہ کسی طرح اسلام کے زیر سایہ ہیں اس کے خلاف ایسی نظیریں ملتی ہیں کہ جن ممالک کو بعد کے فاتحین نے فتح کیا اور جن فاتح لشکروں میں صحابہ کرامؓ شامل نہیں تھے وہ اسلام کے سایہ رحمت سے محروم ہو گئے ایسے کئی ممالک کی مثالیں دی جا سکتی ہیں جن میں بہت مستحکم مسلم سلطنتوں کی بنیاد رکھی گئی تھی لیکن چند صدیوں کے بعد وہ اسلامی قلمرو سے خارج ہو گئے لیکن جہاں تک میرا مطالعہ ہے ایسے ممالک جو براہ راست صحابہ کرامؓ کے ذریعے سے فتح ہوئے تھے وہ کلی طور پر اسلام کی دولت سے محروم نہیں ہوئے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے

لئے اس بات کو باور کرنے اور اس بارے میں اطمینان حاصل کرنے کے سارے آثار وقرائن موجود تھے، کہ مصر میں کسی بڑے انقلاب کا اندیشہ نہیں ہے، مصر فتح ہو چکا تھا اور صحابہ کرام اور مسلمانوں کے قدم جم چکے تھے مساجد تعمیر ہو رہی تھیں اور مصر کی وہ بازنطینی سلطنت (BYZANTINE EMPIRE) جس کا آخری فرماں رواہ ہرقل تھا، دنیا سے رخصت ہو چکا تھا، اس لئے یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ہے اور اس سلطنت بازنطیہ کے مقبوضات جن میں شام وفلسطین کا علاقہ بھی تھا اسلام کے زیر سایہ آ چکے تھے۔

بصارت وبصیرت

لیکن اللہ تعالیٰ نے صحبت نبوی ﷺ کی برکت سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو جو فراست ایمانی عطا کی تھی جس کا کچھ نہ کچھ حصہ مومن کو مل سکتا ہے اتقوا فراسة المؤمن فَاِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللهِ. حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ہوشیار رہنا اس لئے کہ اس کو اللہ کے نور کی مدد حاصل ہے اس کی بصارت کے ساتھ ایک خداداد بصیرت بھی شامل ہوتی ہے حضرت عمرو بن عاصؓ نے فراست ایمان کی وجہ سے ایک جملہ کہا جس کو تاریخ نے انہی کے لفظوں میں محفوظ کر لیا ہے اور وہ جملہ ایسا ہے کہ اگر کوئی مجھ سے کہے کہ آیت الکرسی اور متبرک آیات قرآنی کے علاوہ کوئی ایسا رہنما جملہ یا عبارت بتایئے جو خوشخط لکھ کر ہر پڑھے لکھے مسلمان کے گھر میں آویزاں کیا جائے تو میں اسی جملے کا مشورہ دوں گا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصر کی فتح مکمل ہو جانے کے بعد جب قدیم مصر میں سب سے بڑی مسجد (قسطاط کے نام) سے تعمیر ہو گئی تھی، اور پورا شہر اسی نام سے آباد ہو گیا تھا، صحابہ کرامؓ نے متعدد جلیل القدر صحابہؓ جن کا نام حدیث میں آتا ہے وہاں مقیم ہو گئے تو اس وقت انہوں نے ایک جملہ اسلامی لشکر کو اور وہاں بسنے والے مسلمانوں کو مخاطب ہو کر کہا تھا میں اس جملہ سے آغاز کرتا ہوں دیواروں پر تختی آویزاں کرنے کا تجربہ کچھ زیادہ ہمت افزا نہیں ہے اس لئے کہ بار بار دیکھنے سے اہمیت جاتی رہتی ہے اکثر اوقات نظر بھی نہیں اٹھتی اگر امکان ہوتا تو میں کہتا کہ لوح دل پر نقش کر لیں، انہوں نے فرمایا کہ اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ اَنْتُمْ فِی رِبَاطٍ دَائِمٍ لِکَثْرَةِ الاَعْدَاءِ حولکم ولتشوف القلوب اليكم. تم ہمیشہ اس بات کو یاد رکھنا کہ تم محاذ جنگ پر ہو

اور اسلامی سرحد کے محافظ ہو اس لئے کہ دشمنوں کی نگاہیں تم پر لگی ہوئی ہیں اور ان کے دل تمہارے خیال سے خالی نہیں ہوئے خیال کیجئے کہ مصر فتح ہو گیا ہے فرعونی سلطنت اور مسیحی آثار مٹا دیئے گئے ہیں ملک میں اسلامی قانون نافذ ہے تیزی سے مسجدیں بن رہی ہیں صحابہ کرامؓ آباد ہو رہے ہیں اسلام میں داخل ہونے کا سلسلہ بھی جاری ہے اور جاری رہے گا سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام قبول کر رہے تھے بڑی بات یہ کہ عربی زبان اختیار کر رہے تھے ایسا کم ملکوں میں ہوا وہاں کے باشندوں نے اپنی ترقی یافتہ زبان چھوڑ کر عربی اختیار کر لی ہو اور پھر قدیم زبان بالکل مٹ گئی ہو یہ بھی صحابہ کرامؓ کی خصوصیت ہے کہ انہوں نے مصر کو فتح کیا اور اس کی زبان عربی ہوگئی رسم الخط عربی ہو گیا شام کا علاقہ فتح کیا تو اس کی زبان پہلے جو کچھ رہی ہو سریانی یا عبرانی سب ختم ہوگئی وہاں کے عیسائیوں نے بھی عربی زبان اختیار کر لی اور اس میں کمال پیدا کرنے لگے۔

رباط کا مفہوم

بہت سے قرآنی الفاظ ایسے ہیں کہ جن کا ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے رباط کا ترجمہ بھی کسی مفرد لفظ سے کر دینا بھی مشکل ہے ناکہ بندی سرحد کی حفاظت کسی کام میں مسلسل منہمک رہنا یہ سب رباط کے مفہوم میں آتا ہے، چنانچہ مسجد میں ایک نماز کے بعد جو دوسری نماز کا انتظار کرتا ہے اس کے لئے بھی **فذالکم الرباط فذلکم الرباط** کے الفاظ آئے ہیں رباط کے لفظ میں عسکری و جسمانی طور پر اور اس کے ساتھ معنوی، ذہنی اور فکری طور پر بھی ہمیشہ چوکنا رہنے کا مفہوم آ جاتا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو احساس دلایا کہ قدیم آبادی کسی وقت بھی جب احرام مصر کو دیکھے گی جو فراعنہ نے بنائے تھے، جب وہ اس ملک کی سرسبزی و شادابی دیکھے گی تو اس کو یاد آئے گا کہ یہاں ہماری سلطنت تھی تو تم اس سے غافل نہ رہنا پھر تم بتیس دانتوں میں ایک زبان ہو سارا براعظم افریقہ (اس وقت شمالی پٹی فتح نہیں ہوئی تھی) پڑا ہوا ہے اس میں ایک مصر ہی ایسا ملک ہے جو اسلام کے قبضے میں آیا ہے گویا اس وسیع براعظم میں اسلام کو محفوظ رکھنا مشکوک ہے مسلمانوں کو آزاد مسلم ممالک میں بھی ہمیشہ اس وصیت پر عمل کرنا چاہئے اور اپنے اندر مرابطہ کیفیت

پیدا کرنی چاہئے اور قائم رکھنی چاہئے کہ وہ ان سب چیزوں سے بچیں جو غفلت پیدا کرنے والی ہیں جو دشمن کو موقع دینے والی ہیں۔

یاد رکھئے! فتنے صرف خارجی نہیں ہوتے، داخلی بھی ہوتے ہیں اور داخلی فتنے بعض اوقات خارجی فتنوں سے زیادہ خطرناک اور دوررس نتائج رکھتے ہیں۔ مثلاً آپس کا اختلاف آپ سب کو معلوم ہے کہ اسپین کا ملک جو مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلا وہ کسی خارجی حملہ سے نہیں نکلا اس لئے کہ تاریخ میں فرانس کا حملہ کرنا یا اس کے ہمسایہ ممالک جرمنی وغیرہ کے حملہ کا کہیں ذکر نہیں آتا مسلمان اندر سے خود سمٹنے اور بکھرنے لگے تھے لیکن حجازیوں، یمنیوں، عدنانیوں اور قحطانیوں کی آویزش چچا اور بھتیجے کے تخت وتاج کے لئے نبردآزمائی اصل فتنہ تھا اس کے علاوہ ایک اور فتنہ جو اندلس کے زوال کا باعث ہوا وہ یہ کہ انہوں نے ساری توجہ تعمیرات اور فنون لطیفہ پر مرکوز کر دی، الزہراء اور قلعہ الحمرا کی زیب وزینت اور نفاست خواب وخیال کی باتیں معلوم ہوتی ہیں اس طرح شاعری پر اور ادبی موشگافیوں پر اپنی طاقت مرکوز کردی۔ خود وہاں کی آبادی کو اسلام سے مانوس کرنے کا کام اور اس کو اسلام کے دائرہ میں لانے کا کام نہیں کیا۔ اس کی علاوہ ہمسایہ ممالک یعنی شمال کی طرف بڑھنے کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوئی۔ وہ اپنی سلطنت کو مستحکم کرتے رہے اور اس حقیقت کو بھول گئے جو حضرت عمرو بن عاصؓ کے اس مختصر جملے میں نظر آتی ہے کہ تمہارے چاروں طرف غیر اسلام کا سمندر پھیلا ہوا ہے اس لئے تمہیں اطمینان نہیں کرنا چاہئے کہ یہ سمندر میں ایک چھوٹا سا جزیرہ محفوظ رہے گا اور یہاں اس کی موجیں نہیں پہنچیں گی انہوں نے شمال کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کی جب ان پر دباؤ پڑا تو جنوب کی طرف ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ ابنائے جبل الطارق تک پہنچ گئے اور وہاں سے ایک جھٹکے میں وہ مغرب اقصیٰ (مراکش) پہنچ گئے۔

اندرونی کمزوریاں جب کسی ملک میں پیدا ہو جاتی ہیں تو اس کو گھن کی طرح کھاتی ہیں جیسے دیمک برگد یا رولی کے درخت کو چاٹ جاتی ہے، وہ کھڑے رہتے ہیں اور دور سے نظر آتے ہیں پوری پوری باراتیں ان کی نیچے ٹھہرتی ہیں لیکن دیمک ان کو اندر اندر

سے چاٹ چکی ہوتی ہے اس کے نتیجے میں ہوا کے ایک جھونکے سے یہ کوہ پیکر درخت زمین پر آجاتے ہیں حضرت عمرو بن عاصؓ کی یہ وصیت سارے مسلم ممالک کو چھوٹے ملکوں کو بھی بڑے ملکوں کو بھی یہاں تک کہ بلاد مقدسہ جزیرۃ العرب کو بھی حرز جان بنائی چاہئے کہ "انتم فی رباط دائم" تمہاری پہرہ داری اور تمہاری بیداری کی کوئی حد و نہایت نہیں، تم کبھی اس سے فارغ البال نہ ہونا، کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ ع

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

حقیقت میں امت اسلامیہ کے لئے چھٹی ہے ہی نہیں، امت اسلامیہ کے سپرد جو کام کیا گیا اس کی جو مشکلات ہیں اس میں چھٹی کا کوئی جواز ہی نہیں کوئی یہ سمجھے کہ ہم چھٹی پر ہیں تو یہ سمجھنا صحیح ہی نہیں چھٹی کا ایک تو وقت ہوتا ہے اور ایک ذہن ہوتا ہے چھٹی والی ذہنیت فراغت سے زیادہ خطرناک ہے یعنی یہ تخیل کہ ہم پر اس وقت کوئی بڑی ذمہ داری نہیں ہے، ہم اس وقت کسی ایسے نازک مقام پر کھڑے ہوئے نہیں ہیں یہ چھٹی منانے، اپنے کو چھٹی پر سمجھنے کی ذہنیت زیادہ خطرناک ہے یہاں تک کہ اگر کوئی مہم میں مشغول ہے لیکن سمجھ رہا ہے کہ یہ محض خانہ پوری ہے، اس کام کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے تو یہ رویہ سخت مضر ہے تاریخ میں آپ دیکھیں گے کہ جہاں اسلام کا زوال ہوا ہے وہاں یہ ذہنیت پیدا ہوئی ہے یعنی راحت پسندی، آرام طلبی اور محنت سے فائدہ اٹھانے کا مزاج یعنی محنت ہو چکی اب محنت سے فائدہ اٹھانے کا وقت آیا ہے صحابہ کرامؓ میں آخر تک یہ بات پیدا نہیں ہوئی تھی ہر وقت وہ تیار رہتے تھے جب ان کو محاذ پر بلایا جائے گا چلے جائیں گے اور وہاں بھی رہ کر وہ محتاط اور بیدار زندگی گذارتے تھے یہ بعد کی چیز ہے کہ مسلمان قومیں کس طرح مطمئن ہو گئیں اس کو قرآن مجید اخلاد کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ "اخلد الی الارض واتبع هواه" کہ زمین سے لگ گیا، وہ اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑے یہ ذہنیت مسلم اقوام کے لئے سخت خطرناک ہے ہم نے کام کر لیا بس آرام کرنے کی ضرورت ہے اپنی محنت سے فائدہ اٹھانے کا وقت ہے بچوں اور بچیوں کی شادیاں ایسے

طریقے سے کرو کہ لوگوں پر ثابت ہو کہ خدا نے ہم کو بہت کچھ دیا ہے، پوری عمر محنت کرنے کی نہیں ہوتی، اب آرام کا وقت آیا ہے یہ امت اسلامیہ اور کسی ایسے ملک کے حق میں جو بیرونی اور اندرونی خطرات سے ہر وقت دو چار ہو سم قاتل ہے، اس کے لئے خودکشی کے مترادف ہے۔

حضرات! میں دیکھ رہا ہوں کہ بے پردگی یہاں بہت عام ہے۔ ہندوستان کے مقابلہ میں پاکستان میں زیادہ بے پردگی ہے شادیوں میں اسراف بہت زیادہ ہے معیار اتنا بلند ہو گیا ہے اور شادی کے سلسلہ میں اتنی مشکلات پیدا کر دی گئی ہیں کہ اس سے بہت سی اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئی ہوں گی۔ دولت کا بے جا خرچ اپنی عظمت یا اہمیت کا اظہار، معیار زندگی کی روز افزوں ترقی، ضروریات کی فہرست میں مسلسل اضافہ اور ان کو ضرورت و شرط زندگی سمجھ لینا یہی وہ خرابیاں ہیں جنہوں نے ایرانی و رومی تمدن کو عذاب جان بنا دیا تھا فرش بہار کی تفصیل مولانا شبلی نعمانی'' کی ''الفاروق'' یا مولانا عبدالحلیم شرر کی'' تاریخ اسلام'' پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں الف لیلہ کی کہانی ہے یہ سب چیزیں تمدن کی غیر معتدل ترقی کا نتیجہ ہوتی ہے جو اسلامی اصولوں سے آزاد ہو جائے آپ دیکھیں گے کہ زیادہ تر قوموں کا زوال ان کی تمدن کی خرابی سے ہوا ہے آپ لیکی کی ''تاریخ اخلاق یورپ'' (History of Europeon Morals) کا مطالعہ کریں آپ دیکھیں گے کہ روم کا تمدن کتنا مسخ ہو گیا تھا، کتنا غیر فطری ہو گیا تھا اس سے بچنے کی بڑی کوشش کی ضرورت ہے۔

آپ حضرات اللہ کے فضل سے اپنا اپنا حلقہ رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں عملی مثالوں کی سب سے پہلی ضرورت ہے اور ان عملی نمونوں کے اظہار کی ضرور ہے۔

''اِنْ تُبْدُو الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ.''

(اگر تم خیرات علانیہ طریقہ پر دو تو وہ خوب ہی ہے اور اگر پوشیدہ اور اہل حاجت کو عطا کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔

لوگوں کے سامنے یہ مثالیں آنی چاہئیں، فلاں بڑے آدمی نے اپنے بیٹے کی شادی ایسی سادگی سے کی، ہمارے یہاں ہندوستان میں ایسی مثالیں ہیں، تقریبات میں طریقہ سنت اور اسوہ صحابہ کو زندہ کرنا چاہئے۔

حضرات! میں سمجھتا ہوں کہ رمضان المبارک کی پوری راتوں کا جاگنا آسان ہے، اور اس میں بڑی لذت ہے، لیکن ایسی کوئی مثال قائم کرنا اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ آپ روزے رکھوا لیجئے، آپ شب بیداری کروا لیجئے، آپ ہر سال حج کروا لیجئے، ایسے بہت سے بھائی ہیں جو ہر سال حج کو جاتے ہیں، لیکن اگر ان سے یہ کہا جائے کہ ایک لڑکے کی شادی آپ شریعت کے مطابق کر لیجئے، تو نہیں کریں گے۔ یہ کیا ہے؟ یہ نفس کی ایک لذت اور ذائقہ ہے۔ امام غزالیؒ نے جو بڑے حکیم تھے لکھا ہے کہ ایک صاحب اپنے شیخ کے پاس گئے، جن کے وہ معتقد تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت! میرا حج کا ارادہ ہے شیخ جانتے تھے کہ وہ حج کا فرض ادا کر چکے ہیں، انہوں نے کہا حج کو کیوں جا رہے ہو؟ کیا نیت ہے، کیا مقصد ہے؟ انہوں نے کہا ثواب کی نیت ہے۔ شیخ نے کہا کہ اگر ثواب کا دوسرا راستہ تمہیں بتاؤں تو قبول کرو گے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ثواب ہی مقصود ہے شیخ نے کہا دیکھو کئی لڑکیاں ایسی بیٹھی ہوئیں جن کی شادیاں اس لئے نہیں ہو رہی ہیں کہ ان کے ماں باپ کے پاس کچھ نہیں ہے تم نے حج کے لئے جو رقم معین کی ہے اس میں سے کچھ ان کو دے دو کئی آدمی ایسے ہیں جو اتنے مقروض ہیں کہ غیرت کے مارے گھر سے نہیں نکلتے تم ان کا قرض ادا کر دو کئی مریض ایسے ہیں جن کے پاس دوا علاج کے لئے پیسے نہیں ہیں تم ان کو کچھ رقم دے دو تھوڑی دیر وہ ٹھہرے کہنے لگے حضرت حج ہی کا بڑا شوق ہو رہا ہے حکیم اور ماہر نفسیات شیخ نے فرمایا کہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ سیاحی کا شوق ہے ہوا خوری کو جی چاہ رہا ہے اس زمانے میں کئی ملکوں میں گذر کر جانا پڑتا ہے یہاں یہ چیز خریدی وہاں وہ چیز خریدی پورا قافلہ ہے اور بڑی دلچسپی سے وقت گذر رہا ہے یہ وقت آسان ہے آپ عبادت کروا لیجئے ذکر کروا لیجئے نفلی حج کروا لیجئے لیکن اگر یہ کہئے کہ سنت کے مطابق کوئی ایسا کام کیجئے کہ جس سے سب کی نگاہیں اٹھ جائیں اور وہ آپ کی تقلید

کریں تو گریز کیا جاتا ہے تو لوگ یہ نہ کہیں کہ شاید اس کے پاس پیسہ نہیں رہا کہ اس لئے یہ ایسا کررہے ہیں معاشرے کو ان چیزوں کی ضروزت ہوتی ہے معاشرہ بڑی اہم چیز ہے حکومتیں بھی جس زمین پر قائم ہوتی ہیں وہ زمین معاشرہ کی زمین ہے اسلامی اخلاق اور اسلامی زندگی کی زمین ہے جب اسلامی معاشرہ نہیں تو پھر کسی چیز کا اعتبار نہیں۔

میرے بھائیو اور دوستو !آپ " انتم فی رباط دائم" کو دستورالعمل بنالیں۔آپ ایک اہم محاذ پر کھڑے ہوئے ہیں کہ آپ کو ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے پلک جھپکی اور میدان کا نقشہ بدل دیا اس لئے پلک جھپکنے اور سوجانے کی کوئی گنجائش نہیں یہاں متعدد شخصیتیں ایسی موجود ہیں جو اللہ کے فضل سے ملک کی ممتاز ترین شخصیتیں ہیں صف اول کے لوگ ہیں وہ بدعات جو عبادات میں شامل ہوگئیں ہیں۔ان کے خلاف اللہ کے فصل سے بہت کام ہوا ہے ہورہا ہے اور ہوتا رہے گا، میں اس کی ضرورت کا انکار اور اس کی اہمیت کی تحقیر نہیں کرتا بغیر اس کے کم کئے ہمارے معاشرے میں جو بدعات ہیں، جو مغربی بدعات یا ہندوانہ اثرات شامل ہوگئے ہیں ان کو ختم کرنے کی کوشش کریں اس کے لئے خطبات، تنظیمی دورے، صحافتی مہم، ریڈیو اور ابلاغ عامہ کے ذریعہ سب استعمال کئے جائیں اور امید ہے کہ اس میں ذمہ دار حلقے بھی آپ کی مدد کریں گے۔پورے ملک میں معلوم ہوا کہ ایک عظیم تحریک چلی ہے ایک زبردست مہم جاری ہے یہ کام سال دوسال چارسال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت کے لئے جاری رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے اور میں بھی کسی درجہ میں اس کے اجر میں شامل ہوجاؤں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لسانی، نسلی وعلاقائی جاہلیت کا المیہ اور اس سے سبق

یہ تقریر ۲۳ مئی ۱۹۷۲ء کو مسلم اسٹوڈینٹس ایسوسی ایشن کلکتہ ہندوستان (M.S.A) کے ایک عظیم جلسہ میں اس موقع پر کی گئی جب ایک عظیم خطہ زمین، بلکہ ایک ایسا ملک جو اپنی دینداری، دین کے لئے سرفروشی اور رقت وگرم جوشی کے لئے مشہور تھا اور جہاں مسلمان کھلی اکثریت میں تھے لسانی، علاقائی، اور تہذیبی عصبیت کے فتنہ کا شکار ہوا۔ اور محض زبان تہذیب ومعاشرت کے فرق اور علاقہ کے اختلاف کی بنیاد پر، مسلمانوں نے مسلمانوں کی جان لی۔ اور ایسا بہیمانہ ووحشیانہ سلوک کیا جس کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسلمان کی گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔

جلسہ میں طلبہ کے علاوہ اساتذہ اور شہر کے تعلیم یافتہ مسلمان بڑی تعداد میں شریک تھے۔ جلسہ امجدیہ ہال زکریا اسٹریٹ کلکتہ ہندوستان میں ہوا تھا۔ تقریر ٹیپ کر لی گئی تھی۔ مقرر نے اس کو سامنے رکھ کر اور ان نکات کی مدد سے جو اس زبان اور برجستہ تقریر میں آئے۔ ذیل کا مضمون قریب کیا جس کا اصل ڈھانچہ مذکورہ بالا تقریر ہے۔ ایک تقریر میں شہر میں مقرر کے سامنے نوٹس بھی نہیں تھے اور ایک تحریر میں جو فرق ہو سکتا ہے وہ اس مضمون میں موجود ہے اب اسی طرح کے مماثل واقعات پیش آنے کی موقع پر محض مسلم ممالک رونما ہوئے یہ تقریر شائع کی جارہی ہے۔

ان فی ذٰلک لذکریٰ لا ولی الالباب

انسان تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے:

حضرات! اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بیش بہا نعمتیں دی ہیں ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ وہ اپنے تجربوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اگر اس کو راستہ چلتے ٹھوکر لگ جاتی ہے تو وہ

جھک کر دیکھتا ہے کہ اس کو کس چیز سے ٹھوکر لگی وہ راستے کے اس پتھر کو ہٹا دیتا ہے، یا اس سے بچ کر چلتا ہے، اور اگر کسی راستہ میں ایسے ہی پتھر پڑے ہوئے ہیں یا پیچ وخم ہیں تو وہ دوسرا صاف، سیدھا اور ہموار راستہ اختیار کرتا ہے۔ اس سے جب کوئی شدید غلطی ہوتی ہے یا کسی معاملہ میں اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے تو وہ اس کے اسباب وعلل پر غور کرتا ہے اس ناکامی کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آئندہ ایسی غلطیوں سے بچنے کی جدوجہد کرتا ہے جن کی وجہ سے اس کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اسباب ونتائج کا یہ تجزیہ (ANALYSIS) انسان کی وہ فطری صلاحیت اور خداداد عطیہ ہے جس سے جانور عام طور سے محروم ہیں اور جس کی وجہ سے انسان اعلیٰ مراتب کمال تک پہنچا۔ اور انسانی تہذیب وتمدن اور علوم وفنون نے اتنی ترقی کی۔ انسان کی تعریف یہ نہیں کہ وہ غلطی نہیں کرتا، غلطی کرنا تو اس کی سرشت اور خمیر میں داخل ہے اور آدم کی میراث ہے تعریف یہ ہے کہ وہ غلطی کا اعتراف کرتا ہے اس پر نادم ہوتا ہے اس کی تلافی کرتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور بعض اوقات اپنی ایک لغزش اور غلطی پر اس کو ایسی ندامت ہوتی ہے کہ اس سے وہ میدان ترقی میں ہزاروں لاکھوں میل کی مسافت آن کی آن میں طے کر لیتا ہے اور اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں غلطی اور توبہ کے بغیر وہ برسوں میں بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور اس کی اس ترقی اور پرواز پر معصوم فرشتوں کو بھی رشک آنے لگتا ہے۔ نسل انسانی کے مورث اعلیٰ حضرت آدمؑ سے بھی غلط ہوئی تھی۔ لیکن انہوں نے اس غلطی پر اصرار نہیں کیا بلکہ ان الفاظ میں اس پر ندامت کا اظہار کیا کہ رحمت الٰہی کے دریا میں ایک تلاطم برپا ہو گیا اور ان کو محبوبیت کا وہ مقام حاصل ہو گیا جو شاید اس لغزش سے پہلے حاصل نہ تھا۔ انہوں نے کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ O (سورۃ الاعراف: ۲۳)

(ترجمہ) ''اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا، اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔''

ان کو اس توبہ اور ندامت سے جو ترقی ہوئی اس کا قرآن مجید نے خود اعلان فرمایا ہے:

وَعَصیٰٓ اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَویٰ ○ ثُمَّ اجْتَبَاہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ وَھَدٰی ○

(طٰہٰ ۱۲۱، ۱۲۲)

(ترجمہ) ''اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا تو وہ بے راہ ہو گئے پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا اور ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔''

لیکن شیطان کا معاملہ اس کے برعکس تھا، اس نے اپنی غلطی اور نافرمانی پر اصرار کیا اور اپنے عمل کی صحت اور جواز کے لئے دلائل دیئے:

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ ○ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ ○

(سورۃ الاعراف: ۱۲)

(ترجمہ) اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے، اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔

بہت سی انسانی کامیابیوں کا سہرا غلطیوں کے سر ہے

حضرات! انسانی ترقیات اور تہذیب وتمدن کی وسعت اور ارتقاء میں غلطیوں کا حصہ صحیح اقدامات اور راست روی سے شاید کم نہیں، بلکہ بعض انسانی فتوحات اور کامیابیوں کا سہرا انہیں غلطیوں کے سر ہے، اس طرح انسانی تاریخ جس طرح انسانوں کے صحیح فیصلوں، اور صحیح عمل کی مرہون منت ہے، اسی طرح غلطیوں، لغزشوں اور نادانیوں کی بھی، اور اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے آپ کو تاریخ میں بہت سی مثالیں ملیں گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جزیرہ نمائے سینا میں صحیح سلامت پہنچنا، اور فرعون کے لشکر کا بحر احمر میں غرق ہونا، حضرت موسیٰؑ کے رات کے اندھیرے میں راستہ بھول جانے کا نتیجہ تھا، نئی دنیا (امریکہ) کی دریافت کولمبس کی غلطی، اور غلط فہمی کا نتیجہ تھا، جو ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا، وعلی ھذا القیاس،

غلطیوں کا احساس نہ کرنا صحیح الفطرت انسان کا شیوہ نہیں

اپنی غلطیوں کا احساس نہ کرنا، اور اپنے تجربوں اور ناکامیوں سے فائدہ نہ اٹھانا، غلطیوں اور ناکامیوں کے اسباب وعلل کو تلاش نہ کرنا، ایک ہی غلطی بار بار کرنا، اور ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسا جانا ایک صحیح الفطرت اور صحیح الحواس انسان کا شیوہ نہیں ہے اور مومن کو تو یہ کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا، جس کو اللہ تعالیٰ نے فراست ایمانی عطا فرمائی ہے، اور عقل وتجربے سے فائدہ اٹھانے کی سب سے زیادہ دعوت دی ہے، قرآن شریف نے گو وہ منافقین کی یہ کمزوری اور عیب بیان کیا ہے، کہ وہ واقعات اور تجربات سے بالکل فائدہ نہیں اٹھاتے، اور سال میں کئی کئی بار آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں:۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ O (سورة التوبه : ۱۲٦)

(ترجمہ) کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں، نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔

مومن کی اسی صلاحیت پر اعتماد کرتے ہوئے ایک صحیح حدیث میں یہ مضمون آیا ہے۔ لا یلدغ المؤمن من حجر مرتین، (مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار ڈسا نہیں جاتا)

لسانی وتہذیبی جاہلیت:

میرے بھائیو! ابھی چند روز کا واقعہ ہے کہ ایک قدیم اسلامی ملک، اور مسلمانوں کے خالص اکثریت والے علاقے میں جو علماء اور مشائخ اور مدارس وخانقاہوں کی سرزمین تھی، جس کے چپہ چپہ پر مسجدیں اور خانۂ خدا تھی، جس کے لئے صدیوں اولیاء کرام نے آب دیدہ، اور خون جگر بہایا، اور جس کی زمین ان کے آنسوؤں سے نم، اور جس کی فضاء ان کے نالۂ ہائے نیم شبی سے گرم تھی، زبان وتہذیب کے جنون کی ایک تیز وتند لہر اٹھی، اور دیکھتے دیکھتے صدیوں کی محنتوں پر پانی پھر گیا، مسلمان نے بے تکلف مسلمان کا گلا

کاٹا، بے گناہ انسان اس طرح مارے گئے جیسے سانپ اور بچھو مارے جاتے ہیں، اور ان پر کوئی رحم نہیں کھایا جاتا، جن لوگوں نے اس ملک میں پناہ لی تھی، ان کے لئے اب اس ملک میں کہیں پناہ نہ تھی، نہ کسی دل میں ان کے لئے رحم کا جذبہ تھا، نہ کسی آنکھ میں ان کے لئے کوئی آنسو، انسانوں کا شکار اس طرح کھیلا جارہا تھا جیسے کسی جنگل میں درندوں، پرندوں کا، اور کسی تالاب و دریا میں مچھلیوں کا کھیلا جاتا ہے، نہ شریف عورتوں کی عصمت محفوظ رہی، نہ بوڑھوں کے بڑھاپے پر ترس کھایا گیا، نہ معصوم بچوں کی چیخ پکار پر کان دھرے گئے، بھوک پیاس کا عذاب، سنگ دلی اور شقاوت کی کوئی قسم ایسی نہ تھی، جو اپنے بھائیوں کے لئے روانہ رکھی گئی ہو، زبان کی ''وثنیت'' (بت پرستی) عقیدۂ توحید پر، قوم پرستی، اور نسل پرستی اسلامی وحدت پر، اور حمیت جاہلیت اور عصبیت اخوت اسلامی پر، اس طرح غالب آ کر رہی کہ ابتدائے اسلام سے آج تک کسی خطہ زمین پر ابھی تک اس طرح غالب نہیں آئی تھی اور اسلام اور مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں کبھی اس طرح ذلیل نہیں ہوئے۔ جس طرح اس زمانہ میں۔

تہذیب کے آوازنے ترشوائے صنم اور:

مختلف زبانیں، تہذیبیں، تمدن اور طرز معیشت دنیا میں اس وقت سے ہیں، جب سے انسان ہے، انسانیت نے ہمیشہ ان کے سایہ میں آرام اٹھایا، ان کی وجہ سے زندگی کا لطف بڑھا، اور اس کے اندوختہ، اور سرمایہ میں اضافہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا یہ احسان یاددلاتے ہوئے، فرمایا ہے:۔

یَآاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ O اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ O (سورہ حجرات ۱۳)

(ترجمہ) لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے

، جو زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبر دار ہے۔

دوسری جگہ ہے:۔

وَمِنْ اٰیَاتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَاتٍ لِّلْعَالِمِیْنَ O (سورہ روم: ۱)

(ترجمہ) اور اسی کے نشانات میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، اور تمہاری زبانوں، اور رنگوں کا جدا جدا ہونا، اہل دانش کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

لیکن بنی نوع انسان کی طویل تاریخ میں جو اس قسم کے سنگین واقعات، المیوں، اور مضحکہ خیز ڈراموں سے بھری ہوئی ہے، ہم کسی ایسی جنگ سے واقف نہیں، جو صرف زبان اور کلچر کے لئے لڑی گئی ہو، عربی اپنے قوت بیان، اور لسانی تعصب میں مشہور تھے، یہاں تک کہ وہ اپنے سوا تمام لوگوں کو ''عجمی'' (گونگا) کہتے تھے، لیکن تاریخ نے کوئی ایک واقعہ ایسا ریکارڈ نہیں کیا، جس میں عرب عجم کبھی اپنی زبان کی بنیاد پر لڑے ہوں، اسلام نے تو اس تعصب کو حرام و ناجائز کہا تھا، اس کا نام ''حمیة جاهلیة'' رکھا تھا، اور اس پر سخت نکیر کی تھی، اس کی جاہلیت کی قابل نفرت یادگار، کفر و بت پرستی کا رمز، اور اللہ و رسول کے خلاف جنگ کے مرادف، اور اس کی جھنڈے کے نیچے مرنے کو حرام موت، یا جاہلی اگر غیر اسلامی موت قرار دیا تھا، لیکن جاہلیت کی تاریخ میں بھی زبان کے مسئلہ میں ہمیں کسی ایسے معرکہ کا ذکر نہیں ملتا۔

یہ درحقیقت یورپ، اور اس کی انتہا پسندانہ قوم پرستی کا فیض ہے، جس نے زبان اور کلچر کو یہ ''مقدس'' لباس عطا کیا ہے، اور اس کو ایک ایسا بت بنا دیا ہے جس کے لئے انسانوں کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے، اور خون بہایا جاتا ہے، اس کے نتیجہ میں اکثر ملکوں میں پرانی تہذیب کے احیاء کا شوق، زبان کا تعصب اور اس کے لئے مر مٹنے کا جذبہ پیدا ہوا، اور لوگوں کو زبان کی ایک نئی صلیبی جنگ (CRUSADES) یا ''جاہلیت'' (PAGANISM) کا سامنا کرنا پڑا، جس کا تجربہ اب تک نہ ہوا تھا، یورپ کا یہ پروپیگنڈہ جو بڑی گہرائی، اور دوربینی کے ساتھ تیار کیا گیا تھا، ان مسلم اقوام میں بھی پوری طرح پھیل گیا، جو بہت

صحیح العقیدہ ، سلیم الفطرت، اور دینی وایمانی جذبات کی حامل تھیں، اور جن سے بجا طور پر توقع تھی، بلکہ یقین تھا کہ وہ اپنے دین اسلام، اور سلامت فطرت کی وجہ سے کم از کم دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں اس لسانی وثنیت سے بہت دور رہیں گی، جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سند اور دلیل نہیں اور جس کی خدا کی میزان میں رائی کے دانہ کے برابر بھی قیمت نہیں۔

لیکن اچانک عالم اسلام، اور اسلام و وحدت اسلامی پر عقیدت رکھنے والوں کے سامنے ایک نئی صورت حال آئی، اور زبان کا یہ فتنہ ایک آتش فشاں کی طرح ایک اسلامی ملک کے قلب وجگر میں پھوٹ پڑا، یہ آفت یا قیامت جو سامنے آئی، وہ کچھ رضائے الٰہی کے لئے، یا شیطان کی سرکوبی وتذلیل کے جذبہ سے نہیں تھی، اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ اخوت اور امن واطمینان کا دور دورہ ہو، نیکیاں فروغ پائیں اور برائیاں ختم ہوں، یہ سب اس لئے ہوا کہ اس قوم کی بڑی جمعیت فرنگی شیشہ گروں، اور قومیت کے انتہا پسند پرستاروں کے ہاتھ میں کھیلنے لگی اور وہ ایک خطرناک سازش کا شکار ہوگئی۔

اسلام کی ساکھ کو زبردست نقصان:

حضرات! اس انسانی قتل عام، خون مسلم کی ارزانی، اور جانی ومالی نقصان پر بھی جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں، لیکن ان واقعات کا سب سے زیادہ شرمناک پہلو یہ ہے کہ اس سے مخالفین کو اسلام کی ناکامی کے ثبوت کے لئے ایک دلیل ہاتھ آئی، اور انہوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام میں رابطہ بننے، اور مختلف قوموں، اور نسلوں کو (جن کی زبانیں اور رنگ ونسل مختلف ہیں) متحد کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، نیز یہ کہ اسلامی عقیدہ پر کسی معاشرے، اور کسی ریاست (STATE) کے قائم ہونے، اور اگر قائم ہوجائے تو باقی رہنے کا امکان نہیں، یہ وہ معنوی خسارہ ہے جس کا کوئی خسارہ مقابلہ نہیں کرسکتا آپ ہندوستان کے عظیم ترین تجارتی مرکز میں رہتے ہیں، جانتے ہیں کہ ایک تاجر کے یہاں نفع نقصان، بازار کے اتار چڑھاؤ، اور تجارتی مدوجزر کی کوئی اہمیت نہیں، اس کا اصل

سرمایہ اس کی ساکھ اور اس کا اعتبار ہے، اسی وجہ سے کسی فرم کا (Trade mark) بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور وہ ہزاروں، لاکھوں روپوں میں خریدا جاتا ہے، حالیہ واقعات نے اسلام کی ساکھ کو بڑا نقصان پہنچایا اور اسلام کی تبلیغ کرنے والوں، اور اس کو دنیا کی سب سے بڑی قوت جامعہ (UNIATINGFORCE) کے طور پر پیش کرنے والوں کے لئے بڑی مشکلات پیدا کر دیں، اور ایک طرح سے پچھلی تاریخ کو بھی جس پر ہر مسلمان کو فخر ہے، بہت سے لوگوں کی نگاہ میں مشکوک بنا دیا، جس میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے عرب وعجم، گورے کالے، قرشی وحبشی، ایشیائی وافریقی، فقیر وغنی، اور محمود وایاز کو ایک صف میں کھڑا کر دیا تھا، ہمارے نزدیک تو یہ تاریخ ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، اور ساری دنیا نے ہمیشہ اسلام کی اس کامیابی پر حیرت واستعجاب کا اظہار کیا ہے، لیکن اب ہم کس منہ سے کہیں کہ اسلام اپنے پیرووں میں ایسی وحدت، اور الفت پیدا کرتا ہے کہ وہ زبان اور رنگ کے اختلاف کو بالکل بھول جاتے ہیں، اور جسم واحد اور ملت واحدہ بن جاتے ہیں، یہ وہ افسوسناک پہلو ہے جس پر افسوس کرنے کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں، اور جس پر خون کے آنسو رونا بھی کافی نہیں۔

بیماری کے جراثیم:

میرے بھائیو! ہم نے مانا کہ جو کچھ ہوا وہ سیاسی شاطروں کا ایک کھیل تھا، اور چند فتنہ پرداز، اور ناخدا ترس جماعتوں کی بازی گری جس کا یہ سادہ لوح، اور سادہ دل قوم شکار ہوگئی لیکن ایک پوری کی پوری قوم اور ملک کا ان سیاسی بازی گروں کے مقاصد کا اس آسانی سے آلۂ کار بن جانا، اور اس سیلاب میں تنکے کی طرح بہہ جانا، اور توحید وشرک، اسلام وجاہلیت، تعمیر وتخریب، اور عقل وجذباتیت میں فرق نہ کرنا محض اتفاقی واقعہ، اور قائدین کی ذہانت وصلاحیت، اور عوام کی سادگی اور جہالت کا نتیجہ نہیں، کسی ملک اور کسی دور میں کوئی تحریک اس وقت تک کامیابی نہیں ہوتی، جب تک قوم میں اس کے قبول کرنے کی صلاحیت اور آمادگی نہ پائی جاتی ہو، اور اس کی بنیادیں اس کے قلب ودماغ

میں پہلے سے موجود نہ ہوں، اگر قوم اس تحریک کے لئے پہلے سے تیار نہیں ہوتی، تو یہ آندھی اٹھتی ہے اور نکل جاتی ہے، سیلاب آتا ہے اور گذر جاتا ہے، اعصابی دورہ (ہسٹیریا) بھی ایک عارضی کیفیت ہوتی ہے وہ زیادہ دیر قائم نہیں رہتی، لیکن ان حالات و واقعات کا اتنے دن تک قائم رہنا، اور ان کی عمومیت و وسعت بتاتی ہے کہ ملک میں پہلے سے اس بیماری کے جراثیم موجود تھے، اور اس قوم کی اسلامی تعلیم و تربیت میں ضرور کچھ ایسی خامیاں رہ گئیں جن کی وجہ سے یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

صحیح دینی شعور کی کمی:

دوستو! میرے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ اس قوم میں صحیح دینی شعور کی کمی تھی، قلب کے ساتھ دماغ کا مومن ہونا بھی ضروری ہے، تنہا اسلام کی محبت کافی نہیں، اس کے ساتھ خلاف اسلام فلسفوں، اور دعوتوں کی نفرت بھی لازمی ہے بلکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر طاغوت اور شیطان، اور جاہلیت کے داعیوں سے بغاوت اور بیزاری کا ایمان باللہ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۝ (سورہ بقرہ: ۲۵۶)

(ترجمہ) پس جو کوئی سرکش کا انکار کر کے، اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

خود کلمہ میں نفی کو اثبات پر مقدم رکھا گیا ہے، اور "الا اللہ" سے پہلے "لا الہ" کہلوایا گیا ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی، اور ایک مسلمان اس وقت تک حقیقی ایمان کا ذائقہ شناس نہیں ہو سکتا جب تک اس کو کفر اور مظاہر کفر سے وحشت اور دہشت نہ پیدا ہو، صحیح بخاری میں ہے۔

ثلاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الايمان اَن يكونَ اللهُ ورسولُه اَحَبَّ اِلَيهِ مِمَّا سواهُما، وَان يحبَّ المرأ لا يُحبه اِلا لِلّٰه، وَاَنْ يكرهَ أنْ يعودَ فِي الكُفرِ بعدَ اِذْ اَنقذَهُ اللّٰهُ مِنه' كما يكرهُ انْ يُلقىٰ

فی النّار ۔ (صحیحین)

(ترجمہ) تین باتیں جس میں ہوں گی، وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرلے گا ایک یہ کہ اللہ اور رسول اس کو ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ کسی انسان سے اس کو محض اللہ کے لئے محبت ہو، تیسرے یہ کہ اس کو کفر کی طرف واپس جانے کے تصور سے جب کہ اللہ نے اس کو اس سے نجات دے دی، ایسی وحشت اور نفرت ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے کے خیال سے ہوتی ہے۔

جاہلیت کی صحیح معرفت ضروری ہے:

مسلمان کو اسلام کے خلاف کرنے اور دشمنوں کا آلۂ کار بننے سے ایسی وحشت ہونی چاہئے کہ اگر خواب میں بھی کوئی واقعہ ایسا دیکھے تو اس کے منہ سے چیخ نکل جائے اور وہ توبہ اور استغفار کرے جاہلیت سے صرف جذباتی نفرت ہی کافی نہیں، مسلمان کے لئے جاہلیت کی صحیح معرفت ضروری ہے، وہ کبھی اس کے بارے میں دھوکہ نہ کھائے اگر جاہلیت غلاف کعبہ اوڑھ کر، اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر آئے جب بھی وہ لاحول پڑھے، اور اس سے پناہ مانگے، وہ کسی بھیس میں اس کے سامنے آئے تو وہ اس کو پہچان جائے اور اس کو مخاطب کر کے کہے۔

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدرت رامی شناسم

شیطان کی حکمت عملی:

شیطان کی حکمت عملی، اور جنگی سیاست (STRATEGY) یہ ہے کہ وہ مسلمان میں جو کمزور پہلو دیکھتا ہے۔ وہ اسی طرف سے حملہ آور ہوتا ہے، وہ ہر طبقہ اور ہر فرد پر ایک ہی طریقہ، اور ایک ہی ہتھیار نہیں آزماتا، وہ دینداروں اور عابدوں کو عوام کے درجہ کے فسق و فجور کی ترغیب نہیں دیتا، کہ اس میں اس کو کامیابی کی امید نہیں، وہ ان کو ریا، تکبر، خود پسندی، حُبّ جاہ، اور حسد جیسے امراض میں مبتلا کرنے کی کوشش [illegible] می سربلندی،

حکومت واقتدار کی ہوس، اور دوسروں کے بجائے اپنے ملک کے وسائل کا خود استعمال کرنا، اور اپنے اوپر خود حکومت کرنا، اور اپنی زبان اور کلچر کو فروغ دینا ہر قیمت پر اپنے ملک کا بول بالا کرنا، یہ وہ خوشنما اور دل فریب مقاصد، اور یہ وہ دلکش اور شیریں خواب ہیں جن کے بڑے بڑے اہل علم، اور بعض اوقات بڑے بڑے دیندار بھی فریفتہ ہو جاتے ہیں۔

عربوں کی فریب خوردگی، اور اس کی سزا:

شیطان نے عربوں کو یہی سبز باغ دکھایا، ان سے کہا کہ قرآن مجید تمہاری زبان میں نازل ہوا، اللہ کا رسول تم میں مبعوث ہوا، خانہ کعبہ اور تمام عالم کا قبلہ تمہاری سرزمین میں ہے، حرم، اور رسول کی آخری آرام گاہ تمہارے ملک میں ہے تم قرآن وحدیث اور اسلام کے اسرار وحقائق کو جیسا سمجھ سکتے ہو، دنیا میں کونسی قوم ایسا سمجھ سکتی ہے پھر اس سب کے باوجود خلافت کا مرکز تم سے ہزاروں میل دور، سمندر پر قسطنطنیہ میں ہو، اور ترک تم پر حکومت کریں جن کی نہ زبان عربی، اور نہ نسل عربی، یہ منطق ایسی تھی کہ بہت سے عربوں نے جن کو اقتدار کی تمنا تھی، اور وہ عرصہ سے ایک عرب ایمپائر کا خواب دیکھ رہے تھے، نیز ان کو ترکوں سے بہت سی شکایتیں تھیں، اور ان کے احساس برتری اور حاکمانہ رویے سے نالاں تھے، ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، اور وہ برطانوی شاطروں کے مقاصد کا آلۂ کار بن گئے، شریف مکہ نے مرکز اسلام میں بیٹھ کر اور شام وعراق کے عربوں نے اپنے اپنے ملکوں میں اتحادیوں کا ساتھ دیا اور ان کے منصوبہ کی تکمیل میں معاون بن گئے، ترکوں کو شکست ہوئی، خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا، ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو گیا، وہ حصار جس کے اندر مسلمان عزت کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے، منہدم ہو گیا، مغربی طاقتوں کو اب کسی کا ڈر نہیں رہا، اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی انگلی ہلانے والا بھی نہیں رہا، اس کے نتیجہ میں فلسطین یہودیوں کا قومی وطن (NATIONAL HOME) بنا، اسرائیل کی سلطنت قائم ہوئی جو عربوں کی چھاتی پر کھونٹے کی طرح قائم ہے بیت المقدس یہودیوں کے قبضہ میں چلا گیا، یہ سب اس عصبیت جاہلیہ کا کرشمہ ہے، جس کا عرب شکار ہوئے،

اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

نہ خدا ہی ملا ، نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

قرآن اور حدیث میں عصبیت جاہلیہ کی مذمت:

قرآن وحدیث کا ایک ادنیٰ طالب علم جانتا ہے، کہ کسی نسل، خون، رنگ، زبان تہذیب کی بناء پر اندھادھند حمایت اور جتھابندی، اس کی بنیاد پر محبت ونفرت، تعلق اور قطع تعلق، صلح وجنگ، وہ جاہلی عصبیت ہے، جس کی مذمت سے قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں، قرآن شریف میں ہے:۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ
(سورة الفتح: ۲۶)

(ترجمہ) جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی، اور ضد بھی جاہلیت کی۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے:۔

لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّةٍ وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلٰی عَصَبِیَّةٍ وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰی عَصَبِیَّةٍ، (ابوداؤد)

(ترجمہ) وہ شخص مسلمانوں کی جماعت میں سے نہیں جو کسی عصبیت کی دعوت دے، وہ شخص جماعت مسلمین میں سے نہیں ہے، جو کسی عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے، وہ شخص جماعت مسلمین میں سے نہیں ہے، جس کی موت عصبیت پر ہو۔

ایک مرتبہ ایک مہاجر اور ایک انصار نے اپنی اپنی قوم کی دہائی دی، اور مہاجر نے یا للمهاجرین! (اے مہاجرو) اور انصاری نے یا للانصار (اے انصاریو) کا نعرہ لگایا آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:۔ " دعوها انها منتنة " (۱) (ان جاہلی نعروں کو چھوڑو، یہ گندی اور بدبودار چیزیں ہیں) رسول اللہ ﷺ کو ان جاہلی نسبتوں، اور ان کے نام پر اپیل کرنے، اور ان کی دہائی دینے سے ایسی نفرت تھی کہ آپ نے ان سے کام

---

(۱) بخاری۔

لینے والوں کی ہر طرح سے ہمت شکنی، اور توہین و تذلیل کی ہدایت فرمائی، اور باوجود اس کے کہ آپ کسی بڑے سے بڑے دشمن کے لئے بھی کوئی درشت، اور ناملائم لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے، آپ نے سخت ترین الفاظ استعمال کرنے کی اجازت دی اور اس میں مطلق رو رعایت کرنے، اور اشارہ، کنایہ سے کام لینے سے بھی منع فرمایا۔(۱)

زبانیں باعث رحمت، یا باعث زحمت؟:

درحقیقت زبانوں کا اختلاف بالکل قدرتی، اور فطری ہے، بلکہ اس کو قرآن مجید میں خدا کی ایک نعمت، اور قدرت کی ایک نشانی کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اوپر یہ آیت گذر چکی ہے:۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ O (سورۃ الروم: ۲۲)

(ترجمہ)اور اسی کے نشانات میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، اور تمہاری زبانوں، اور رنگوں کا جدا جدا ہونا، اہل دانش کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

لیکن جب اس زبان کے معاملہ میں غلو مبالغہ کیا جاتا ہے، اور اس کی تقدیس شروع ہو جاتی ہے، اس کو معبود مسجود بنالیا جاتا ہے، تو وہ رحمت کے بجائے عذاب، تعمیر کا ذریعہ بننے کے بجائے تخریب کا ذریعہ بن جاتی ہے، اور اس کے استھان پر انسان اس طرح بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں جیسے پہلے کبھی دیویوں اور استھانوں پر انسانوں کی قربانی کی جاتی تھی، زبان اس لئے ہے کہ وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑے، اس سے نکلا ہوا ایک لفظ مردوں میں جان ڈال دے، اور محبت کے پھول برسائے، بیگانوں کو یگانہ، دور کو نزدیک اور دشمن کو دوست بنائے، اس کا کام نفرت پیدا کرنا، انگارے برسانا، بھائی کو بھائی سے جدا کرنا، نفرت کا زہر پھیلانا نہیں، اگر زبان سے یہی کام لیا جانے لگے تو اس سے گونگا اور بے زبان ہونا ہزار درجہ بہتر ہے، اور انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اگر دنیا کی سب قومیں،

(۱) ملاحظہ ہو مشکوۃ ج ۲۔ الفصل الثانی، باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔

اور قوموں کے تمام افراد گونگے پیدا ہوتے ، اور اشاروں سے باتیں کرتے تو شاید انسانیت کے حق میں یہ اس سے بہتر ہوتا کہ اپنی اپنی زبان کے غرور اور عشق میں بے گناہ انسانوں کا خون بہایا جائے ، بے زبان عورتوں اور معصوم بچوں کو خاک وخون میں لٹایا جائے اور ملک کو تباہی و بربادی کے عمیق غار میں دھکیل دیا جائے۔

انسان زبان سے زیادہ قیمتی ہے:

میرے بھائیو ! زبانیں انسانوں کے لئے بنی ہیں، انسان زبانوں کے لئے نہیں بنے ہیں، ایک انسانی جان کی قیمت زبان وادب کے پورے ذخیرے، ہزاروں ادبی شہکاروں، شعروشاعری کے ہزاروں دفتروں، اور فصاحت و بلاغت کے دریاؤں اور سمندروں سے زیادہ ہے، زبانیں پیدا ہوئیں ، اور مٹیں ، سکڑیں اور پھیلیں ، ان میں ہزاروں تبدیلیاں ہوئیں،لیکن انسان سدا سے انسان ہے،اور ہمیشہ انسان رہے گا۔

مسلمانوں کے دینی عمل اور شعور میں تناسب نہیں:

دوستو ! ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم نے دینی جذبۂ عبادت کا ذوق، اور دینی معلومات کی ترقی کی جتنی کوشش کی، اتنا شعور صحیح اور بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بہت سے اسلامی ملکوں میں عمل اور شعور میں وہ تناسب نہیں جو ہونا چاہئے ،ایک آدمی آپ کو بڑا دیندار، عابد وتہجد گذار ملے گا،لیکن اس کا دینی شعور بالکل ناپختہ اور طفلانہ ہوگا،بعض مرتبہ وہ دین کے بنیادی تقاضوں سے ناواقف نظر آئے گا،اور وہ ایسی غلطی کر بیٹھے گا، جو کسی صاحب شعور مسلمان سے حد درجہ مستبعد ہے، یہ ممکن ہے کہ وہ جاہلیت اور اسلام کا بالکل فرق نہ سمجھتا ہو،اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ کسی جاہلی دعوت اور کسی عیار و شاطر کا شکار ہو جائے اور وہ اس کو اپنے مذموم مقاصد ، اور اسلام کی بیخ کنی کے لئے استعمال کرے ہوسکتا ہے کہ وہ نیک نیتی اور سادگی کے ساتھ اس کام کو انجام دے،اور اس عمل میں اور دین کے تقاضوں میں اس کو کوئی تضاد محسوس نہ ہو،تاریخ اسلام میں اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی،اور حالیہ واقعات اس کا بہترین نمونہ ہیں،جن میں

ان مسلمانوں نے جو اپنے دینی جذبہ میں ہندوستان کی دوسری آبادی کے مقابلہ میں زیادہ نیک نام تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اثر پذیری، اور رقت کا حصۂ وافر عطا فرمایا، جو دین اور شعائر دین سے والہانہ محبت رکھتے تھے، جو وعظ کے مجالس اور دینی اجتماعات میں لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے تھے، اور پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے، بہت سے مقامات میں سیاسی شاطروں کی چالاکی کا شکار ہوگئے، اور اس خونی کھیل میں شریک ہوگئی، یا کم سے کم اس فتنہ کا اس جرأت سے مقابلہ نہیں کر سکے جس جرأت سے ایک صاحب شعور قوم کو کرنا چاہئے تھا۔

صحابہ کرامؓ کی جامع تربیت:

میرے بھائیو! لیکن صحابہ کرامؓ کا معاملہ اس سے بالکل الگ تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی مکمل اور جامع تربیت فرمائی تھی، جہاں ان کے اندر عمل کا وہ جذبہ پیدا کیا گیا تھا جس کی مثالیں دنیا کی تاریخ میں ناپید ہیں، وہاں ان کے اندر ایک ایسا شعور پیدا کر دیا گیا تھا، کہ وہ صحیح اور غلط، ظلم وعدل، اور جاہلیت واسلام میں ہر وقت امتیاز کر سکتے تھے، ان کا ذہن اتنا سلیم اور مستقیم بنا دیا گیا تھا، کہ کوئی ٹیڑھی چیز اس میں گھس نہیں سکتی تھی، جیسے کسی نلکی میں کوئی ٹیڑھی چیز ٹیڑھی ہو کر داخل نہیں ہو سکتی، اسی طرح ان کا ذہن سلیم کسی کج چیز کو قبول نہیں کرتا تھا۔

میں اس کی ایک بہت واضح اور طاقتور مثال پیش کرتا ہوں، آپ کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام کا تعلق ذات نبوی سے کیا، اور کیسا تھا؟ مختصر یہ ہے کہ توحید کے دائرہ میں رہتے ہوئے کسی انسان کو کسی انسان سے جتنی عقیدت اور تعلق ہو سکتا ہے وہ صحابہ کرام کو آپ ﷺ کی ذات مبارک سے تھا، اور جس کو فارسی کے کسی شاعر نے اس الہامی مصرعہ میں بیان کیا ہے کہ:-

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آپ کے مبارک لبوں، اور زبان سے جو چیز نکلتی ہے اس

کا منبع اور سر چشمہ وحی اور ہدایت الٰہی ہے، اور آپ کوئی بات اپنے نفس کے تقاضہ سے نہیں فرماتے تھے، ان کا ایمان تھا کہ:۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O

(سورة النجم ۳،۴)

(ترجمہ) اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں، یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔

ان خصوصیات کو سامنے رکھ کر اب یہ سنئے کہ آپ نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کی مجلس میں فرمایا۔ "اُنْصُرْ اخاک ظالماً اَوْ مَظْلُوماً" (اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہونے کی حالت میں بھی اور مظلوم ہونے کی حالت میں بھی) اس عقیدت، اور عشق کا تقاضہ جس کا اوپر ذکر ہوا یہ تھا کہ وہ اس ارشاد کو بے چون وچرا مان لیتے، اور آنکھ بند کر کے اس پر عمل کرتے، ایسے واضح الفاظ میں فرما دینے اور اہل زبان ہونے کے بعد ان کے کچھ دریافت کرنے، اور وضاحت چاہنے کا کوئی موقعہ نہ تھا، لیکن جس انداز پر ان کی اس وقت تک تربیت ہوئی تھی، ظلم کی جو مذمت وہ اس زبان مبارک سے ابھی تک سنتے آئے تھے اور ظالم کا ساتھ نہ دینے کی ان کو جس طرح تلقین کی گئی تھی، ان کو اس میں اور آج کے ارشاد میں ایک کھلا ہوا تضاد محسوس ہوا، وہ خاموش نہ رہ سکے اور انہوں نے ادب سے عرض کیا۔ "یارسولَ اللهِ هذا نصرتُه مظلوماً فكيف أنصرُه ظالماً؟" (اے خدا کے پیغمبر مظلوم ہونے کی حالت میں تو مدد کی جائے ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کی جاسکتی ہے؟) آپ نے قطعاً اس پر اپنے کسی تکدر کا اظہار نہیں فرمایا، اور نہ ان پر سرزنش کی، بلکہ نہایت بشاشت کے ساتھ اپنے اس فرمان کی تفصیل، اور اپنے اس ارشاد کی تشریح فرمائی، فرمایا! ہاں ظالم کی بھی مدد کی جاسکتی ہے، اور کرنا چاہئے، مگر اس کا طریقہ کیا ہے؟ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لو، اس کو ظلم نہ کرنے دو، (۱) اب آنکھوں پر سے پردہ اٹھ گیا تھا، اور جو گرہ پڑ گئی تھی، کھل گئی تھی۔

---

(۱) بخاری ومسلم۔

کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو:

اس شعور کی ایک دوسری مثال سنئے رسول اللہ نے ایک صحابی عبداللہ بن حذافہؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک دستہ بھیجا، جس کو سیرت وتاریخ کی اصطلاح میں (سریہ) کہتے ہیں، آپ نے ساتھ جانے والوں کو حکم دیا کہ اپنے امیر کی پوری اطاعت کرنا، ایک موقعہ پر امیر نے کسی بات کا حکم دیا، اس کی تعمیل میں ذرا تاخیر ہوئی، انہوں نے اس پر غضبناک ہوکر لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دیا، جب لکڑیاں جمع ہوگئیں، تو انہوں نے اس کو آگ دکھائی، اور ایک آلاؤ روشن ہوگیا انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس میں کود پڑو، انہوں نے انکار کردیا، انہوں نے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ نے میری بات ماننے کا حکم نہیں دیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ بے شک دیا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا ہم نے اسی آگ سے بچنے کے لئے اسلام کو قبول کیا، اور آپ کا دامن تھاما ہے، اب ہم اس میں کیسے پھاند پڑیں؟ بات ختم ہوگئی، یہ فوج جب مدینہ پہنچی تو امیر لشکر نے آپ کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا، اور اپنے ساتھیوں کی شکایت کی، آپ نے ان کے عمل کی تصویب فرمائی اور فرمایا کہ اگر یہ اس آگ میں گھس جاتے تو پھر کبھی یہ نکل نہیں سکتے تھے آپ نے فرمایا کہ " **انما الطاعة فی المعروف** " (اطاعت نیک کام ہی جائز ہے)(۱) آپ نے امت کو یہ زریں اصول دیا، جو اس کی ہر دور میں رہنمائی کرتا رہا ہے، اور جس نے بڑے نازک موقعوں پر جابر اور مستبد بادشاہوں کی اندھا دھند اطاعت، اور گمراہ کن قائدوں اور رہنماؤں کی غیر مشروط پیروی، اور رفاقت سے روکا ہے، وہ اصول یہ تھا کہ " **لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِی مَعْصِيَةِ الخَالِقِ** "(۲) (کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں خالق (خدا) کی نافرمانی ہوتی ہو، اور اس کا کوئی حکم ٹوٹتا ہو) تاریخ اسلام میں

---

(۱) بخاری ومسلم۔
(۲) حدیث صحیح (مسند احمد، مستدرک حاکم)۔

مسلمانوں نے بڑے بڑے نازک موقعوں پر اپنے دماغی توازن، اور اپنی قوت تمیز کو بر قرار رکھا، اور وہ ہر فتنہ کی آگ کا ایندھن نہیں بن سکے، ان میں ایسے ایسے جری اور ذہین مصلح، اور عالم پیدا ہوئے جنہوں نے وقت کے دھارے میں بہنے سے انکار کردیا، اور اس اصول کے ماننے سے انکار کیا کہ:۔

چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

وہ واقعات جن کی تاریخ کربلا کے میدان سے شروع ہوتی ہے، اور کسی نہ کسی شکل میں اسوقت بھی اس کی جھلک نظر آسکتی ہے، یہ سب اسی زریں اصول کا نتیجہ تھا کہ " لا طاعة لمخلوقٍ فی معصيةِ الخالقِ."

زخم کا مرہم:

عزیز نوجوانو! زخم بہت گہرا ہے، لیکن کوئی زخم نہیں جس کا مرہم نہ ہو، اور جو مندمل نہ ہوسکے، عقل اور عزم شرط ہے کھوئی ہوئی دولت کی بازیافت، اور بھٹکے ہوئے گلے، اور کھوئے ہوئے ریوڑ کو گھر لانے کی کوشش میں لگ جاؤ، زبانوں سے اگر زہر پھیلایا جاسکتا ہے، تو تریاق بھی مہیا کیا جاسکتا ہے بلکہ یہ کام پہلے کام سے زیادہ فطری اور آسان ہے کہ زبان کے لئے بھی فطرت کا منشاء اور خدا کا حکم یہی ہے کہ۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

کسی زبان کا اسلامی روح سے محروم رہنا، اور جاہلی تصورات اور عقائد کا غلام ہونا بہت بڑا خطرہ ہے

یاد رکھو کسی زبان اور لٹریچر کا اسلامی روح، اسلامی تخیلات اور تعبیرات، اسلامی حقائق، اور اصطلاحات سے نا آشنا ہونا اور دینی علوم کے خزانے سے محروم رہنا بہت بڑا خطرہ ہے، زبان کا دل و دماغ، اور روح وضمیر سے قریبی تعلق ہے جس زبان پر غیر اسلامی فکر، اور غیر اسلامی ادب کا تسلط ہو جس زبان پر غیر اسلامی چھاپ ہو، جس زبان کے

بولنے والوں کے سوچنے کا طریقہ، اور اپنے مطالب کے ادا کرنے کا انداز دوسرا ہو، جس زبان کے استعارات وتشبیہات، محاورات وتلمیحات کسی مشرکانہ تہذیب یا فلسفہ سے ماخوذ ہوں، اور وہی شخصیتیں، وہی کردار، وہی ادیب وشاعر، اسی کی مصلح اور داعی، اسی کے فلسفی اور مفکر اس کے لئے قابل تقلید اور آئیڈیل ہوں، اس کو اسلامی شخصیتوں سے اور جس فضا میں اسلام پھلا پھولا اس سے بیگانگی ہو، وہ قوم ہمیشہ ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے خطرہ میں مبتلا رہے گی، اور اس کی جاہلی عصبیت کو ہر وقت بیدار کیا جاسکے گا، نسل پرستی اور زبان پرستی کا ایک نعرہ اس کو مجنون اور ازخود رفتہ بنادینے کے لئے کافی ہے، حالیہ واقعات میں ہم نے اس کا نمونہ دیکھ لیا، اب آپ کا فرض ہے کہ آپ اس خطرہ کا سد باب کریں ان زبانوں میں مہارت پیدا کریں، ان کی زبان وادب کو نہ صرف اسلامیات سے مالا مال کر دیں، بلکہ ان کی روح اور ضمیر کو مسلمان بنائیں اور ان کا مزاج اسلامی بنانے کی کوشش کریں، ان شخصیتوں کا رب، اور ان کا ذہنی تفوق دور کرنے کی کوشش کریں جو ان کو اسلام سے دور اور مشرکانہ تخیلات سے قریب کرتی ہیں، ان میں اسلام اور جاہلیت کے درمیان امتیاز کرنے، اول الذکر سے محبت، اور آخر الذکر سے نفرت کرنے کی ایسی صلاحیت پیدا کردیں کہ آئندہ کوئی جاہلی نعرہ، اور زبان ونسل، ملک ووطن کی دہائی ان کو اسلام اور مسلمانوں سے کاٹ نہ سکے۔

ایک نئے دور کا آغاز ہوگا:

میرے بھائیو اور عزیزو! اگر توفیق الٰہی سے آپ نے یہ فرض انجام دیا تو ہماری سابقہ غلطی جس کے نتیجہ میں یہ ناشدنی واقعات پیش آئے، وہ ایک بڑی کامیابی کا پیش خیمہ بن جائے گی اور ملت اسلامیہ کے اس قیمتی خاندان کو جس میں ہزاروں کی تعداد میں علماء اور سینکڑوں کی تعداد میں اولیاء پیدا ہوئے اور جن کے اندر اب بھی اسلام سے محبت اور دین کے لئے حمیت پائی جاتی ہے، اور جن کے اسلاف نے ماضی قریب میں تیرھویں صدی کے مجاہد اعظم حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ وہ جانبازیاں، اور

سرفروشیاں دکھائیں، جنہوں نے ڈاکٹر ہنٹر جیسے نقادوں کو بھی انگشت بدنداں بنادیا، ایک جدید استحکام حاصل ہوگا، اور ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

امریکہ میں مجھے کیا ملا کیا نہیں ملا؟

[حسب ذیل تقریر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی برّد اللہ مضجعہ نے ۱۹ جون ۱۹۷۷ء کو مسلم کمیونٹی سینٹر شیکاگو (MUSLIM COMMUNITY CENTRE, CHICAGO) (امریکہ میں تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع کے سامنے کی تھی۔]

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین امابعد.

میرے بھائیو، عزیزو! مولانا رومؒ کا ایک مشہور قطعہ ہے، علامہ اقبالؒ نے اپنے مشہور فارسی دیوان ''اسرارخودی'' کا اسے سرنامہ بنایا ہے، وہ کہتے ہیں ع

دی شیخ باچراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دام ودو ملولم وانسانم آرزوست
زیں ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نسود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

مولانا رومؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ ہاتھ میں چراغ لئے کچھ تلاش کر رہے ہیں، میں نے کہا حضرت سلامت! آپ کو کس چیز کی تلاش ہے؟ انہوں نے کہا کہ ''میں جانوروں اور چوپایوں سے اکتا گیا ہوں مجھے انسان کی تلاش ہے، میں انسان کی آرزو اور اس کی تلاش میں نکلا ہوں میرے گرد انسانوں کی جو بھیڑ ہے، اس سے میری طبیعت مکدر ہوگئی ہے، اور میرا پیمانہ، صبر لبریز ہوگیا ہے، میں ایک شیر خدا ایک

رستم زماں کی تلاش میں ہوں، میں نے کہا حضرت! آپ عنقا کی تلاش میں نکلے ہیں، آپ اطمینان رکھیں یہ ہاتھ آنے والا نہیں، انہوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا کہ میاں! یہی تو میری بیماری ہے کہ جو چیز نایاب ہوتی ہے، میں اسی کی آرزو رکھتا ہوں۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں M.S.A کی دعوت پر یہاں حاضر ہوا ہوں، اور میرے لئے کولمبس کے برابر تو نہیں، البتہ ایک طالب علم اور ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو مذہب پر تھوڑی بہت نظر رکھتا ہے، میرے لئے یہ ایک نئی دنیا ہے، میں M.S.A کا شکر گذار ہوں کہ اس نے مجھے امریکہ کی دعوت دی اور یہی نہیں بلکہ اس کا موقعہ عنایت کیا کہ امریکہ کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی آنکھوں سے دیکھوں، لوگوں سے ملوں، اور ان سے خطاب کروں اور اسی تھوڑے وقفہ میں یہاں کے لوگوں سے جتنی واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے حاصل کروں، میں شمالی امریکہ میں نیو یارک سے کلیفورنیا تک گیا، کنیڈا کی بھی سیر کی کم از کم تین چار ہزار میل کا سفر میں نے اس عرصہ میں کیا، میں آپ کے سامنے اس دورے کے اختتام پر حاضر ہوا ہوں یہ میرے دورے کی آخری منزل ہے، آپ مجھ سے اس دورے کے تاثرات سننا چاہیں گے اور آپ کا یہ تقاضا بالکل فطری ہے، ہوسکتا تھا کہ میں ایک ایسے ملک سے تعلق رکھنے والے انسان کی حیثیت سے جو ابھی بہت پسماندہ اور منزلوں نہیں بلکہ صدیوں کے حساب سے مغرب سے پیچھے ہے، آپ کے سامنے مزے لے لے کر یہاں کی ترقیات کی داستان سناتا لیکن آپ مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہیں یہ آپ کے گھر کی چیز ہے، اس لئے آپ کو اس کی ضرورت نہیں!

میرے بھائیو اور دوستو عزیزو! میں نے آپ کے سامنے مولانا رومؒ کا ایک قطعہ پڑھا ہے، جو آپ میں سے بہت سے بھائیوں اور بہنوں کے لئے خلاف توقع بات ہوگی مولانا رومؒ ایک ایسے خطہ زمین (اناطولیہ) میں رہتے تھے، جو انسانی ترقی سے بالکل ناآشنا نہیں تھا بلکہ وہ اس زمانے کی متمدن دنیا کا ایک متمدن خطہ تھا، وہ ایک ایسی جگہ کے شہری تھے، جہاں ایک عظیم سلطنت (سلجوقی) کی داغ بیل ڈالی جانے والی تھی، وہ

ایران کے شہر بلخ میں پیدا ہوئے تھے، جو اس زمانہ کا سب سے متمدن ملک تھا اور جس کو مشرق کا یونان کہنا صحیح ہوگا، جس نے شاعری، ادب، فلسفہ، میں بڑا نام پیدا کیا، اور جس نے تاریخ میں بڑے گہرے نقوش چھوڑے ہیں، لیکن انہوں نے اپنے دل کے داغ اور اپنے دل کی دھڑکن اس قطعہ میں پیش کی ہے، وہ ''حدیث دیگراں'' میں ''سر دلبراں'' کہنا چاہتے ہیں، وہ ''شیخ'' کی سرگزشت سناتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ ان کی آپ بیتی ہے، وہ کہتے ہیں، کہ اس بھرے پرے گلزار شہر میں، اس متمدن خطہ زمین میں، میں ایسا بدقسمت انسان ہوں جو انسان کی صورت دیکھنے کو ترستا ہے، مجھے یہاں سب نظر آتا ہے، لیکن انسان نظر نہیں آتا، اونچے اونچے محل، گلزار شہر، لہلہاتے باغ، آباد محلے، کھانوں کی افراط لباس کی رنگا رنگی، تہذیب وتمدن کی بوقلمونی، یہ ساری چیزیں اپنی جگہ پر ہیں، لیکن مجھے یہاں حقیقی انسان نظر نہیں آتا، یہ انسان نما انسان ہیں، لیکن حقیقی انسان نہیں ہیں۔

انہوں نے اپنے ایک دوسرے شعر میں اس کو اور کھول کر بیان کیا ہے

ایں نہ مردانند اینہا صورت اند
مردۂ نانند و کشتہ شہوت اند

یعنی تم جن کو انسان سمجھ رہے ہو، وہ انسان نہیں ہے، یہ شکم سیری و پرخوری کے مارے، اور خواہشات کے تھکے ہارے ہیں۔

مشینوں کی بہار:

حضرات! میں اگر آپ سے یہ کہوں کہ میں نے امریکہ کو تھوڑے عرصہ میں جتنا دیکھا جا سکتا تھا دیکھا، میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک گیا مجھے یہاں صرف مشینوں کی ترقی ہی نظر آئی، آپ یہاں کی جو بہار دیکھ رہے ہیں، یہ سب علم ریاضی کی، صنعت وحرفت اور ٹیکنالوجی کی بہار ہے، یہ علوم اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گئے ہیں، وہ انسان کو جو دے سکتے تھے، جو آسائش فراہم کر سکتے تھے، جو ترقی عطا کر سکتے تھے، انہوں نے عطا کر دی، انہوں نے اپنا خزانہ اگل دیا ہے۔

لیکن جہاں اس ملک میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے، جہاں کے شہر آدمیوں سے اس طرح بھرے ہوئے ہیں کہ راستہ چلنا مشکل ہے، اس انسانی جنگل میں اگر پوچھا جائے کہ حقیقی انسان کتنے ہیں، جن کے پہلو میں دھڑکنے والے دل، جن کے پاس انسانیت کے غم میں آنسو بہانے والی آنکھیں ہیں، جو انسانیت کے سوز میں جلنے والے ہیں، جو نفس پر پورا قابو رکھتے ہیں، جو اس تہذیب کے مرکب نہیں، بلکہ اس تہذیب کے راکب ہیں، جن کے دوش پر تہذیب سوار نہیں بلکہ وہ تہذیب کے دوش پر سوار ہیں، زندگی کی عنان (باگ) ان کے ہاتھ میں ہے، اور وہ عنان زندگی کے ہاتھ میں نہیں، جن کو زندگی بھگائے اور سرپٹ دوڑائے لئے نہیں جارہی ہے، بلکہ وہ زندگی پر کنٹرول رکھتے تھے، جن کے دل اس کی محبت سے معمور، اور انسانیت کے احترام سے مخمور اور چور ہیں، جن کی زندگی سادہ اور فطرت کے بالکل قریب ہے، جو حقیقی لذتوں سے آشنا ہیں، جو انسانیت کے غم میں گھل رہے ہیں، جن کو قوموں کا انتشار اور باہمی تصادم اور سیاسی رہنماؤں کی خودغرضی پسند نہیں، جو کہ کسی ملک کو مصیبت میں دیکھ نہیں سکتے، جو ہر ملک کو ترقی دینا چاہتے ہیں، اور بے غرض ان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں، جو دینے کے لئے بے چین، بے تاب، اور بے قرار ہیں، جن کا ہاتھ دینے کے لئے پھیلتا ہے نہ کہ لینے کے لئے جن کی راتوں کی نیند بدقسمت اور بدحال قوموں اور ملکوں کی پریشانیوں کے تصور سے اڑ جاتی ہے، انہوں نے زندگی کا مقصد صرف اتنا ہی نہیں سمجھا ہے کہ کھاؤ، پیو، پہنو اور عیش کی زندگی بسر کرو اور جن کا اصول زندگی یہ نہیں ہے کہ ع

بابر بعیش کوش کہ عالم دو بارہ نیست!

جو سمجھتے ہیں کہ انسان کو کھلا کر فاقہ کرنے وہ لذت وہ لطف ہے، جس پر کھانوں کی ہزار لذتیں قربان، جن کا یہ یقین ہے کہ انسانیت سے بڑھ کر کوئی شرف اور عزت واحترام کی چیز نہیں، جو ہارنے میں اپنی جیت، کھونے میں یافت سمجھتے ہیں، جو اپنے ملک کی تعمیر میں منہمک نہیں، بلکہ انسانیت کی تعمیر کے خواب دیکھتے ہیں، جو ساری دنیا کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں، اقوام متحدہ (United nation) کے وقتی اور نمائشی اسٹیج پر نہیں بلکہ انسانی

وحدت کے حقیقی اور فطری اسٹیج پر...... ایسے انسان جو اپنی زندگی کے آغاز وانجام سے آشناء بھی ہیں، اور اس کی طرف متوجہ بھی ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کوئی پیدا کرنے والا ہے، اور ہم حشرات الارض کی طرح کھا کر زندگی گذار کر مٹی نہیں ہو جائیں گے بلکہ ہمیں کہیں جانا ہے اور خدا نے جو عظیم صلاحیتیں ہمیں عطا کی ہیں، ان کا حساب دینا ہے، وہ صلاحیتیں جنھوں نے جمادات میں جان ڈال دی ہے، جنھوں نے آسمانوں کی پنہائیاں مسخر کر لی ہیں، جنھوں نے زمین کی طنابیں کھینچ لی ہیں، جنھوں نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر لیا ہے، جو اپنی کوششوں، ذہانتوں اور محنتوں کی بدولت چاند پر پہنچ گیا ہے، جو اس نکتہ سے واقف ہوں کہ انسان کا کمال اس میں نہیں کہ جمادات میں جان ڈال دے اور جمادات کے ذریعہ کائنات کو مسخر کرے بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے میں جان ڈالے، خدا نے انسان کا پتلا پیدا کیا تھا، اور خلافت کا تاج اس کی سر پر رکھا تھا، اس لئے انسان کی ترقی یہ نہیں ہے کہ جمادات کا غلام بن جائے، بلکہ انسان کی ترقی یہ ہے کہ وہ جمادات کو اپنا غلام بنالے نہیں نہیں! اپنا غلام نہ بنائے بلکہ خدا کا غلام بنائے، وہ خدا کا منشا پورا کرنے کا ان سے کام لے اس کا نام خلافت الٰہی ہے۔

قفس زریں کے اسیر:

وہ انسان جو ملکوں پر حکومت قائم کرنا، اپنی بالا دستی ثابت کرنا اور سب کو اپنے سامنے جھکا لینا اپنی معراج نہیں سمجھتے بلکہ وہ انسانیت کی بے لوث خدمت کرنا چاہتے ہیں، اور دنیا کے کسی ملک کی کسی انسانی جماعت کا کسی دوسرے ملک اور کسی انسانی گروہ کا غلام بن جانا کسی وقت گوارا نہیں کر سکتے، وہ ان اقوام کی انسانیت کو نفس کی غلامی سے، خواہشات کی غلامی سے، طاقت کی غلامی سے، دولت کی غلامی سے، سرمایہ کی غلامی سے، حد یہ ہے کہ علم وعقل کی بھی غلامی سے نکالنا چاہتے ہیں۔

عرب کے اس بدو نے جس کے دماغ کو اسلام نے آسمان پر پہنچا دیا تھا، ایران کے سپہ سالار اعظم رستم سے کہا تھا، ''الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد

الی عبادۃ اللہ ومن ضیق الدنیا لی سعتھا" الخ (اللہ نے ہم کو اس کام پر مقرر کیا ہے، کہ ہم ان لوگوں کو (جن کو اس نے چاہا) بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں اور دنیا کی تنگی سے نجات دے کر دنیا کی وسعت میں داخل کریں) جس رستم کا نام سن کر دلوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی، فوجیں پانی پانی ہو جاتی تھیں اس رستم کے دربار میں بدو یہ کہنے کے قابل ہوا کہ "خدا نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ انسانوں کو انسانوں کی عبادت سے نکال کر خدا کی بندگی میں داخل کریں، اور دنیا کی کالی کوٹھری اور اس پنجرہ سے جس کا تم نے "مملکت ایران" نام رکھا ہے، جس کو تم نے "ساسانی شہنشاہیت" کا نام دیا ہے، نکال کر ہم تم کو دنیا کی وسعت بے پایاں اور آزادی کی کھلی فضا سے آشنا کریں، ہمیں اپنے حال زار پر رحم نہیں آیا، بلکہ تمہارے حال زار پر رحم آیا ہے، ہمیں تمہاری زبوں حالی پر جذبۂ ترحم صحرائے عرب سے نکال کر لایا ہے، اے بدقسمت ایرانیو! ہم تم کو اس قفس زریں سے جس میں تم بلبل کی طرح گرفتار ہو اور چہچہار ہے ہو، اور ہنس ہنس کر دل بہلا رہے ہو، خدا کی لامحدود فضا میں لانا چاہتے ہیں، تم اپنی عادتوں کے غلام ہو، تم تفریح کا سامان کرنے والوں کے غلام ہو، تم اپنے گویوں کے غلام ہو، تم اپنے باورچیوں کے غلام ہو، تم اپنے پانی پلانے والوں کے غلام ہو، ہم صرف خدا کے غلام ہیں، ہم اس لئے آئے ہیں کہ تم کو ان غلامیوں سے جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے، اور کمپیوٹر بھی ان کی میزان جوڑ کر نہیں بتا سکتا کمپیوٹر اندر کی دنیا سے واقف نہیں وہ باہر کی چیزوں کو گن لے گا، لیکن جب ریشہ ریشہ غلام ہو، جب ذرہ ذرہ غلام ہو، جب غلامی اس کا مزاج بن گئی ہو، جب غلامی اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی ہو، جب غلامی کے بغیر اس کا جینا مشکل ہو، جب غلامی سے اس کو عشق ہو گیا ہو، جب غلامی اس کو آزادی سے بہتر معلوم ہو [illegible] اس غلامی کا حساب کون کمپیوٹر کر سکتا ہے! عرب کے اس بدو نے کہا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ تم کو ان غلامیوں سے جن کی تعداد خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ان ہزار ہا [illegible] سے نکال کر تم کو ایک حریت میں لائیں۔

نور ایک ہے اور ظلمتیں بے شمار:

محترم حضرات! حریت ایک ہے، اور غلامی بے شمار، نور ایک ہے، اور ظلمتیں بے شمار، اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں بھی ذکر ہے، نور واحد آیا ہے "اللّٰہ ولیُّ الّذین اٰمنوا یُخرِجُھُم مّن الظُّلمات الی النُّورِ" (اللہ ایمان والوں کا کار ساز ہے، ان کو تاریکیوں سے نکال کر "نور" کی طرف کرتا ہے۔) کیا عربی زبان میں نور کی جمع نہیں آتی؟ کیا قرآن مجید کا دامن تنگ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ نور ایک ہے، اور ظلمتیں بے شمار، نور کا سرچشمہ ایک ہے، اور وہ خدا کی معرفت ہے، وہاں سے نور کا فیضان نہ ہو تو پھر ہدایت کا کوئی اور ذریعہ نہیں، آج ہم اس ملک کو دیکھ رہے ہیں، اور اقبال کا یہ شعر یاد کرتے ہیں، اقبال یہاں نہیں آئے لیکن ان کا مغربی تہذیب کا مطالعہ ہم سے اور آپ سے زیادہ گہرا تھا، انہوں نے کہا کہ

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات
جو قوم کہ فیضان سماوی سے ہے محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

یعنی "مغرب" ایسا بحر ظلمات ہے، جہاں آب حیات کا وجود نہیں، ایک پرانی کہاوت چلی آرہی ہے کہ بحر ظلمات میں آب حیات پایا جاتا ہے، مشہور ہے کہ سکندر نے خضر کو اپنا رہبر بنایا کہا کہ مجھے بحر ظلمات میں آب حیات کے کنارے کھڑا کر دو، خضر نے بھی ہار مانی اور کہا کہ ہم نہیں پہنچا سکتے اسی کو اقبال مرحوم کہتے ہیں کہ یہ عالم ظلمات تو ہے لیکن اس میں چشمہ حیواں نہیں، جو قوم فیضان سماوی سے محروم ہو جائے، نبوت کا دامن جس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے، جو اپنے علم و عقل پر تکیہ کر لے، جس کی ساری ذہانتیں جمادات پر صرف ہوں، لوہے پر صرف ہوں، فولاد پر صرف ہوں، اور آلات پر صرف ہوں جو عالم انفس کے بجائے عالم آفاق کو اپنی محنتوں، ذہانتوں اور کاوشوں کا میدان

بنائے اس کا انجام کیا ہے، جمادات مسخر ہوتے ہیں، لیکن خود اس کا نفس مسخر نہیں ہوتا، کائنات مسخر ہوتی ہے روح کائنات مسخر نہیں ہوتی، مغرب نے مادیات کو اپنی ترقی کا میدان بنایا اس نے مادی ترقی کو اپنی زندگی کا مقصد اعلیٰ قرار دیا۔ اس میں خدا نے جیسا کہ اس کی سنت جاریہ ہے کہ آدمی اپنے لئے عمل اور کوشش کا جو میدان انتخاب کرے گا وہ اس کی اس میں پوری پوری مدد کرے گا، انسان جس میدان میں بڑھنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بڑھنے کا پورا موقعہ دیتا ہے، اب سارا مسئلہ میدان کے انتخاب کا ہے۔

عیسائیت یورپ کے لئے ناموزوں:

حضرات! آپ لوگوں میں سے جن کی مغرب کی تاریخ اور یہاں کے تمدن کے ارتقاء کی تاریخ پر نظر ہے اور جنہوں نے ڈریپر کی کتاب ''معرکۂ مذہب و سائنس'' (CONFLICT BETWEEN SCIENCE AND RELIGION) کا مطالعہ کیا ہے، جنہوں نے کلیسا اور ریاست کی آویزش اور مذہب و سائنس کی خونریز جنگ کی داستاں پڑھی ہے، ان کو معلوم ہے کہ جب اس ملک نے مسیحیت کا انتخاب کیا اور مسیحی داعیوں اور مبلغوں کی قربانیوں اور کوشش سے مسیحیت اس خطہ زمین میں پہنچ گئی، اس کے بعد خود بخود ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مغرب نے اپنی کوششوں کا میدان مادیات کو بنالیا، اس لئے کہ مذہب کو وہ اپنی کوششوں کا میدان نہیں بنا سکتا تھا، مذہب مسیحی علم و عقل سے فائدہ اٹھانے اور زندگی کی تنظیم و ترقی میں اس کی ہمت افزائی نہیں کرتا تھا، عیسائی مذہب اس کو پیچھے لے جانا چاہتا تھا، اور اس خطہ زمین کے اقوام کی فطرت بے چین و بے تاب تھی وہ ان کو آگے لے جانا چاہتی تھی، قدرت کے مضمرات اور ترقی کے امکانات ان کے سامنے آرہے تھے، یورپ کی قوموں کے درمیان جو مسابقت اور ریس جاری تھی، وہ ان کو اس پر آمادہ کر رہی تھی کہ ایک ایک قطرہ اس رگ تاک (انگور کی شاخ) کا نچوڑ لیں، اور اس مٹی سے گل کھلائیں، جمادات کو بولتا ہوا بنادیں، دنیا میں جو انقلاب آرہا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ اپنی کوششوں، اپنی ذہانتوں کا ایسا میدان منتخب کرے جس میں ان کا کوئی حریف

نہ ہو، وہ ایک وسیع میدان ہو جس میں قدم قدم پر اس کو بائبل کی پابندی اور ارباب کلیسا سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز، اس ملک کی یہ بدقسمتی تھی بلکہ ساری انسانیت کی بدقسمتی تھی کہ اس کے حصہ میں عیسائیت آئی۔

جو شخص مذاہب کی تاریخ سے واقف ہے، اگر اس سے پوچھا جائے کہ یورپ کے مزاج اور مغرب کی افتادِ طبع سے سب سے زیادہ بیر رکھنے والا مذہب کون ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب ایک ہوگا کہ عیسائیت! اور اگر پوچھا جائے کہ اس کی بے چین طبیعت کو آسودہ کرنے والا، اس کو صحیح رخ پر لگانے والا، اس کے اندر اعتدال پیدا کرنے والا، وسائل و مقاصد کو ہم آہنگ بنانے والا اور ان کے رشتے سے انسانیت کا ایک نیا منصوبہ بنانے والا، انسانیت کو ایک نیا خون عطا کرنے والا اور پوری انسانیت کو صحیح راہ پر لگانے والا مذہب کون ہو سکتا ہے؟ تو انصاف پسند آدمی صرف ایک ہی جواب دے گا کہ وہ ہے۔ ''اسلام''۔

عیسائیت کے نزدیک انسان پیدائشی گنہگار ہے، اس کے سر پر پیدائشی گناہ کا بھاری بوجھ ہے، اس کا سر دبا جا رہا ہے، گردن جھکی جا رہی ہے، پیدائشی گناہ کا اعتقاد رکھنا، بہ حیثیت ایک عیسائی کے اس کا فرض ہے، وہ اپنے اوپر کیسے اعتماد کر سکتا ہے؟ جو گناہ میں آلودہ ہے، جو اپنے پیدائشی گناہ گار ہونے کی وجہ سے شرمسار ہے وہ کائنات سے کیسے آنکھیں ملا سکتا ہے، وہ فطرت کی طاقتوں کو زمین سے کیسے ابھار سکتا ہے، کیسے سمندروں کا سینہ چاک کر سکتا ہے، اور سیاروں پر پہنچنے کا خواب دیکھ سکتا ہے۔

جب ایک انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ جنم کا گنہگار ہے، گناہ اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے، وہ ایک خارجی کفارہ کا محتاج ہے، جو اس کی طرف سے ادا کیا جائے، تو وہ فطرت کے فتوحات انکشافات و تحقیقات کا سفر جرأت و فخر کے ساتھ کیسے کر سکتا ہے، یہ اتنا بڑا تضاد تھا جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، جیسے ایک گاڑی میں دو گھوڑے جوت دیئے جائیں ایک پیچھے کی طرف اور ایک آگے کی طرف، یورپ کا یہی حال ہوا اس میں دو بیل یا دو گھوڑے جوتے گئے یہاں کی آب و ہوا اور فضا کا اثر ہے کہ طبیعت آگے بڑھنے اور کچھ کرنے کے لئے بے چین تھی، لیکن عیسائیت کا جو گھوڑا جتا ہوا تھا وہ پیچھے کی طرف لے جا رہا تھا، وہ رہبانیت

کے طرف لے جارہا تھا، اہل کلیسا صاف صاف کہتے تھے کہ انسان کی روحانی ترقی زندگی سے فرار میں ہے، انسان اگر روحانی ترقی چاہتا ہے تو اس کو پہاڑوں میں رہنا چاہئے، کلیسا کے لئے زندگی وقف کر دینا چاہئے، اس کو ازدواجی زندگی سے ناطہ بالکل توڑ دینا چاہئے اس کو عورت کا منہ نہیں دیکھنا چاہئے آپ لیکی کی تاریخ "اخلاق یورپ" پڑھیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اس وقت کا مغربی عورت کے سایہ حتیٰ کہ ماں کے سایہ سے بھاگتا تھا، اس سے بڑھ کر شقاوت کی کوئی مثال ہو سکتی ہے کہ ماں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے آتی ہے کہ اپنے لخت جگر کو ایک نظر دیکھ لے اور جس وقت اس لخت جگر کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری ماں ایک ہزار میل سے سفر کر کے مجھے دیکھنے آئی ہے، تو وہ اس طرح بھاگتا ہے، جس طرح انسان بھوت پریت سے بھاگتا ہے، اور وہ ماں رو کر تڑپ کر واپس چلی جاتی ہے، یہ وہ عیسائیت تھی جو یورپ اور امریکہ کے حصہ میں آئی، نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ اور امریکہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر ہمیں ترقی کرنا ہے تو پہلے کلیسا کی غلامی سے آزادی حاصل کرنا چاہئے اور مذہب سے بھی چھٹی لینی چاہئے، غرض انہوں نے مذہب کو خیرباد کہا اور اس سے نجات حاصل کی، عالم اسلام کا زوال اس وقت سے شروع ہوا، جب اس نے مذہب کو چھوڑ دیا اور یورپ کی ترقی اس وقت سے شروع ہوئی، جب اس نے عیسائیت کو جواب دیا اور اس کو دور سے سلام کیا اس کے برعکس عالم اسلام میں زوال کی تاریخ اس وقت سے شروع ہوتی ہے، جب اس نے اسلامی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ دیا۔

مشینوں کا غلام:

بھائیو اور عزیزو! اس صورت حال نے آج امریکہ کو مشینوں کا غلام بنا دیا، آج امریکہ کی حکومت ساری دنیا میں مانی جاتی ہے، امریکہ کا ہاتھ ساری دنیا کی سیاسیات میں کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، اس بارے میں کسی ملک کو مستثنیٰ نہیں کر سکتے آج کوئی ملک خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی امریکہ کی کسی نہ کسی طرح کی غلامی میں اسیر ہے، یہاں منصوبے بنتے ہیں، اور ہمارے ملک اور ہمارے وطن میں جاری کئے جاتے ہیں اور ہمارے ہی

لیڈر ہمارے ہی قائد و رہنما ان منصوبوں کو کامیاب بناتے ہیں، آج امریکہ نے ساری دنیا کو غلام بنالیا ہے لیکن امریکہ خود مشینوں کا غلام ہے آج امریکہ خود اپنے اس نظام زندگی کا غلام ہے، اس فساد کا غلام ہے، (LIVING STANDARD) معیار زندگی کا غلام ہے، اپنی ان مشینوں اور آلات کا غلام ہے، جن کے بغیر وہ زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتا یہاں جو چیز ہمیں سب سے زیادہ عنقا نظر آتی ہے وہ ہے حقیقی انسان جس کے دل میں ایک زندہ اور بیدار دل ہو، کوئی مشین نہ ہو، انسان اس طرح مشینی زندگی میں ڈھل گیا ہے کہ اب اس کے تصورات بھی مشینی بن گئے ہیں، اس کے احساسات بھی مشینی بن گئے ہیں، اس میں جمادات کا اثر آ گیا ہے، لوہے کا اثر آ گیا، اس میں رقت نہیں، گداز نہیں اس میں لچک نہیں، آنکھوں میں نمی نہیں اور دل میں گداز و نرمی نہیں، یہ ہے وہ حقیقت جو میں نے امریکہ میں دیکھی۔

اپنی شخصیت تحلیل نہ ہونے دیں:

قبل اس کے کہ میں امریکہ کی سرزمین کو خیر باد کہوں میں آپ سے یہ بات کہتا ہوں کہ آپ اس تہذیب سے مرعوب نہ ہوں آپ جس درخت کے پھل ہیں، وہ نبوت کا درخت ہے، آپ یہاں رہیں لیکن آپ تہذیب کے غلام نہ بنیں، آپ شوق سے یہاں فائدہ اٹھائیں لیکن آپ اس مادیت سے مرعوب نہ ہوں، آپ اپنا پیغام یاد رکھیں آپ اپنی شخصیت کو تحلیل نہ ہونے دیں، آپ اس تہذیب کا کلمہ نہ پڑھنے لگیں آپ اپنے کو، اپنے دین کو، اپنے نظام زندگی کو، اپنی معاشرت کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم حیوان ہیں، اور یہ انسان ہیں نہیں آپ انسان ہیں، اور یہ حیوان یہ خطہ بجلی کی روشنی سے جگمگا رہا ہے، یہاں رات بھی دن ہے، لیکن حقیقی روشنی، اور رحمت و برکت اور ہدایت اس کی تجلی سے یکسر محروم ہے، اقبال نے سچ کہا ہے

تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے
یہ وادیٔ ایمن نہیں شایانِ تجلی

اپنے تراشے ہوئے بتوں کے غلام:

حضرات! یہ اپنی عادتوں کے غلام ہیں، یہ اپنے بنائے ہوئے اور ڈھالے ہوئے آلات کے غلام ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے اپنے زمانہ کے بت پرستوں سے کہا تھا، "أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ" یہ کیا تماشہ ہے کہ آج جس چیز کو بناتے ہو کل اسی کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہو، یہی حال یہاں کا بھی ہے، آج ایک معیار بنتا ہے، ایک اصول بنتا ہے، ایک مشین بنتی ہے، اور کل سارا ملک اس کا غلام ہو جاتا ہے، اپنے ہی بنائے ہوئے، اپنے ہی ڈھالے ہوئے، اپنے ہی تراشے ہوئے بتوں کے غلام۔

آذر کدہ میں ابراہیمؑ کی نیابت:

یہ ملک ایک وسیع آذر کدہ ہے جس میں ابراہیمی اذان کی ضرورت ہے، اور ابراہیمی اذان سنانے والے آپ ہی ہو سکتے ہیں، آپ ہیں ابراہیم کے اصلی نام لیوا، یہود نہیں ہیں، اس راستہ سے وہ دور ہو چکے، عیسائی نہیں ہیں، وہ حضرت مسیح کے بجائے سینٹ پال کی عیسائیت کی راہ پر چل رہے ہیں، وہ اصلی عیسائیت سے بالکل تہی دست ہو چکے، یہ ایک بہت بڑی سازش تھی جو کامیاب ہوئی، شاید مذہبی سازشوں میں کوئی سازش اتنی کامیاب ہوئی ہو اس نے پوری مسیحیت کو مسیح کی لائی ہوئی مسیحیت سے ہٹا کر سینٹ پال کی مسیحیت پر ڈال دیا، آج مسیحیت خواہ کوئی کیتھولک ہو یا پروٹسٹنٹ وہ سینٹ پال کی مسیحیت ہے، سینٹ پال نے جس مسیحیت کی تشکیل کی تھی، آج یہ سب اس کے غلام ہیں، اس لئے عیسائی حضرت ابراہیمؑ کے جانشین نہیں، آپ ابراہیمؑ کے جانشین ہیں اور اقبال کے الفاظ ہیں کہوں گا ؏

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز!
از خوابِ گراں! خواب گراں! خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز!

آپ معمار حرم ہیں، آپ کو نئی دنیا کی تعمیر کرنی چاہئے اور صرف معمار حرم کو یہ حق

حاصل ہے کہ نئی دنیا کی تعمیر کرے، آج دنیا میں تخریب کارگر ہے، وہ دیکھنے میں تعمیر ہے حقیقت میں تخریب، آپ جس پیغام کے حامل ہیں، آپ جس کتاب آسمانی کے حامل ہیں، آپ جس نبی کے امتی ہیں، اس نبی کا ہی یہ منصب تھا کہ دنیا کو تمام غلامیوں سے نجات دے کر خدائے واحد کی غلامی میں داخل کرے، اس لئے آپ امریکہ میں ایک کھانے پینے والے انسان ہندوستانی، پاکستانی، مصری اور شامی کی حیثیت سے نہیں ہیں

بتان رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

آپ مصری اور شامی نہیں ہیں ...... آپ مسلمان ہیں، آپ امت مسلمہ ہیں، آپ ابراہیمی ومحمدی ﷺ ہیں، اس لئے آپ اپنی حقیقت کو پہچانیں آپ اس لئے نہیں آئے ہیں کہ اس مشین میں ایک حقیر پرزے کی طرح فٹ ہوجائیں، اور اپنا وجود ختم کرلیں، آپ اپنا پیٹ بھر لیں، جس طرح جانور پیٹ بھرتے ہیں، نہیں بلکہ آپ اس ملک کے باشندوں کو پیغام دیں، ان کو جگائیں، ان کو جھنجھوڑیں کہ تم زندگی کے غلط راستے پر پڑ گئے ہو، ...... زندگی کا کون سا لطف تم کو حاصل ہے؟

زندگی کے حقیقی رُخ سے تم روشناس ہوئے ہی نہیں، جب ان کے اندر یہ احساس بیدار ہوتا ہے، تو یہ دوسرے راستے پر چل پڑتے ہیں، یہ ہپی ازم کی طرف چلے جاتے ہیں، یہ خودکشی کی طرف چلے جاتے ہیں، یہ زندگی سے فرار کی طرف چلے جاتے ہیں، یہ ہندو جوگ کی طرف چلے جاتے ہیں، یہ سنیاس کی طرف چلے جاتے ہیں، آپ کبھی الہ آباد آئیں، وہاں کمبھ کا بڑا میلہ ہوتا ہے، آپ دیکھیں گے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے امریکی جانوروں، دیوانوں کی طرح پھر رہے ہیں، وہ وہاں قیام کرتے ہیں وہ وہاں جا کر سادھو اور پروہتوں کے پاس بیٹھتے ہیں، جس طرح آدمی کو تخمہ ہوجاتا ہے، ان کو تمدن کا تخمہ ہوگیا ہے، تمدن کی شراب انہوں نے اتنی پی لی ہے کہ اب وہ قے کر رہے ہیں، حیوانیت کی طرف رجوع اور خدا کی نعمتوں سے انکار اور کائنات سے رشتہ توڑ لینے اور زندگی سے فرار سے تسکین حاصل کر رہے ہیں، کاش ہمارے اسلامی ملک اس قابل ہوتے کہ ان

امریکیوں کو وہ صحیح راستہ دکھا سکتے ہیں، ان امریکیوں سے بلندی سے بات کر سکتے تو آج اس کی نوبت نہ آتی، لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارا ایک ملک بھی اس قابل نہیں ہے کہ امریکیوں سے آنکھیں ملا کر بات کرے اور ان کو صحیح راستہ دکھا سکے، نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے اس تمدن سے نفرت کرتے ہیں ان میں ردعمل پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کی تسکین کے لئے ہندوستان کے ہمالیہ کی چوٹیوں پر جاتے ہیں، یہ نیپال جاتے ہیں، وہاں نشہ لانے والی چیزیں استعمال کرتے ہیں، وہ بھنگ اور چرس کے لئے وہاں جاتے ہیں، اگر آج ہم مسلمان اس قابل ہوتے تو ہم ان کو صحیح راستہ دکھا سکتے۔

کہاں ہیں مسلمان؟:

میرے بھائیو اور بہنو! آپ یہاں صرف اس لئے نہیں ہیں کہ کمائیں اور کھائیں یہ کام تو دنیا کی ہر قوم کر سکتی ہے، اور ہمارے بہت سے ہم وطن یہ خدمت ہم سے بہتر انجام دے سکتے ہیں، آپ یہاں اس لئے ہیں کہ بقدر ضرورت کھائیں اور کمائیں اپنے منصب کو پہنچائیں اور ایک نئی زندگی کا نمونہ ان کو دکھائیں، اذانیں دیں تا کہ ان کے دماغوں کو چوٹ لگے، نمازیں پڑھیں تا کہ وہ آنکھوں کے راستہ سے غور کرنے پر مجبور ہوں پاک وصاف رہیں تا کہ ان کو آلودہ زندگی سے نفرت پیدا ہو، اعتدال سے زندگی گذاریں تا کہ ان کو اپنی بے اعتدالی کا احساس ہو مشینوں کی غلامی سے آزاد ہو کر سکون کی زندگی بسر کریں تا کہ ان کو معلوم ہو کہ سکون کہاں ملتا ہے، اپنے دل کی دنیا آباد کیجئے آپ کے اندر وہ روحانیت ہو کہ وہ آپ کے پاس بیٹھیں تو ان کو یہ محسوس ہو کہ ان کے اندر ایک نئی طاقت آ گئی آج وہ وقت تھا کہ اہل دل اس ملک کی طرف توجہ کرتے اور ان برگشتہ انسانوں کو جو اپنی زندگی سے بیزار ہیں جو جامہ سے باہر نکلے آرہے ہیں، ان کا ہاتھ پکڑ کر کہتے کہ "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" اللہ کے ذکر میں اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

آج یہ پیغام دینے کے لئے صرف مسلمان تھے، لیکن کہاں ہیں مسلمان؟ کیا کسی

اسلامی ملک میں کسی مسلمان قوم میں یہ ہمت ہے کہ ان امریکیوں سے کہے کہ " الا بِذِکرِ اللّٰہِ تطمئنُ القُلُوبُ ؟" ان کوخود اس بات پر یقین نہیں رہا کہ ذکر الٰہی سے سکون حاصل ہوتا ہے، وہ دوسروں کو کیا پیغام دیں گے ،جن کو نمازوں کی طاقت اور افادیت کا خود یقین نہیں رہا جن کو کلمہ کی حقیقت اور صداقت پر خود یقین نہیں رہا جن کو خدا کے خیر وشر او رنفع وضرر کے مالک ہونے پر خود یقین نہیں رہا، جن کو تقدیر کے ہونے پر خود یقین نہیں رہا، جنہوں نے امریکیوں کو اپنا رازق سمجھ لیا ہے، جنہوں نے کارخانوں کو رازق سمجھ لیا ہے، وہ کیسے ان کو توحید کا پیغام دے سکتے ہیں، کیسے ان سے کہہ سکتے ہیں " لا رَازِق اِلاّ اللّٰہ " (اللہ کے سوا کوئی روزی رساں نہیں)

میرے بھائیو اور بہنو! پہلے اپنے میں ایمان پیدا کرنے کی کوشش کرو، نمازوں کی پابندی کرو، تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے قلب کی دنیا آباد کرو، وہ حرارت پیدا کرو جس کو مشینوں کے دھوئیں نے سلب کرلیا ہے، پہلے روح کو جلا دو، اپنی زندگی کا مقصد صحیح کرو، قرآن کا مطالعہ کرو، سیرت نبوی ﷺ کو مطالعہ میں رکھو، اس سے روشنی حاصل کرو، اس کے بعد ان امریکیوں کو دین فطرت کا پیغام دو۔

صرف اسلام ہی دین فطرت ہے:

میرے بھائیو اور بہنو ! صرف اسلام ہی دین فطرت ہے، جو فطرت کی ہمت شکنی نہیں کرتا جو فطرت کا گلا نہیں گھونٹتا، بلکہ کہتا ہے فطرت فطرتاً صالح ہے، " فِطْرَةَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا " (وہ انسان کی فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے) اللہ تعالیٰ نے انسان کو سادہ تختی دی، معصوم فطرت دی تھی، خیر کا رجحان دیا تھا، ہم نے اس کو آلودہ کر دیا انسان فطرتاً صالح ہے، اور صلاحیت پسند ہے، وہ اگر اپنی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ سیدھے راستے کی طرف چلے گا پہلے آپ ان حقائق کا شعور پیدا کریں، پہلے آپ ان حقائق کو پیدا کریں، دماغ سے بھی اور دل سے بھی اور اس کے بعد ان حقائق کو ان کے سامنے پیش کریں، آپ امت دعوت ہیں، آپ امت رسالت

ہیں، آپ بامقصد قوم ہیں، حامل پیغام قوم ہیں، آپ کھانے کمانے والا جانور نہیں ہیں کہ اپنا پیٹ بھر لے اور اپنی نسل کو آگے بڑھائے۔

انسان کی دریافت کیجئے:

میں نے آپ کے سامنے اپنے دل...... کا ایک تاثیر رکھ دیا، میں نے امریکہ میں سب کچھ دیکھا لیکن انسان نہیں دیکھا، انسان ملے تو آپ ہی لوگوں میں ملے اس لئے نہیں کہ میں امریکہ اور امریکہ والوں سے ناواقف ہوں میں نے ان کو ان کے لٹریچر میں دیکھا ہے، میں نے ان کو ان کے ٹی۔وی پر دیکھا ہے، میں نے ان کو ان کے ریڈیو میں سنا ہے، میں ان سے بیگانہ نہیں، لیکن وہ انسان جو خلیفة الله ہے، وہ انسان جس کے لئے ساری کائنات پیدا کی گئی ہے، وہ انسان جس کے سینہ میں وہ دل ہے جو ساری دنیا سے زیادہ قیمتی ہے، ساری دنیا کے خزانے ایک طرف سائنس کی ساری ترقیاں ایک طرف اور وہ دل جو ایک صاحب دل کا دل ہے، ایک طرف اس دل کے سامنے ساری کائنات ہیچ ہے۔

اس انسان کی دریافت کیجئے، اس انسانیت کو اپنے اندر بیدار کیجئے، تو آپ کا یہاں رہنا برحق ہے، آپ کا یہاں رہنا جائز ہی نہیں بلکہ عبادت ہے، اور ایک بڑی تبلیغ اور دعوت ہے، اور اگر یہ نہیں تو بھائیو! سن لیجئے مجھے پھر بہت ڈر ہے، میں نے کئی جگہ کہا کہ اگر آپ نے اپنی دینی زندگی، اور اپنے بچوں اور بچیوں کے دینی تعلیم کا پورا انتظام نہیں کیا اور اپنے بچوں اور بچیوں کی جانب سے ایمان اور دین اسلام پر قائم رہنے کے سلسلہ میں اطمینان حاصل نہیں کیا تو آپ کا اس ملک میں رہنا معصیت ہے، اور آپ ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا. (النساء ۹۷)

(ترجمہ) جن لوگوں کی روح قبض کرتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرر ہے ہوتے ہیں ان سے کہتے ہیں کہ تم نے اپنا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں ہمارا اس ملک پر کچھ زور نہیں چلتا، فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ کیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم کسی دوسرے ملک ہجرت کر جاتے۔

ہمیں ایسی ہی جگہ رہنا جائز ہے، جہاں آدمی پوری خصوصیات کے ساتھ رہ سکے، جہاں فرائض ادا کر سکے، اگر ماحول میں اس کی گنجائش نہیں، یا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس ماحول میں اپنے دینی فرائض ادا نہیں کرسکیں گے تو ہمارا یہاں رہنا جائز نہیں، اس لئے آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے مسلمان رہنے کا بھی انتظام کریں تاکہ پوری خصوصیات کے ساتھ یہاں رہیں، اپنا ماحول بنائیں، اپنا معاشرہ تیار کریں، اور اپنے بعد اپنے بچوں کے لئے بھی یہ اطمینان حاصل کرلیں کہ اپنے بعد یہ مسلمان رہیں گے، جیسا کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کے متعلق اطمینان حاصل کرلیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، " اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْۢ بَعْدِىْ، قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ الخ" حضرت یعقوب نے دنیا سے جانے سے پہلے اپنے بچوں کو، اپنے پوتوں کو جمع کیا اور کہا میرے جگر کے ٹکڑو! میرے پیارو! میں مرنے سے پہلے اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا " نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ." اس کے بعد انہیں اطمینان حاصل ہوا تو اس دنیا سے اطمینان کے ساتھ رخصت ہوئے، یہ ہم سب کا فرض ہے کہ اپنے بچوں اور بچیوں کے متعلق یہ اطمینان حاصل کریں کہ وہ اسلام پر زندہ رہیں گے یا نہیں اور اگر اس کا اطمینان نہیں ہے تو دوستو! یہاں رہنے کے قیام پر نظر ثانی کی ضرورت ہے کہ آپ یہاں اس خطرہ کو مول لے کر رہیں یا نہ رہیں۔

آپ یہاں مسلمان کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں:

حضرات! میں بہت شکر گذار و معترف ہوں M.S.A کی خدمت کا اور ان اداروں کی

خدمات کا جن کا مجھے ابھی پورے طور سے علم بھی نہیں ہوا اور ان افراد کی خدمات کا جو دین کے لئے کوشش کرتے ہیں، حلقے بناتے ہیں، لٹریچر پھیلاتے ہیں، لوگوں کو جمع کرتے ہیں، عرب ہوں یا غیر عرب وہ سب لوگ بڑے مبارک ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے عمل کو قبول فرمائے گا اور ان کے درجات بلند فرمائے گا یہ سب سے ضروری بات ہے کہ آپ اس کی طرف سے پہلی ہی فرصت میں اطمینان حاصل کرلیں کہ آپ یہاں مسلمان کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں، گھل تو نہیں جائیں گے جیسے موم پگھل جاتا ہے، شبنم گھل جاتی ہے ، اس طرح آپ تہذیب کی تمازت کے سامنے تحلیل تو نہیں ہو جائیں گے؟ اگر ایسا ہے تو آپ جہاں سے آئے تھے وہاں جائیں، چاہے آپ کو یہاں کی آمدنی اور آسائش کا چوتھائی حصہ یا اس کا پچاسواں حصہ ہی کیوں نہ ملے اور اگر خطرہ یہ نہیں ہے تو مبارک ہے، آپ کا اس ملک میں رہنا، ممکن ہے کہ آپ کے رہنے سے اس ملک میں ایک نئی روشنی آئے اور شاید آپ کے ذریعہ اسلام کا راستہ کھل جائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

امریکہ بیک وقت خوش قسمت بد قسمت ملک

[یہ تقریر ۲ جون ۱۹۷۷ء کو ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) کے ڈیوینیٹی کالج (DIVINITY COLLEGE) کے ہال میں کی گئی، اس کا انگریزی ترجمہ مزمل حسین صدیقی ندوی نے کیا، تعارفی تقریر اور اناؤنسر کے فرائض مدثر حسین صدیقی نے انجام دیئے، جلسے میں یونیورسٹی کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبہ نیز مختلف علاقوں سے آئے ہوئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی کثیر تعداد شریک تھی، جلسہ کا آغاز قاری نے جو ایک امریکی نژاد بلالی مسلمان تھے، سورۂ والتین کی تلاوت سے کیا۔]

بڑا خوش قسمت اور بڑا بد قسمت:

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادى له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و نشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و على آله و صحبه و سلم تسليما كثيرا كثيرا اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم

"لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ" (سورۃ التین آیت: ۴،۵)

(ترجمہ) دوستو اور بھائیو! میں اپنی آج کی گفتگو کا آغاز ایک ایسے مضمون سے کرنا چاہتا ہوں، جس کی طرف رہنمائی ان ہی آیتوں سے ہوئی، جو ابھی پڑھی گئیں، اس کو ایک طرح کا القاء کہئے کہ مجھے اس سے آپ سے بات کرنے کا راستہ مل گیا، میں اپنی تقریر کا آغاز ایک ایسے جملہ سے کرتا ہوں جو شاید آپ کے لئے اور بہت سے پڑھے لکھے لوگوں

کے لئے خلاف توقع اور چونکا دینے والا ہو، مغرب کا یہ خطہ جو یورپ سے امریکہ تک پھیلا ہوا ہے، یہ بڑا خوش قسمت ہے اور بڑا بدقسمت، آپ ایک ہی جملے میں اتنے بڑے تضاد کو سن کر تعجب کریں گے لیکن ابھی آپ کے سامنے جو آیات پڑھی گئی ہیں وہ خود ایک بہت بڑی حقیقت کو بیان کرتی ہیں، اور وہی واقعہ اس خطہ زمین کا ہے جس کو خدا نے دنیا کی قیادت عطا کی، بہت سے ایسے اسباب کی بنا پر جس کی تفصیل مشکل ہے، اور میں نے اپنی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" انگریزی ترجمہ ISLAM AND THE WORLD میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ مغرب کو قیادت کیسے حاصل ہوئی، جو انسان کا معاملہ ہے وہی تقریباً اس خطۂ زمین کا معاملہ ہے، ایک ہی وقت میں یہ بڑا خوش قسمت بھی ہے، اور بڑا بدقسمت بھی، اگر واقعہ اتنا ہی ہوتا کہ یہ اپنی ذات سے خوش قسمت اور بدقسمت ہوتا تو کوئی بڑی ٹریجڈی اور کوئی بڑا سانحہ نہ ہوتا، تاریخ انسانی میں ہمیں ایسی بہت سی قوموں اور ملکوں کا سراغ ملتا ہے، جو اپنی ترقی کے نقطۂ عروج پر پہنچ گئے تھے پھر اس کے بعد ان کا زوال شروع ہوا اور وہ بام ثریا سے گر کر تحت الثریٰ میں پہنچ گئے، اگر یہ ایک تنہا ملک کا معاملہ ہوتا تو ہمیں اس سے دلچسپی کی کوئی وجہ نہ تھی لیکن جب کسی ملک کو قیادت کا مقام حاصل ہوا اور وہ دنیا کے حالات پر اثر انداز ہوا اور اس کی خوش قسمتی اور بدقسمتی کسی خاص خطے تک محدود نہ ہو بلکہ اس کا اثر انسانیت اور انسانیت کی قسمت پر پڑے تو واقعہ کی سنگینی بہت بڑھ جاتی ہے۔

آپ غور کریں گے کہ میں ایک وقت ہی میں نہیں بلکہ ایک سانس میں امریکہ کو خوش قسمت بھی کہہ رہا ہوں اور بدقسمت بھی، آپ کو اس کی وجہ پوچھنے کا پورا حق حاصل ہے، سنئے خوش قسمت اس وجہ سے کہ خدا نے اس کو اپنی نعمتوں سے، مالا مال کیا، یہاں کے رہنے والوں کو ایسی قوت ارادے، ایسا جوش عمل، ایسی ذہانت، ایسا کام کرنے کا جذبہ، ایسی توانائی عطا کی کہ اس نے اس زمین کو جنت کا نمونہ بنا دیا، خدا کی قدرت کے رازوں کا انکشاف کیا، کائنات کی قوتوں کو مسخر کیا، اقبال کے الفاظ میں سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا، ستاروں کی گذرگاہوں کو دریافت کیا، اس نے اس مٹی کو سونا بنا دیا، اب یہ

زمین سونا اگلتی ہے، یہاں کی فضا سے ہن برستا ہے، اور یہاں (بائیبل کی زبان میں) دودھ اور شہد کے دریا بہتے ہیں، یہ نتیجہ ہے، ان قوموں کے جوشِ عمل کا، ان کے جذبۂ مسابقت کا، ان کی بے چین فطرت کا، اور ان کے نہ تھکنے والے نہ ہارنے والے عزم کا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس خطۂ زمین کو جو یورپ سے یہاں تک پھیلا ہوا ہے، قدرتی دولتوں سے مالا مال کیا، خدا کی نعمتوں کے بہتیرے خزانے یہاں موجود ہیں، اور پھر موجود ہی نہیں بلکہ یہاں وہ ہاتھ بھی موجود ہیں، جو ان خزانوں کو برآمد کریں اور قدرت کی دولت سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، اس لحاظ سے یہ ملک بڑا خوش قسمت ہے، اور اس نے اپنی خوش قسمتی کا سکہ صرف اس ملک کے رہنے والوں پر نہیں بلکہ ساری دنیا پر بیٹھا دیا ہے، آج ساری دنیا ان کی دریوزہ گر ہے، دنیا کی ہر قوم ان کے سامنے جھولی پھیلائے بلکہ ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے، اور بھیک مانگ رہی ہے، انہوں نے اپنی ذہانت سے، اپنے حسن تنظیم سے زندگی کو اس طرح منظم کر لیا ہے کہ ساری دنیا اس سے فیض پا رہی ہے، انہوں نے مادی اور اقتصادی طور پر اپنی افادیت اور ذہنی صلاحیت کا سکہ دنیا پر بیٹھا دیا ہے، اس لحاظ سے آپ ان کو خوش قسمت کہیں، اس میں ذرا مبالغہ نہیں، اگر ہم ہندوستان میں، مصر میں، اعراق میں، سعودی عرب میں، مشرق کے کسی ملک میں ہوتے تو اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت تھی، مگر ہم اور آپ اس وقت جہاں بیٹھے ہیں اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

"عیاں راچہ بیاں"

آپ اس کی خوش قسمتی پر جتنا رشک کریں اور اس خوش قسمتی کی جتنی داد دیں اور اس کو جتنا سراہیں سب بجا ہے، اس بارے میں، میں کسی عصبیت کو جائز نہیں سمجھتا نہ مذہبی تعصب، نہ ایشیائی تعصب، نہ قومی تعصب، نہ نسلی، یہ ایک حقیقت ہے، جو روزِ روشن کی طرح ہمارے سامنے ہے۔

لیکن اس کے باوجود یہ ملک بدقسمت ہے، یہ الفاظ میں پوری جرأت اور صفائی کے ساتھ کہہ رہا ہوں، بہت سے بھائیوں کے لئے یہ اجنبی اور نامانوس ہوں گے، لیکن یہ ایک

تاریخی حقیقت ہے، یہ واقعہ ہے کہ یہ ملک بڑا بد قسمت ہے!

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا:

اس ملک کی نہیں بلکہ انسانیت کی یہ بدقسمتی ہے کہ اس ملک نے تنہا مادی میدان میں فتوحات حاصل کیں اور اس میں ریکارڈ قائم کر دیا اس نے اس زمین کو گلزار لالہ زار بنا دیا بڑی خوشی قسمتی کی بات ہوتی اور دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی اگر اس خطہ زمین کو صحیح رہنمائی حاصل ہوتی اور اس کو دین صحیح کی نعمت ملی ہوتی، اور جس طرح اس نے مادیات کی طرف توجہ کی اخلاقیات کی طرف توجہ کرتا، اور جس طرح اس نے آفاق میں خدا کی نشانیاں دیکھی ہیں، اور " **سنریهم ایاتنا فی الا فاق**" پر عمل کیا ہے، ویسے ہی "انفس" خدا کے پیدا کئے ہوئے دل، عطا کی ہوئی روح، اور لطیف احساسات میں بھی خدا کی نشانیاں دیکھتا اور دنیا کو دکھاتا، اس کی ذہانت صرف اس پر مرکوز نہ رہتی کہ وہ قدرت کے رازہائے سربستہ فاش کرے بلکہ وہ اپنے دل اور روح کے اسرار اور انسانی دل کی گہرائیوں سے بھی واقف ہوتا اور اس کو معلوم ہوتا کہ جتنی یہ کائنات وسیع نظر آتی ہے، اور سیاروں کا اس نے جو رقبہ عجم دریافت کیا، جن جن چیزوں کا اس نے انکشاف کیا اور اب آخر میں چاند پر پہنچ کر ایک اور نئی فتح حاصل کی ہے، اگر اسی تناسب سے یا اس سے بہت کم تناسب سے وہ انسانی روح کی حقیقت کی طرف توجہ کرتا اور اسے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہوتی اور انسانی قلب کی وسعت، طاقت، حرارت، محبت اور اس کی لطافت اور معصومیت، بے لوثی اور بے غرضی کو بھی معلوم کرتا، وہ قلب کو بیدار کرنے کی کوشش کرتا اور اس کے اندر کی طاقتوں سے آشنا ہوتا اور ان سے کام لینے کی اس کو توفیق ہوتی، اس وقت اس کو معلوم ہوتا کہ یہ پوری کائنات اگر دل کے اندر ڈال دی جائے تو گم ہو جائے جس طرح ایک حقیر کنکری بحر اوقیانوس میں ڈال دی جائے اور پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی، اس کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا کہ انسان کیا ہے، اس کو جمادات حیوانات، نباتات کا مقام معلوم ہے، کیمسٹری پر، بیالوجی پر، زیالوجی پر اس نے جو محنتیں کی ہیں، اور اپنی ذہانت صرف کی

ہے، اور جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی O وَاَنَّ سَعۡیَهٗ سَوۡفَ یُرٰی O ثُمَّ یُجۡزٰىهُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰی. (النجم ۴۱،۴۰،۳۹)

(ترجمہ) انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

فرمایا۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَهٰۤؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا. (الاسراء ۲۰)

(ترجمہ) ہم ان کو اور ان کو سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش سے مالا مال کردیتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی سے رکی ہوئی نہیں۔

انسان اپنی کوشش کے لئے جو میدان بھی انتخاب کرے گا خدا کامیابی دے گا یہاں کوئی ''راشننگ'' نہیں ہے کوئی بندش نہیں ہے کہ یہاں سے آگے تم ترقی نہیں کر سکتے، قوانین قدرت اور طبعیاتی کائنات پر مغرب نے جو محنت صرف کی ہے، اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ یہ کائنات سمٹ کر رہ گئی ہے، اور انسان نے اپنے مقاصد و مفادات کے لئے اس کو مسخر کرلیا ہے، اسی طریقے سے روح، قلب اور ایمان و یقین پر اگر یہ ملک محنت کرتا اور اپنی ذہانت صرف کرتا تو اس کو انسانیت کا صحیح مقام معلوم ہوتا ایک درخت پر جب اس نے محنت کی تو اس نے درخت سے وہ برآمد کیا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، اسی طریقے سے علم الکیمیا (CHEMISTRY) طبعیات (PHYSICS) نباتات (BOTANY) پر جب اس نے محنت کی تو نئے عالم دریافت کئے، پہلے تو اس عالم کے علاوہ دوسرے عالم ماننے میں بھی لوگوں کو بہت ہی اشکال تھا، اور جو لوگ یہ کہتے تھے کہ اس دنیا کے علاوہ اور بھی دنیا میں ہیں تو کلیسا نے انہیں بڑی سخت سزائیں دیں، لیکن اب ہر چیز میں نئی نئی دنیا دریافت ہو رہی ہے، اسی طرح اگر اس کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا، اگر شرف انسانی سے یہ واقف ہوتا کہ خدا نے انسان کو کیا درجہ دیا اور اس کا کیا مقام ہے، تو

آج دنیا کی قسمت کچھ اور ہوتی، دنیا کے حالات کچھ اور ہوتے۔

مناسب ترین مذہب:

دوستو عزیزو! اس دنیا کی تاریخ میں دو واقعات ایسے پیش آئے جنھوں نے اس ملک کو اس نعمت سے محروم کر دیا، اور یہ المیہ پیش آیا، نہ صرف مغرب کے لئے بلکہ ساری دنیا کے لئے، ایک تو یہ کہ اس خطہ زمین کو عیسائیت ملی، اس میں ہم مسلمانوں کی کوتاہی کو بھی دخل ہے، ہم اس کا جتنا بھی ماتم کریں وہ بالکل حق بجانب ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس ملک کے لئے اس خطہ زمین کے لئے مناسب ترین مذہب اسلام تھا، جو انسانی قوتوں کو بیدار کرتا ہے، جو عقل انسانی کی ہمت افزائی کرتا ہے، جو عقل سے کام لینا سکھاتا ہے، وہ انسان میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے، اپنی عزت کا احساس پیدا کرتا ہے، وہ کہتا ہے۔

"لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ." (سورۃ التین)

(ترجمہ) ہم نے انسان کو بہتر اندازہ میں پیدا کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۟

(الاسراء ۷۰)

(ترجمہ) ہم نے انسان کو بڑا اعزاز بخشا، ہم نے اس کا بڑا رتبہ بلند کیا، ہم نے اس کو زمین اور آسمانی طاقتوں کا راکب بنایا، شہسوار بنایا، اور ہم نے اس کو بڑی نعمتیں عطا کیں، اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

وہ کہتا ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. (البقرۃ۔۳۰)

(ترجمہ) میں زمین میں انسان کو خلیفہ بنانے والا ہوں۔

وہ انسان کے سر پر خلافت کا تاج رکھتا ہے جو آخری چیز ہو سکتی ہے، اسلام کی بنیاد توحید پر ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ انسان "خلیفۃ اللہ" ہے، اس دنیا میں خدا کا نائب ہے،

اور پھر انسان کا مرتبہ اتنا بڑھایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے آگے انسانیت کی بلندی کا تصور نہیں ہوسکتا، چنانچہ ایک حدیث قدسی ہے کہ خدا تعالیٰ انسان سے کہے گا کہ اے انسان میں بیمار ہوا تھا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا؟ تو وہ کہے گا کہ بار خدایا! آپ کو بیماری سے کیا مطلب؟ آپ ان سب چیزوں سے بالاتر ہیں! تو ارشاد ہوگا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کے لئے جاتا تو مجھے وہیں پاتا، اے میرے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا وہ کہے گا کہ آپ کو بھوک سے کیا نسبت اور اس سے آپ کا کیا واسطہ؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا تو اگر اس کو کھلاتا تو مجھے پہنچتا۔

اے میرے بندے میں برہنہ تھا تو نے مجھے کپڑے نہیں پہنائے تو وہ کہے گا آپ کیا کہہ رہے ہیں، ارشاد ہوگا کہ میرا فلاں بندہ برہنہ تھا اگر تو اس کو کپڑے پہناتا تو مجھے پہنچتے۔

اس سے بڑھ کر انسانیت کو اعزاز نہیں بخشا جاسکتا اور اس سے بلند تصور نہیں کیا جاسکتا پھر اسلام یہ بتلاتا ہے، انسان پیدائشی طور پر بے گناہ ہے، اس کی فطرت صالح ہے، اس کی تختی بالکل سادہ ہے، "کُلُّ مَوْلُودٍ یُولَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهِ وَیُنَصِّرَانِهِ وَیُمَجِّسَانِهِ." ہر بچہ ماں کے پیٹ سے بالکل معصوم بے گناہ پیدا ہوتا ہے، اس کے ماں باپ کا یہ کارنامہ ہے کہ کبھی اس کو یہودی بنادیتے ہیں، کبھی عیسائی بنادیتے ہیں، اور کبھی مجوسی، اس پر اپنا رنگ چڑھاتے ہیں، لیکن انسان جو پیدا ہوتا ہے، وہ "صِبْغَةَ اللّٰهِ" خدا کا رنگ لے کر آتا ہے، اور اسلام یہ بتاتا ہے کہ انسان کی اصل جو ہے وہ طاعت ہے، انسان کی فطرت میں سلامتی لکھی ہوئی ہے، اس کی فطرت میں کسی قسم کا ٹیڑھاپن یا کجی نہیں ہے، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن میں آتا ہے (اور بہت کم لوگوں کو غور کرنے کا اتفاق ہوا ہوگا) "لَها ما كَسَبَتْ وَعَلَيها مَا اكْتَسَبَتْ" یعنی انسان کے لئے وہ چیز مفید ہے جو اس نے کمائی، اور انسان کے لئے وہ چیز مضر ہے، جو اس نے بتکلف کمائی، یعنی انسان کو نیک کام کرنے کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں اس کو اپنی فطرت سے لڑائی لڑنے کی ضرورت نہیں (لها ما كسبت) میں 'کسبت' یہ مجرد کے

صیغے سے آیا ہے، اور "اِکْتَسَبَتْ" مزید فیہ باب افتعال کے صیغے سے آیا ہے جس میں تکلف شامل ہے اس نے جو اچھا کام کیا اور جو خدا کی مرضی کے مطابق ہے، وہ عین فطرت کے موافق تھا، اور جو اس نے غلط راستہ اختیار کیا وہ فطرت کے خلاف تھا، اسے اپنی فطرت سے لڑائی لڑنی پڑی اپنی فطرت سے انحراف کرنا پڑا، اس کو ایک مجاہدے کا کام کرنا پڑا، اس سے بڑھ کر انسانی فطرت کے متعلق کیا سند ہوسکتی ہے کہ جو انسان کا صحیح کام ہو وہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے، اور جو اس نے غلط کام کیا تو گویا اس نے اپنی طرف سے بغاوت کی۔

تو اس ملک کے لئے مناسب ترین مذہب اسلام تھا، اگر اس ملک کا اور اسلام کا سنجوگ ہوجاتا یعنی ایک جائز رشتہ قائم ہوجاتا تو دنیا کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی، ایک طرف اس خطہ زمین کے لوگوں کی توانائی، ابلتی ہوئی طاقتیں جو جوش مارتی ہیں، جس طرح فوارہ ابلتا ہے، ان کے اندر کام کرنے کی لامحدود طاقت ان کو کسی چیز پر چین نہیں ہے، یہ سیاروں تک پہنچنے کی کوشش کررہے ہیں ،سمندر کھنگال کر اس سے موتی نکالنا چاہتے ہیں ،سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں، مٹی سے سونا برآمد کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے بے جان چیزوں میں جان ڈال دی ہے، ایک طرف ان کی توانائیاں، ان کی بے چین فطرت، ان کے ملک کی شادابی، اور قدرتی نعمتیں، دوسری طرف اسلام کی راہ اعتدال، اسلام کی حوصلہ افزائی اسلام کا دین فطرت ہونا، اسلام کا اپنے اوپر اعتماد پیدا کرنا کہ انسان اپنی ذات سے بے گناہ ہے وہ ماں کے پیٹ سے بالکل بے گناہ پیدا ہوتا ہے ،اور اگر وہ گناہ کرتا ہے تو وہ ایک عارضی چیز ہوتی ہے جیسے ہی وہ توبہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زنگ جو اس پر لگ گیا ہے وہ نکل جاتا ہے، توبہ کوئی مجبوری کی چیز نہیں بلکہ وہ عین اس کی فطرت کا تقاضا ہے، اور اندر سے وہ چیز ابھرتی ہے باہر سے نہیں آتی اس لئے توبہ کرنے والوں کا بڑا مقام بتایا گیا ہے، اسلام انسان کی ہمت افزائی کرتا ہے، وہ انسانی قوت کو ابھارتا ہے، وہ دین توحید ہے، اس میں کہیں تخیلات پروری نہیں ہے، وہ حقائق پر مبنی ہے، وہ ایسا عام فہم اور بدیہی مذہب ہے، جس کو ہر سلیم الفطرت آسانی سے سمجھ جاتا ہے، وہ

انسان زندگی کو بیڑیاں نہیں پہناتا کہ انسانی زندگی مقید ہو کر رہ جائے وہ علم کی راہ نہیں روکتا، بلکہ علم کو ایک مقدس عبادت قرار دیتا ہے، وہ انسان کو دعوت فکر و مطالعہ دیتا ہے، وہ کہتا ہے۔

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ(۱)

(ترجمہ) اور خود تمہارے نفوس میں (بہت سی نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

وہ کہتا ہے۔

وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً.(۲)

(ترجمہ) جو آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے پروردگار! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔

اور۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ.(۳)

(ترجمہ) ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے۔

وہ انسان کو عقل سے کام لینے کا کہتا ہے، اور قوائے فکریہ اور عقل و دماغ کو معطل و مفلوج کرنے کی مذمت کرتا ہے، وہ کہتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا.(۴)

(ترجمہ) اور وہ کہ جب ان کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں)

لیکن صرف اس ملک کی ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی نوع انسانی کی اور خاص طور پر ہمارے اس دور کی بد قسمتی ہے، اس ملک نے جس مذہب کا انتخاب کیا وہ اس ملک کو بتاتا

(۱) الذاریات ۲۱۔ (۲) آل عمران ۱۹۱۔ (۳) فصلت ۵۳۔ (۴) الفرقان ۷۳۔

ہے کہ انسان پیدائشی طور پر گنہگار ہے، وہ انسان کے اندر ایک قسم کی مایوسی پیدا کرتا ہے کہ گناہ، یہ اس کی قسمت ہے اور قسمت بدل نہیں سکتی، یعنی اس کا یہ جنم کا روگ ہے، وہ جنم کا گنہگار ہے، ایک تو یہ ہوتا ہے کہ اس سے غلطی ہو جائے اور وہ سمجھے غلطی ہوئی اور اس کی وہ تلافی کر دے، لیکن انسان کے اندر یہ عقیدہ بٹھایا جائے کہ انسان پیدائشی طور پر گنہگار ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیسا احساس کمتری پیدا ہوگا۔

تو ایک تو اس ملک کی بدقسمتی یہ تھی کہ اس نے جس مذہب کا انتخاب کیا وہ مذہب اس کی انسانیت کا شرف نہیں بڑھاتا بلکہ اس کی انسانیت پر دھبا لگاتا ہے، اور اس کو داغدار بنا کر پیش کرتا ہے، اور اس کو باور کراتا ہے کہ اس کو ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو اس کا کفارہ بن کر اس کے گناہوں کو معاف کروائے، غضب یہ ہوا کہ پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد اس میں رہبانیت اور ترک دنیا کا رجحان پیدا ہو گیا۔

کلیسا نے علم وعقل کی راہ روکی:

حضرات! دوسری بدقسمتی یہ تھی کہ جب کلیسا صاحب اقتدار تھا تو کلیسا نے علم وعمل کی راہ روکی، جب یورپ بیدار ہو رہا تھا اور وہ زنجیریں توڑ رہا تھا، جو اس کے پاؤں میں ڈال دی گئی تھیں تو کلیسا، ایک دیوار بن کر کھڑا ہو گیا، اس نے ہر چیز کو اپنے فتیے سے ناپنا شروع کیا اور ہر چیز کی سند بائیبل سے تلاش کرنا شروع کی، اس نے زمین کی کرویت کا خیال پیش کیا تو کلیسا نے اس کی مخالفت کی، اس نے تعداد عوالم کا نظریہ پیش کیا کہ یہی دنیا نہیں بلکہ اور دنیائیں بھی ہیں تو کلیسا نے اس کو کفر قرار دیا ارتداد قرار دیا، اس نے بتایا کہ زمین سورج کی گرد گردش کرتی ہے تو کلیسا نے کفر کا فتویٰ لگایا پھر کلیسا نے احتساب کی عدالتیں (INQUISITIONS) قائم کیں جو لوگ اس کا نشانہ بنے ان کی تعداد گذشتہ جنگ عظیم کے مقتولین کی تعداد سے کسی طرح کم نہیں ہے، یہ دو چیزیں ایسی جمع ہو گئیں جن سے اس ملک کا رخ یکسر مادیات کی طرف ہو گیا، اس کے اندر ایک مذہب سے نہیں بلکہ مطلق مذہب کی طرف سے بے اعتمادی اور ایک طرح کا کینہ اور انتقامی جذبہ پیدا ہو گیا،

اس نے یہ سمجھا کہ علم میں اس وقت تک ترقی نہیں ہوسکتی، جب تک مزہب کی بیڑی کو کاٹ کر پھینکا نہ جائے اور کلیسا سے آزادی حاصل نہ کرلی جائے، چنانچہ اس نے کلیسا سے بغاوت کی اور اس کے بعد اس نے یہ مادی سفر شروع کیا جس کے نتائج آج آپ کے سامنے ہیں۔

حضرات! یہ داستان طویل بھی ہے، اور بڑی دردناک بھی، دل پر پتھر رکھے بغیر نہ سنائی جاسکتی ہے، اور نہ سنی جاسکتی ہے، تاریخ آپ کے سامنے ہے، آپ سب اہل علم ہیں، آپ کا وسیع مطالعہ ہے، آپ تاریخ کے طالب علم بھی ہوں گے اور تاریخ کے فاضل اور اسکالر بھی، میں اس وقت یہ گفتگو ایسی یونیورسٹی کے دیوار کے سائے میں کررہا ہوں جو دنیا میں بڑی شہرت رکھتی ہے، اور اس کا بہت بلند مقام ہے، اس لئے مجھے تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

مغربی تہذیب نے اپنا عمل پورا کرلیا ہے:

مغرب کی مادی تہذیب اپنے نقطۂ عروج (CLIMAX) پر پہنچ گئی ہے، کائنات کے مضمرات کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے ہم کوئی دعویٰ نہیں کرسکتے کہ اس کے بعد کوئی جہاں نہیں۔ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

لیکن اس وقت یہ تہذیب اپنے جو بہترین پھل لاسکتی تھی اور جو بہترین نتائج دنیا کے سامنے پیش کرسکتی تھی، وہ اس نے دنیا کے سامنے پیش کردیئے اس وقت ہم ایک ایسے موڑ پر آکر کھڑے ہوگئے ہیں کہ تہذیب نے تقریباً اپنا عمل پورا کرلیا ہے، اور امریکہ جو اس تہذیب کا بڑا مرکز ہے، وہ اس وقت اپنی ان ترقیات کے جھولے میں جھولا جھول رہا ہے، وہ فخر سے یہ کہہ سکتا ہے (اور کہنے والے کہہ بھی رہے ہیں) کہ ہم نے قدرت کے چہرے کا ہر نقاب اٹھادیا ہے، ہم نے کوئی راز راز نہیں رکھا ہر راز کو فاش کردیا ہے، اور اس کے نتیجے میں جو ہونا چاہئے وہ اس وقت حاصل ہے، اس وقت فاصلے سمٹ کررہ گئے

ہیں، اور انسان کو جو آسانیاں میسر آسکتی تھیں، وہ حاصل ہوگئیں اب اس کو کوئی دشواری نہیں، اب کسی تکلیف کی ضرورت نہیں، اب وہ تکلیف کا مزا خود چکھنا چاہے تو چکھ سکتا ہے لیکن وہ تکلیف اٹھانے پر مجبور نہیں۔

لیکن اس کے باوجود انسان کو نہ سکون حاصل ہے، اور نہ دنیا میں امن وامان قائم ہے، انسان ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے، جہاں وہ بالکل مبہوت ہو کر کھڑا ہوگیا ہے، زندگی اس کو بے مقصد معلوم ہوتی ہے، چیزیں موجود ہیں لیکن ان کا اصلی مزا اس کو حاصل نہیں ہورہا ہے، اس وقت تو ضرورت اس کی تھی کہ خود اس ملک میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس ملک کو اس دلدل سے نکالیں جس میں وہ پھنس گیا ہے، اور اس ملک کو ایک نیا پیغام دیں، اس ملک میں ایک نئی زندگی پیدا کردیں لیکن افسوس ہے کہ اب زندگی اس رفتار سے جارہی ہے کہ اس کی باگ اب انسان کی ہاتھ میں نہیں رہی، اب انسان زندگی پر سوار نہیں بلکہ زندگی اس پر سوار ہے، اب انسان راکب نہیں بلکہ مرکب بن کر رہ گیا ہے، اب اس کو یہ تہذیب سرپٹ لئے جارہی ہے، منزل نامعلوم، باگ ڈور ہاتھ میں نہیں، پاؤں رکاب میں نہیں، انسان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جاکر یہ سفر ختم ہوگا اور اب وہ عامل نہیں معمول بنا ہوا ہے، اس موقع پر امید تو یہ تھی، اور ہم ایشیا کے لوگ (جن میں فلسفی بھی ہیں اور عوام بھی) آنکھیں لگائے ہوئے تھے کہ مغرب ہی میں کوئی پیدا ہوگا جو اس تہذیب کو نیا رخ دے گا اور زندگی کی اس ترقی کو بامعنی اور بامقصد بنائے گا لیکن ایسی شکل پیدا نہیں ہوئی۔

امید کی ایک کرن:

میرے بھائیو! میں اس کو محض اتفاق نہیں کہتا، میں اتفاقات کی منطق کا قائل نہیں میں سمجھتا ہوں کہ ہر کام اور واقعہ کے پیچھے تقدیر الٰہی کام کرتی ہے "ذلک تقدیر العزیز العلیم" خدا نے آپ کو اس ملک میں پہنچا دیا ہے بڑی تعداد میں مسلمان یہاں پہنچ گئے ہیں، ان میں صرف ہاتھ سے کام کرنے والے نہیں بلکہ دماغی صلاحیت رکھنے والے

مسلمان بھی ہیں جو یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہے ہیں تحقیقات میں مصروف ہیں، بہت سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے علم کا یہاں لوہا منوالیا ہے، وہ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، محقق بھی ہیں، خود یہاں کی آبادی میں اسلام پھیل رہا ہے، اور ایک بڑی تعداد ایسی موجود ہے جو یا تو اسلام قبول کرچکی ہے یا قبول کرنے کے لئے تیار ہے ہمارے بلادی مسلمان بھی اس وقت ہمارے لئے طاقت کا سرچشمہ اور ہماری امیدوں کا مرکز ہیں، اس طرح یہ ملک ایک نئی کروٹ لے رہا ہے اور امید کی ایک نئی کرن پیدا ہو رہی ہے، وہ موقع کہ ہم اس ملک کی دستگیری کرتے وہ ہمارے باہمی اختلافات کی وجہ سے اور ہماری کوتاہی سے نکل گیا، چاہئے تو یہ تھا کہ جس وقت ترکوں کو اقتدار حاصل ہوا تھا، اور مغرب میں ان کی مضبوط حکومت قائم ہوئی تھی یا اس سے بھی قبل جب اسپین میں مسلمانوں کی حکومت قائم تھی، اس وقت یورپ میں اسلام کی اشاعت ہوتی تو مغرب آج اس ورطہ میں نہ پڑتا، اس مادیت کے دلدل میں نہ پھنستا اور نہ اس کی وجہ سے وہ قومیں ان دلدلوں میں پھنستیں جو یورپ کی مقلد ہیں۔

لیکن افسوس کہ ہم نے اس وقت سے کام نہ لیا اس سے بھی پہلے جب اسلام کے داعی دنیا میں نکلے تھے، کاش کہ اس وقت وہ داعی یہاں پہنچ جاتے، کہا جاتا ہے کہ امریکہ کا کولمبس سے پہلے مسلمانوں نے انکشاف کیا تھا کاش وہ اس انکشاف سے فائدہ اٹھاتے اور اس ملک کو ایک پیغام دیتے اور وہ پیغام اسلام ہوتا لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہ ہوسکا جس کا نتیجہ سزا کے طور پر آج اسلامی ممالک بھگت رہے ہیں، آج اسلامی ممالک یورپ کی جس غلامی میں مبتلا ہیں اور جس طرح وہ یورپ کے دریوزہ گر بن گئے ہیں، اور مغرب کے ارادوں کے جس طرح وہ تابع ہوگئے ہیں، مغرب جو معاملہ کررہا ہے، اور جو کھیل کھیل رہا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ سزا ہے مسلمانوں کی اس کوتاہی کی کہ مسلمانوں نے وقت پر اس کو خدا کا پیغام نہیں سنایا اور رسول اللہ ﷺ کے پیغام سے آشنا نہیں بنایا۔

لیکن اب خدا نے ایک موقع دیا ہے، آپ مختلف ملکوں سے، مختلف تقریبوں سے، مختلف اغراض سے تیزی کے ساتھ اس ملک میں آرہے ہیں، کوئی اسلامی ملک نہیں جس

کے بہترین نوجوان یہاں نظر نہ آتے ہوں اور آخری بات یہ ہے کہ اس ملک سے جہاں حرم واقع ہے، اس سے بھی بڑی تعداد میں نوجوان یہاں آرہے ہیں، اس وقت آپ حضرات اپنی ذمہ داری کو سمجھیں آپ کی ذمہ داری اتنی ہی نہیں کہ آپ مغرب کے علوم سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے معاشی مسئلے کو حل کریں یا آپ یہاں سے بڑی دولت کما کر لے جائیں اور اپنے کنبہ اور خاندان کو فائدہ پہنچائیں، آپ کو اپنی ذمہ داری یہ سمجھنی چاہئے کہ اس ملک میں جس چیز کی کمی ہے، اور یہ ملک اپنی تمام دولتوں کے باوجود دولت کے بارے میں محتاج ہے، اور خدا کے اس ارشاد کا صحیح مصداق کہ "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ" اگر آپ اس کی مادی فتوحات دیکھئے، اگر آپ اس کا اخلاقی افلاس دیکھئے، اگر آپ اس کی روحانی پیاس دیکھئے، اگر آپ اس کی روح کا کرب دیکھئے تو اس کو "اسفل سافلین" کے مقام پر پایئے گا ایک طرف آپ اس کی عقلی پختگی کو دیکھئے اور ساتھ ساتھ اس کے عقلی بچپن اور طفولیت کو دیکھئے دو چیزیں اس میں جمع ہیں ایک طرف وہ چاند پر جا رہا ہے، دوسری طرف وہ اخلاقی پستی کے آخری گڑھے میں گر رہا ہے، وہی امریکہ کہ جس نے آج ہر مسئلے کو حل کر دیا ہے، وہی آج اپنے نوجوانوں کے اخلاقی مسئلے کو حل کرنے میں ناکام ہے، اقبال نے کہا تھا۔ ع

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

میں بالکل صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ کاش ہمارا کوئی اسلامی ملک اس پوزیشن میں ہوتا کہ وہ مغرب کو پیغام دیتا اور مغرب سے آنکھیں ملا کر کہتا، اے مغرب! تو نے یہ ٹھوکر کھائی، اے مغرب! تیرے درد کی دوا ہمارے پاس ہے، تیرے درد کی دوا ہمارے قرآن میں ہے، رسول اللہ ﷺ کے پیغام میں ہے، لیکن میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ ہماری گردنیں ندامت اور شرم سے جھک جاتی ہیں کہ کوئی اسلامی ملک بھی اس پوزیشن میں نہیں کہ اس ملک سے آنکھیں ملا کر خود اعتمادی سے کچھ کہہ سکے، یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اپنے کو اس پوزیشن میں رکھا ہی نہیں ہے کہ ہم مغرب سے مردوں کی طرح بات کر سکیں،

ہم جب مغرب سے بات کرتے ہیں تو سر سے لے کر پیر تک ہم اس کے احسانات میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں ہماری جہالت ہمارے خلاف گواہی دیتی ہے، ہمارا افلاس ہمارے سر پر چڑھ کر بولتا ہے، بھیک کے لئے ہمارا ہاتھ پھیلا ہوتا ہے، ایسی حالت میں کوئی اسلامی ملک اس مغرب سے جو کہ اقتدار کا مالک ہے، جس کو ہر طرح کی سیادت، علمی سیادت، سیاسی سیادت، اقتصادی سیادت حاصل ہے کیا بات کرسکتا ہے؟ کون ایسا ملک ہے، جو اس مغرب پر ادنیٰ تنقید کر سکے، اس مغرب کو کوئی لقمہ دے سکے، کوئی مشورہ دے سکے؟

آپ داعی کا مقام رکھتے ہیں:

میرے بھائیو! آپ سے میں کہتا ہوں ممکن ہے، آپ اس کو میری بلند پروازی پر محمول کریں لیکن میں آپ سے ضرور کہوں گا کہ آپ اپنی زندگی، اپنے وجود، اپنے طرز زندگی سے یہ ثابت کریں کہ آپ کے پاس اس مغرب کو دینے کے لئے کچھ ہے، آپ یہاں صرف لینے کے لئے نہیں آئے ہیں، بلکہ دینے کے قابل بھی ہیں، آپ کا ہاتھ صرف لینے کے لئے نہیں پھیلا ہوا ہے بلکہ وہ کچھ دینے کے لئے بھی پھیل سکتا ہے، آپ اگر یونیورسٹی کے طالب علم، ٹیچر یا ریسرچ اسکالر ہیں، یہاں تک کہ آپ یہاں کی کسی فرم میں ہیں، آپ کا جن سے سابقہ پڑتا ہے، آپ کے ساتھ جو کام کرنے والے ہیں ان سب کے سامنے آپ اسلام کی صداقت کو پیش کر سکتے ہیں، ان میں یہ احساس پیدا کر سکتے ہیں، کہ اسلام آج بھی ان کی مدد کرسکتا ہے، کچھ دے سکتا ہے، ان کے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود گویا کچھ نہیں اور ان سے جو حقیقی فائدہ پہنچنا چاہئے تھا، ان طبعی تحقیقات سے اور مادی فتوحات سے وہ ان کو نہیں پہنچ رہا ہے، آپ کے اندر یہ اعتماد بحال ہونا چاہئے کہ آپ داعی کا مقام رکھتے ہیں، آپ صرف خوشہ چین نہیں ہیں کہ یہاں آ کر ان کے باغ کی کلیاں توڑیں، اور اپنا دامن بھریں بلکہ آپ اپنی کلیوں سے ان کا دامن بھر سکتے ہیں، یہ بات موجودہ حالات کے لحاظ سے قبل از وقت اور نا قابل

قیاس ہے اور شاید ہمارے بہت سے بھائی سوچیں اور پوچھیں کہ میں کس دنیا میں رہتا ہوں۔

لیکن قرآن اور اسوۂ نبوی ﷺ ہمارے اندر اعتماد پیدا کرتا ہے، جس وقت رسول اللہ ﷺ کے گھر میں کھانے کو نہیں تھا اور مدینہ میں کوئی اسٹیٹ قائم نہیں ہوتی تھی اور جب کہ کوئی معاشی مسئلہ بھی حل نہیں ہوا تھا، اور مسلمان خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اس وقت خدا کے رسول ﷺ نے قیصر روم کو جو اس وقت سیمبول تھا، دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا اور جو دنیا کے آدھے حصے پر حکومت کرتا تھا، اپنے خط میں لکھا تھا۔

"بسم الله الرحمن الرحيم...... مِنْ محمد عبدِالله وَرسولِه الىٰ هر قل عظيم الروم سلام علىٰ مَن اتبَعَ الهدىٰ أما بعد فانى أدعُوكَ بدعاية الاسلام أسلِم، تسلَم يُؤتك اللهُ اجرَكَ مرَّتينِ فاِنْ تَوليتَ فانَّ عَليكَ اِثمٌ اليرِيسين وَيا هْلَ الكتابِ تَعالَوا اِلىٰ كلمةٍ سوآءٍ بيننا وبينكُم اَلَّا نَعبدَ اِلَّا اللّٰهَ ولانُشرك به شيئاً ولا يتخذبعضُنا بعضاً اربا باً مِن دونِ اللّٰهِ فاِنْ تَولَّوا فقُولُوا اشهدُ وابانا مسلِمُون."

(ترجمہ) بسم الله الرحمن الرحيم . محمد ﷺ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے، یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے ...... میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لا، تو سلامت رہے گا، خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا، اے اہل کتاب ! ایک ایسی بات کی طرف آ ؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔

ہم اس پیغمبر کے امتی ہیں جس نے فقر وفاقے کی حالت میں، گمنامی کی حالت میں، اس وقت جب کہ دنیا میں مسلمانوں کی سیاسی، اقتصادی کوئی پوزیشن نہیں تھی، اس

حالت میں دنیا کے سب سے جبروت انسان کو اس خوداعتمادی و خدااعتمادی کے ساتھ اسلام کی دعوت دی، یہ کیا ہمت تھی؟ یہ کیا مقام تھا یہ کیا بلندی تھی، اس وقت جب کہ اس کے گھر میں کھانے کو نہیں، اس کے خزانے میں پیسہ نہیں، چند لوگ اس کے ماننے والے ہیں، ایک شاہ وقت ہے وہ اس طرح کہتا ہے کہ "اسلم تسلم" اسلام قبول کرو، بچ جاؤ گے تمہاری حفاظت ہوگی، تمہاری جان بچ جائے گی، ہم اس پیغمبر کے امتی ہیں، آج ہمارا مقام یہ ہونا چاہئے کہ ہم آج اس قوم کو دینے کا حوصلہ رکھیں اور ان کو یہ احساس دلائیں کہ ہمارے پاس وہ دولت ہے، جس سے وہ محروم ہیں اور بغیر اس دولت کے یہ تمدن بچنے والا نہیں، اس وقت یہ تمدن پوری طرح خودکشی کرنے کے لئے تیار ہے، اور اس گہری خندق میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہے، جس میں گرنے کے بعد کبھی ابھر نہیں سکے گا اسے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہی تو یہی خدا کی بھیجی ہوئی تعلیمات، قرآن کی رہنمائی اور یہ کہ مادیت اور اخلاقیات اور مسائل و مقاصد کے درمیان رابطہ قائم کیا جائے، اگر مادیات ہیں، اور اخلاقیات نہیں تو تباہی کے سوا کچھ نہیں، یہ وہ پیغام ہے جو ہمارے اسلامی ملکوں کو دینا چاہئے تھا اور صاف کہنا چاہئے تھا، کہ اے مغرب! تو ڈوب رہا ہے، ہم تجھے بچا سکتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی یہ پوزیشن نہیں رکھتا، انہوں نے اپنے کو اس قابل رکھا ہی نہیں ہے، یہ مغرب کی دریوزہ گر ہیں، ان میں سے کسی میں ہمت نہیں کہ کچھ کہہ سکیں کہ اے مغرب! تیرے تمدن میں یہ کمی ہے، یہ مغربی تہذیب کو معراج سمجھتے ہیں، کسی نے کہا ہے کہ ساری دنیا کا قبلہ حرم ہے، اور حرم کا قبلہ امریکہ بنا ہوا ہے، یہ میں کہ رہا ہوں دین کا ادنیٰ طالب علم، اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والا جس کو ہر حال میں دفاع کرنا چاہئے تھا، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج ہمارے اسلامی ملوک، رؤسائے جمہوریات اس قابل نہیں ہیں کہ مغرب کو کچھ پیغام دے سکیں، مغرب کو کچھ مشورہ دے سکیں، لیکن آپ اگرچہ کسی ریاست کے مالک نہیں اگرچہ کسی خزانے کے مالک ہیں آپ اس فرض کو انجام دے سکتے ہیں؟ اس طرح کہ آپ ایک زندگی کا مظاہرہ کریں، آپ خوداعتمادی کا مظاہرہ کریں، آپ اپنے دین پر اپنے مذہب پر فخر کر سکیں، آپ خدا کی

اس نعمت پر شکر ادا کریں کہ قدرت نے آپ کو ان نعمتوں سے نوازا ہے، آپ نمازوں کے ذریعے، دعاؤں کے ذریعے اس مادیت کے جال سے آزاد ہونے کے ذریعے، آپ یہ ثابت کریں کہ مادیت آپ کو غلام نہیں بنا سکتی ہے، ابھی آپ کی روح زندہ ہے، ابھی آپ کا قلب زندہ ہے، ان کی طرح مردہ نہیں ہے، ابھی آپ کے اندر خیر و شر کے فرق کا احساس زندہ ہے، آپ کے نزدیک دنیا کی دولت ہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ آپ کے نزدیک یہ دنیا بھی کچھ نہیں ہے، اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے، اور آپ خدا کو قادر مطلق سمجھتے ہیں اور اس کی رضا کو سب سے بڑی سعادت اور کمال سمجھتے ہیں، خدا نے آپ کو یہ موقع دیا ہے خدا نے آپ کو اسی لئے بھیجا ہے کہ آپ ان کے سامنے زندگی کا نیا تجربہ اور نئی حقیقتیں لائیں جو ان کی آنکھوں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہیں، اور مسیحیت اپنے ان تمام کلیساؤں کے باوجود ڈیوینیٹی...... کالجوں کے باوجود اور اس کو جو اقتدار حاصل ہے، اس کے باوجود مسیحیت اس حقیقت کو زندہ کرنے میں ناکام رہی ہے، اور آئندہ بھی اس سے کوئی امید نہیں ہے، آپ اپنی ہر طرح کی کمزوریوں کے باوجود یہ فرض انجام دے سکتے ہیں۔

حضرات! میں نے آپ کا بڑا وقت لیا لیکن میرے جلے ہوئے دل، میرے زخمی دل کی آہ اور کراہ سمجھئے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کر دی، میں خدا کے سامنے یہ شہادت دے سکتا ہوں کہ میں نے سب سے بڑے صنم خانے میں اذان دی، میں نے تیرا نام لیا اور اس کے لئے موزوں سے موزوں تر جو مقام ہو سکتا تھا، وہاں میں نے یہ پیغام دیا، میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ میں سے ایک شخص نے بھی اس سے اثر لیا تو میں کامیاب ہوں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کام سے زیادہ اپنے دین کا کام لے اور آپ کو اپنے اور اپنے خاندان، کنبہ بستی اور ذاتی ملک کے لئے مفید ہونے سے کہیں زیادہ دین اور اسلام کے لئے مفید اور خود اس ملک کے لئے مفید بنائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید کی حقیقت اور اس کے تقاضے

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم. اما بعد.

جامعیت و ہمہ گیری اور طاقت سے انکار

حضرات! علماء حق، حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث اور جانشین ہیں العلماءُ وَرثۃُ الانبیاءِ (صحیح بخاری) ان کی وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوگی جب ان کی زندگی کا مقصد اور ان کی کوششوں کا مرکز وہی ہوگا جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ وہ مقصد زندگی اور وہ مرکز سعی و عمل کیا ہے؟ دو لفظوں میں اقامت دین یا ایک لفظ میں توحید۔

یعنی انسانوں کو اختیاراً و عملاً اس طرح سے اللہ کا ''عبد'' بنانا جیسا کہ وہ فطرتاً اور اضطراراً اس کے عبد ہیں۔ اللہ کی حکومت اور قانون کو انسانوں کے جسموں اور ان کی متعلقہ زمین پر قائم کرنے کی کوشش کرنا جیسا کہ وہ زمین و آسمان پر قائم ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء ۲۱:۲۵)

(ترجمہ) ''اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، میری ہی بندگی کرو''

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ (صف ۶۱:۹)

(ترجمہ) ''وہ جس نے اپنا رسول رہنمائی اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں (تمام نظام اطاعت) پر غالب کرے اگرچہ شرک کرنے والوں کو یہ ناگوار

پودا کسی ایسی زمین میں جڑ نہیں پکڑتا جس کی مٹی میں کسی اور درخت کی جڑ ہو یا کوئی اور تخم ہو۔ اس کی شاخیں اسی وقت آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور یہ درخت اسی وقت پھلتا پھولتا ہے جب اس کی جڑ گہری اور مضبوط ہو۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ○ تُوْتِىْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ○ (ابراهیم ۱۴: ۲۴، ۲۵)

(ترجمہ) ”تم نے دیکھا اللہ نے کیسی ایک مثال بیان کی پاکیزہ بات (کلمہ طیبہ وغیرہ) ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اپنا پھل لاتا ہے ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔“

یہ درخت کسی دوسرے درخت کے سایہ میں نہیں بڑھ سکتا۔ یہ جہاں رہے گا تنہا رہے گا اس کی صحیح نشو ونما کے لئے لا متناہی فضا چاہئے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (زمر ۳۹: ۳)

(ترجمہ) ”یاد رکھو! اللہ ہی کی تنہا تابعداری ہے“

پس جو لوگ دین اللہ کی فطرت اور اس کے مزاج سے واقف ہوتے ہیں وہ اس کو کسی جگہ قائم کرنے کے لئے زمین کو پورے طور پر صاف اور ہموار کرتے ہیں۔ وہ شرک اور جاہلیت کی جڑیں اور رگیں چن چن کر نکالتے ہیں اور ان کا ایک ایک بیج چن چن کر پھینکتے ہیں اور مٹی کو بالکل الٹ پلٹ دیتے ہیں چاہے ان کو اس کام میں کتنی ہی دیر لگے اور کیسی ہی زحمت اٹھانی پڑے۔ اور چاہے ان کو اس کوشش اور عمر بھر کی اس جد وجہد کا حاصل حضرت نوح علیہ السلام کی طرح چند نفوس سے زیادہ نہ ہو اور چاہے بعض پیغمبروں کی طرح ان کی ساری زندگی کا سرمایہ صرف ایک شخص ہو لیکن وہ اس نتیجہ پر قانع اور اس کامیابی پر مسرور ہوتے ہیں۔ اور نتیجہ کے حصول میں کبھی عجلت سے کام نہیں لیتے۔

کفر:

یعنی اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا انکار یہ انکار اس کی حکومت سے بغاوت اور اس کے احکام سے سرتابی ہے خواہ کسی طریقہ اور علامت سے ظاہر ہو۔

اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اللہ و رسول کے احکام میں سے کسی حکم کو بھی یہ جان لینے کے بعد کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے نہیں مانتے یا زبان سے تو انکار نہیں کرتے مگر جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں ایسے لوگ خواہ دوسرے احکام کے پابند ہوں اس دائرہ سے (یعنی کفر کے دائرہ سے) خارج نہیں۔ میرے بھائیو اور دوستو !اللہ تعالیٰ یہودیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ O

(البقرہ ۲: ۸۵)

(ترجمہ) ’’کیا کتاب الٰہی کے ایک حصہ کو مانتے ہو دوسرے حصے کو نہیں مانتے تو اس کی کیا سزا ہے جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے سوائے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے اور قیامت کے دن وہ پہنچائے جائیں گے سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔‘‘

صرف اللہ کی خداوندی اور حاکمیت کے اقرار سے طبعی طور پر خداوندی اور حاکمیت کے تمام دعویداروں کی خداوندی اور حاکمیت کا انکار ہو جاتا ہے۔

لیکن جو اشخاص خداوندان باطل کی خداوندی اور حاکمیت کا صاف صاف انکار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے یا دوسرے الفاظ میں انہوں نے اس قبلہ کی طرف منہ تو کرلیا ہے لیکن دوسرے قبلوں کی طرف ان سے پیٹھ بھی نہیں کی جاتی۔

دین الٰہی کے مقابلے میں دنیا میں جو نظام حاکمیت قائم اور شریعت الٰہی کے مقابلے میں جو قوانین نافذ ہیں ان سے منحرف نہیں ہوا جاتا، وہ کبھی کبھی ان پر عمل کر لیتے ہیں اور

بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کر لیتے ہیں وہ درحقیقت اسلام میں داخل نہیں ہوئے ایمان باللہ کے لئے کفر بالطاغوت(۱) ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان پر مقدم کیا ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۝ (بقرہ ۲: ۲۵۶)

(ترجمہ) ''جو سرکش کا انکار کرے، اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا۔''

اس لئے قرآن نے ایسے اشخاص کا دعویٰ ایمان تسلیم نہیں کیا۔ جو غیر الٰہی قوانین ان کے نمائندوں اور ان کے مرکزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو اپنا حکم اور ثالث بناتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝

(النساء ۴: ۶۰)

(ترجمہ) تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے جو حق آپ سے پہلے اتارا گیا چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں سرکش کی طرف حالانکہ ان کو حکم ہو چکا ہے کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور جا ڈالے۔

اس کفر کی بو ان اشخاص سے بھی نہیں نکلی جو مسلمانوں کے دائرے میں آجانے کے بعد بھی ''جاہلیت'' سے منحرف اور عقائد و رسوم جاہلیت سے بے خبر نہ ہو سکے۔ ان کے دلوں سے ابھی تک ان چیزوں کی نفرت اور کراہت نہیں گئی اور ان کاموں کی تحقیر نہیں نکلی جن کو جاہلیت برا سمجھتی ہے ان سے نفرت اور تحقیر کرتی ہے خواہ وہ اللہ کے دین میں پسندیدہ اور مستحب ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبوب سنت ہوں۔

---

(۱) ''طاغوت'' ہر وہ ہستی جس کی خدا تعالیٰ کے مقابلے میں اطاعت مطلق کی جائے (الطاغوت عبارة عن كل متعبد كل معبود من دون الله) (امام راغب اصفہانی) خواہ وہ شیطان ہو یا انسان یا سلطان۔

اس طرح ان کے دلوں سے ابھی تک ان اعمال واخلاق اور رسوم وعادات کی محبت اور عزت دور نہیں ہوئی جو اہل جاہلیت کے نزدیک محبوب ومعزز ہیں خواہ وہ اللہ کی شریعت میں مکروہ حقیر ہوں۔

اس طرح جن کے دلوں میں ابھی تک جاہلی حمیت اور عصبیت دور نہیں ہوئی اور ان کا عملی جاہلیت عرب اور درحقیقت ہر جاہلیت کے اس مقبول ومسلم اصول پر ہے کہ:

انصر اخاک ظالماً او مظلوماً،

(ترجمہ)''اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم''

میرے بھائیو! اس سے زیادہ نازک بات یہ ہے کہ اسلام کو اختیار کر لینے کے بعد بھی یا مسلمان کہلانے کے باوجود بھی حسن وقبح کا معیار وہی ہو جو جاہلیت میں ہوتا ہے، اشیاء کی قیمت وہی ہو جو جاہلیت نے قائم کر دی ہے، زندگی کی انہی قدروں اور انہی معیاروں کی وقعت ہو جو جاہلیت تسلیم کرتی ہے۔

اسلام کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ:

کفر اور اس کے پورے ماحول، اس کے تمام متعلقات، اس کی تمام خصوصیات اور شعائر سے نفرت پیدا ہو جائے۔ اور اس کی طرف واپسی اور اس میں مبتلا ہو جانے کے تصور سے آدمی کو تکلیف ہو۔ اور ایمان کی پختگی یہ ہے کہ وہ کفر کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کے مقابلہ میں موت کو زیادہ پسند کرتا ہو۔

بخاری کی حدیث ہے:

''ثلث من کن فیہ وجد حلاوۃ الا یمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقدف فی النار۔''

(ترجمہ) تین باتیں جس شخص میں ہوں گی اس کو ایمان کی حلاوت محسوس ہوگی۔ ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ کسی دوسرے انسان سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت ہو تیسرے یہ کہ کفر میں جانا اس کے لئے اتنا ہی

ناگوار ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا۔

صحابہ کرامؓ کی یہی کیفیت تھی۔ ان کو اپنے زمانۂ سابق (جاہلیت سے شدید نفرت پیدا ہوگئی تھی۔ ان کے نزدیک جاہلیت سے بڑھ کر کوئی توہین نہ تھی۔ وہ جب اپنے اسلام لانے سے پہلے کے زمانہ کا تذکرہ کرتے تو نہایت شرمندگی اور نفرت کے ساتھ اس زمانہ کی تمام باتوں اعمال واخلاق اور کفر وفسق اور اللہ کی نافرمانی سے ان کو نہ صرف شرعی اور عقلی بلکہ طبعی کراہت تھی اللہ تعالیٰ ان کی یہ صفت اس طرح بیان کرتا ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ O (حجرات ۴۹: ۷)

(ترجمہ) ''لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی اور اس کو کھبا دیا تمہارے دل میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی۔''

جاہلیت کی ایک علامت یہ ہے کہ جب اللہ اور رسول کا حکم سنایا جائے تو قدیم رسم ورواج اور باپ دادا کے طور طریقے کا نام لیا جائے۔ اور اللہ ورسول کے مقابلے میں گذشتہ زمانہ اور پرانے دستور کی سند پیش کی جائے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآءُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ O

(البقرہ ۲: ۱۷۰)

(ترجمہ) ''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں ہم تو اس راستہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ۔''

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ O (زخرف ۴۳: ۲۲)

(ترجمہ) بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہیں کے نقش قدم پر ٹھیک چل رہے ہیں۔

اللہ کے حکم اور وحی الٰہی کے مقابلے میں اپنے باپ دادا کے عمل اور اپنی خواہش و

مرضی کی پیروی کرنا خاص جاہلی دین ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (ھود ۱۱: ۸۷)

(ترجمہ) انہوں نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز نے تم کو یہ سکھایا ہے کہ ہم چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ داد پوجتے رہے یا ہم چھوڑ دیں جو ہم اپنے مالوں میں اپنی من مانی باتیں کرتے ہیں۔

پس ایسے تمام لوگ جاہلیت سے نکل کر اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے۔ جو اللہ کے مقابلے میں ہر چیز سے دستبردار نہیں ہوئے اور جنہوں نے اپنے تئیں مکمل طور پر اللہ کے حوالے نہیں کیا، یہ مکمل دستبرداری اور تسلیم کامل وہ اسلام ہے جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا اور انہوں نے اس کو قبول کیا۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

(بقرہ ۲: ۱۳۱)

(ترجمہ) ”جب (ابراہیم علیہ السلام سے) ان کے رب نے کہا کہ اپنے رب کے حوالے ہو جاؤ اور اس کی مکمل تابعداری کرو۔ انہوں نے کہا میں نے اپنے رب تئیں سارے جہان کے پروردگار کے حوالے کر دیا۔“

اور جس کا تمام مسلمانوں کو حکم ہے:۔

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۔ (حج ۲۲: ۳۴)

(ترجمہ) ”تمہارا معبود حاکم ایک ہی معبود حاکم ہے پس اسی کے حوالے ہو جاؤ اور مکمل تابعدار بن جاؤ۔“

اگر یہ نہیں ہے تو گویا اللہ سے جنگ ہے اس لئے اس مکمل اسلام کو ایک جگہ اللہ نے سلم کہا ہے یعنی یہ اللہ سے صلح ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (بقرہ ۲: ۲۰۸)

(ترجمہ) ''اے ایمان والو! داخل ہوجاؤ صحیح واسلام میں پورے پورے اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

یادر ہے کہ جاہلیت سے مراد صرف بعثت نبوی کے قبل کی عرب کی زندگی ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ غیر اسلامی زندگی اور نظام ہے جس کا ماخذ وحی ونبوت اور کتاب الٰہی سنت انبیاء نہ ہو اور جو اسلام کے مسائل واحکام زندگی سے مطابقت نہ رکھتا ہو خواہ وہ عرب کی جاہلیت ہو یا ایران کی مزدکیت یا ہندوستان کی برہمنیت یا مصر کی فرعونیت یا ترکوں کی طورانیت یا موجودہ مغربی تمدن یا مسلمان قوم کی شرعی زندگی اور ان کے مختلف شریعت رسوم وعادات، اخلاق وآداب اور میلانات اور جزبات خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید ماضی ہو یا حال۔

کفر کیا ہے؟

کفر ایک سلبی چیز نہیں ہے بلکہ ایک ایجابی ومثبت چیز بھی ہے وہ صرف دین اللہ کے انکار کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مذہبی اور اخلاقی نظام اور مستقل دین ہے جس میں اپنے فرائض وواجبات بھی ہیں اور مکروہات ومحرمات بھی اس لئے یہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے اور ایک انسان ایک وقت میں ان دونوں کا وفادار نہیں ہوسکتا۔

میرے دوستو انبیاء کرامؑ کفر کی پوری بیخ کنی کرتے ہیں وہ کفر کے ساتھ کسی روا داری اور مصالحت کے روادار نہیں ہوتے۔ کفر کے پہچان لینے کا بھی ان کو بڑا ملکہ ہوتا ہے اور اس بارے میں ان کی نگاہ بڑی دوررس اور باریک بین ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو اس بارے میں پوری حکمت عطا فرماتا ہے۔ ان کی خداداد فراست اور بصیرت پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں۔ دین کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ کفرو اسلام کی جو سرحدیں انہوں نے قائم کیں ان کے جو نشانات مقرر کر دیئے ہیں ان کی حفاظت کی جائے اس میں ادنیٰ تساہل اور رواداری دین کو اتنا مسخ کر کے رکھ دیتی ہے کہ جتنا یہودی، عیسائی اور ہندوستان کے مذاہب مسخ ہو چکے ہیں۔

انبیاء کرامؑ کے جانشین بھی اس بارے میں انہی کی فراست اور عزیمت رکھتے ہیں وہ کفر یا کفر کی محبت یا اس کی اعانت جس لباس اور جس صورت میں جلوہ گر ہو اور اس کی روح جس قلب میں بھی ظاہر ہو وہ اس کو فوراً بھانپ لیتے ہیں ان کو اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور اس کی مخالفت کرنے میں کوئی مصلحت ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی۔ وہ کفر کو مخاطب کرکے کہتے ہیں۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

ان کے زمانے کے کوتاہ نظر یا رند مشرب و صلح کل جو دین، و حرم کعبہ، و بت خانہ میں فرق کرنا ہی کفر سمجھتے ہیں ان کی تضحیک کرتے ہیں اور تحقیر کے ساتھ ان کو فقیہ شہر، محتسب، واعظ اور خدائی فوجدار کا لقب دیتے ہیں لیکن وہ اپنا کام پورے اطمینان و استقلال کے ساتھ کرتے رہتے ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ پیغمبروں کے دین کی حفاظت ہر زمانہ میں انہی لوگوں نے کی ہے۔

اور آج اسلام یہودیت، عیسائیت اور ہندومت سے ممتاز شکل میں جو نظر آتا ہے وہ انہی کی ہمت و استقامت اور تفقہ کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سرکشی و نافرمانی سے بچائے

جزاهم الله عن الاسلام ووليه ونبيه خير الجزاء.
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رح چودھویں صدی ہجری میں ''حمیت وعزیمت'' کا پیکر مثالی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وہ یادگار صدارتی تقریر جو ۱۸، ۱۹، مارچ ۱۹۸۸ء کو مدنی ہال دہلی میں منعقد سیمینار میں کی گئی تھی ہم یہ تقریر پڑھ کر اپنے کو ٹٹولیں کہ ان درخشاں وتابندہ نقوش کے آئینہ میں ہماری تصویر کیسی نظر آتی ہے اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے حق میں اسکو نافع بنائے!

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد.

حضرات! میں نے رابطۂ ادب اسلامی کے ایک جلسہ میں جو ابھی کچھ عرصہ قبل ہوا تھا، ''ادب التراجم'' (۱) کے عنوان سے شخصیتوں کے تعارف، سوانح نگاری کے آداب ونفسیات، اور تاریخ نویسی کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس طرح انسانی جسم، خارجی اشیاء موسموں، مقامات، اور شہروں کا درجۂ حرارت و برودت (TEMPERATURE) ہوتا ہے اسی طرح الفاظ و اوصاف کا بھی ایک درجۂ حرارت و برودت ہوتا ہے اور ان کا استعمال اسی اعتبار کے ساتھ صحیح محل ومقام اور ممدوح وموضوع کے اعتبار سے ہونا چاہئے اگر اس میں تناسب ومطابقت اور احتیاط واحساس ذمہ داری اور ادائے شہادت کے فریضہ کا احساس نہیں کیا گیا تو وہ الفاظ اپنی قدر و قیمت کھو دیں گے،

---

(۱) یہ مضمون راقم سطور کے ادبی مضامین کے عربی مجموعہ ''نظرات فی الأدب'' مطبوعہ بیروت شائع ہوگیا ہے۔

اور نہ صرف یہ کہ ان کی قدر و قیمت جاتی رہے گی، بلکہ جن کے لئے وہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان کی قدر و قیمت جہاں تک رہے گی بلکہ جن کے لئے وہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان کی قدر و قیمت اور ان کی عظمت و اہمیت کا احساس بھی نہیں ہو سکے گا، اور ایک واقف و باخبر انسان، نقاد معاصر، اور غائر نظر سے مطالعہ کرنے والے کو حسرت کے ساتھ کہنا پڑے گا:

اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی !

لیکن یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت، اور ادبی و تصنیفی المیہ ہے کہ ان تعارفی و توصیفی الفاظ کا اکثر اور خاص طور پر پچھلے دور میں بڑی فیاضی اور بے احتیاطی کے ساتھ استعمال ہوا ہے، "ایثار و قربانی"، "جانبازی و سرفروشی"، "مجاہدانہ کارنامے"، "مجتہدانہ فکر و نظر" حتیٰ کہ سرآمد روزگار، نادرۂ عصر، اور عبقری شخصیت (GENIUS) جیسے الفاظ کا استعمال بھی اکثر مبالغہ آرائی کے ساتھ اور ضروری احساس ذمہ داری کے بغیر ہوا ہے۔

حمیت و عزیمت

انہیں تعارفی و توصیفی الفاظ میں "حمیت" و "عزیمت" کے عمیق، بلند پایہ اور امتیازی اوصاف بھی ہیں، جن کی مصداق اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت، اصلاح و انقلاب اور جدوجہد میں ہر دور میں معدودے چند شخصیتیں ہوئی ہیں، جو کسی مخالف اسلام یا دشمن حق جبروتی طاقت کے مقابلہ پر آئیں۔ "سلطان جائر" (جو کبھی رائے عامہ، مقبول قیادت اور عوامی جوش و خروش کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے) کے منہ پر کلمۂ (۱) حق کہا، کبھی کسی صاحب شوکت و سطوت سلطنت کے مقابلہ میں صف آرا ہوئیں جس کا ستارۂ اقبال بلند تھا، اور جس کے متعلق کبھی کبھی کہا جاتا تھا کہ "اس کی مملکت میں سورج غروب نہیں ہوتا" جنھوں نے دین کی حمیت اور حق کی حمایت میں ہمیشہ "رخصت" پر "عزیمت" کو اور سکون و اطمینان کی زندگی اور اعزاز و افتخار کے مناصب و مواقع پر قید و بند اور طوق و سلاسل کو ترجیح دی، اور جن سے اسلام کی بے کسی، مسلمانوں کی بے بسی، شعائر اسلامی کی اہانت، آزاد و باعظمت اسلامی سلطنتوں اور ملکوں کی پامالی [illegible] کا سکون

---

(۱) صحیح حدیث میں آتا ہے: "الا ان افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر" (مسند احمد بن حنبل ج ۳ صفحہ ۱۹) مسند ابی سعید الخدری۔

وِنظر ان کے صحیح وزن اور ان کے درجہ حرارت اور ان کے سلسلہ میں اقبالؒ کے الفاظ میں ''دنوں کی تپش اور شبوں کے گداز'' پھر ان کے ہدف ونشانہ کی بلندی اور ان کے میدان کی وسعت اور اس میدان کی دشوار گزاری اور خارزاری سے اتنے ناآشنا تھے کہ لکھنے والے کا یہ احساس غالباً خلاف واقعہ نہ ہوگا کہ مولانا کے عقیدت مندوں کے وسیع حلقہ میں ان مضامین کے پڑھنے والوں میں سے ایک تعداد نے اس کو مولانا کی بلند پایہ ذات کے ساتھ ناانصافی شمار کیا اور اس کو مضمون نگار کی (جس کو خواہ مخواہ اس مجموعۂ مکاتیب پر مقدمہ لکھنے کی زحمت دی گئی) نظر کی نارسائی اور قلم کی کوتاہ بیانی پر محمول کیا، لیکن مجھے اس حقیقت کے اظہار میں اب بھی کوئی تردد یا اس اظہار خیال پر ندامت وشرمساری کا کوئی احساس نہیں ہے، اور میں اب بھی ان دونوں امتیازی صفات کو مولانا کی کثیر الجہات اور عظیم الصفات والکمالات ذات میں مرکزی مقام، اور ان کو ان کی انفرادیت سمجھنے کے لئے ''شاہ کلید'' (MASTER KEY) کا درجہ دیتا ہوں۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ جس جبروتی طاقت اور عظیم سلطنت کے مقابلہ میں وہ میدان میں آئے، اس کا (جہاں تک اسلام اور مسلمانوں، خلافت اسلامی اور آزاد ممالک اسلامیہ اور خود ہندوستان کا تعلق ہے) تاریخی کردار، اس کی اسلام دشمنی، اسلامی سطوت ووحدت کی بیخ کنی، اور خلافت اسلامیہ اور سلطنت عثمانیہ کے زوال واستیصال میں اس کا قائدانہ حصہ، جزیرۃ العرب، حجاز مقدس اور ان عرب ممالک پر اثر ونفوذ قائم کرنے کی کامیاب جدوجہد جو دعوت اسلامی کا منبع وسرچشمہ، مقامات مقدسہ پر مشتمل اور مسلمانوں کی عقیدت ومحبت کا مرکز ہیں، نیز اس عظیم مردم خیز، تاریخ ساز تجدیدی واصلاحی تحریکوں اور علوم دینیہ واسلامیہ کے آخری مرکز ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ اور وہاں کی اس مسلم آبادی پر جس نے اس ملک پر آٹھ سو ۸۰۰ برس تک بڑی شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی تمدنی وتہذیبی، علمی و فکری، سیاسی وانتظامی طور پر اس کو چار چاند لگائے اور اس کو پہلی مرتبہ سیاسی وحدت و مرکزیت اور انسانی وحدت ومساوات اور سماجی عدل وانصاف سے آشنا کیا، ان سفاکانہ مظالم کی داستان بھی سامنے ہو جن کا اعتراف انگریز مصنفین ومؤرخین اور عسکری وانتظامی

شعبے کے ذمہ داروں، نے بھی کیا ہے، اور جن کو پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں...... تاریخی عہد کے تقدم و تأخر کے لحاظ سے پہلے یہ داستان ہندوستان ہی کی کہانی سے شروع کرتے ہیں، جو انیسویں صدی کے وسط کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد خلافت اسلامی سلطنت عثمانیہ اور بلاد عربیہ کے سلسلہ میں اس کے مجرمانہ سیاسی کردار کا ذکر کریں گے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی (جس کو انگریز مصنفین کی تقلید میں ۱۸۵۷ء کا غدر کہا جاتا رہا ہے) صحیح معنی میں عوامی اور قومی جدوجہد تھی اور ہندو مسلمان سب اس میں شریک تھے ہندوستان نے وطن دوستی، اتحاد و گرم جوشی اور جوش و ولولہ کا ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا، جیسا کہ اس وقت دیکھنے میں آیا، پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ قیادت اور رہنمائی کے میدان میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا، اس کے اکثر قائد مسلمان ہی تھے،(۱) اور جیسا کہ سر ولیم ہنٹر نے لکھا ہے:

''اس جنگ میں وہی چنگاریاں کام کر رہی تھیں جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اور مجاہدین نے فروزاں کی تھیں۔''

میرے بھائیو! جنگ آزادی کی یہ کوشش جب ناکام ہوئی تو انگریزوں نے ہندوستانیوں سے سخت انتقام لیا، جس کی داستان لرزہ خیز اور ہوش ربا ہے۔ یہ ایک قتل عام اور نسل کشی تھی، لیکن مسلمان خاص طور سے اس کا نشانہ تھے، اس لئے کہ انگریز یہ سمجھتے تھے کہ یہ اسلامی جہاد تھا اور مسلمان اس بغاوت کے بانی، قائد اور رہنما ہیں۔

ایک انگریز مصنف (HENRY MEAD) کہتا ہے:

''اس سرکشی کو موجودہ مرحلہ میں سپاہیوں کی بغاوت کا نام نہیں دیا جاسکتا، یقیناً اس کا آغاز سپاہیوں سے ہوا، لیکن بہت جلد اس کی حقیقت آشکار ہوگئی، یعنی یہ کہ یہ اسلامی

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''ہندوستانی مسلمان'' کا باب ''ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا حصہ'' صفحہ نمبر ۱۵۴-۱۸۰۔

بغاوت تھی۔"(۱)

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:

"ایک انگریز کا شیوہ یہ ہوگیا تھا کہ ہر مسلمان کو باغی سمجھتا تھا۔ ہر ایک سے پوچھتا ہندو ہے یا مسلمان؟ جواب میں مسلمان سنتے ہی گولی مار دیتا ہے۔"(۲)

پھر پھانسی کا سلسلہ شروع ہوا، عام شاہراہوں، سڑکوں پر پھانسی کے تختے لگا دیئے گئے اور یہ جگہیں انگریزوں کی تفریح اور دلچسپی کا مرکز بن گئیں، جہاں آ کر وہ پھانسی پانے والوں کے سسکنے اور دم توڑنے کے وقت کا لطف لیتے، سگریٹ کا کش لگاتے اور آپس میں باتیں کرتے رہتے، جب پھانسی کا کام پورا ہو جاتا اور وہ مظلوم شخص آخری سانس لیتا تو ہنسی اور مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتے، ان بدنصیبوں میں بڑے بڑے ذی وجاہت اور اشراف تھے، بعض مسلم محلے اس طرح تہ تیغ کر دیئے گئے کہ ایک فرد بھی باقی نہ بچا۔

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:

"ستائیس ہزار ۲۷۰۰۰ اہل اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتل عام رہا، اس کا حساب نہیں، اپنے نزدیک گویا نسل تیموریہ کو نہ رکھا، مٹا دیا، بچوں تک کو مار ڈالا، عورتوں سے جو سلوک کیا بیان سے باہر ہے، جس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے۔"(۳)

میل سن لکھتا ہے:

"ہمارے فوجی افسر ہر قسم کے مجرموں کو مارتے پھرتے تھے، اور کسی درود تاسف کے بغیر انہیں پھانسیاں دے رہے تھے، گویا وہ کتے تھے یا گیدڑ، یا نہایت ادنی قسم کے کیڑے مکوڑے۔"(۴)

---

(1) LORD ROBERTS, FORTY ONE YEARDS IN INDIA, P.152

(۲) ۱۸۵۷ء از غلام رسول مہر۔

(۳) قیصر التواریخ جلد دوم، از سید کمال الدین حیدر صفحہ نمبر ۴۵۴۔

(۴) میلی سن، جلد دوم صفحہ نمبر ۱۷۷۔

فیلڈ مارشل لارڈ رابرٹس نے ۲۱/ جون ۱۸۵۷ء کو اپنی والدہ کو ایک خط میں لکھا:

''سزائے موت کی سب سے زیادہ موثر صورت یہ ہے کہ مجرم کو توپ سے اڑا دیا جائے۔ یہ بڑا ہی خوفناک نظارہ ہوتا ہے، لیکن موجودہ وقت ہم احتیاط پر کار بند نہیں ہو سکتے، ہمارا مقصد ان بدمعاش مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ خدا کی مدد سے انگریز اب بھی ہندوستان کے مالک رہیں گے۔''(۱)

ان سفاکانہ مظالم اور قتل عام کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ مسلمانوں پر معاش کے دروازے بند کئے جائیں، ان کے اوقاف اور جائدادوں کو ضبط کیا جائے، جن سے ان کے مدارس اور ادارے چلتے ہیں، ایسے مدارس کھولے جائیں اور ایسا تعلیمی نظام قائم کیا جائے جس سے مسلمان فائدہ نہ اٹھا سکیں، اسی کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی متعدد جلیل القدر ہستیوں کو حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دے کر انڈمان روانہ کر دیا گیا۔(۲) جن میں سے کئی حضرات نے وہیں وفات پائی۔

دوستو اور بزرگو! یہ حالات وحقائق تھے جنہوں نے اہل حمیت مسلمانوں اور خاص طور پر ان علمائے ربانی اور اساطین ایمانی کے (خالص دینی حمیت، انسانی غیرت اور حب الوطنی کے جذبہ سے) دلوں کو زخمی کر دیا، ان میں سرفہرست حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت قدسیہ کے باقی ماندہ افراد، مسلک ولی اللّٰہی کے حامل، اور وہ عالی نظر علماء تھے، جو انگریزی حکومت اور اقتدار کو اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا حریف، مادی ولا دینی تحریک کا علم بردار، پورے مشرق وایشیا کی عزت کو خاک میں ملانے والا، اور دنیا کی تہذیب وسیاست کو ایسا رخ دینے والا سمجھتے تھے، جس میں روحانیات واخلاقیات بلکہ انسانی قدروں کے بھی پنپنے اور باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

دار العلوم دیو بند کے صدر مدرس شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور ان

---

(۱) EDWARD THOMPSON , THE OTHER SIDE OF THE MEDAL -P.40 (1926)

(۲) مثلاً مولانا یحییٰ علی صاحب صادق پوری، مولانا محمد جعفر تھانیسری، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی وغیرہ۔

کے تلامذہ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور اس کی قیادت کی۔

ہندوستان کے اس حصہ کو ہم اسی جگہ چھوڑتے ہوئے اب خلافت اسلامیہ، سلطنت عثمانیہ اور بلاد عربیہ کی طرف آتے ہیں۔

مغربی طاقتوں نے خلافت اسلامیہ اور سلطنت عثمانیہ کو ہمیشہ اس نظر سے دیکھا کہ وہ ایک طرف اسلام کی پاسبان، مسلمانوں کی عزت وعظمت کا نشان، حجاز مقدس، جزیرۃ العرب اور مقامات مقدسہ کی امین اور ان کی حفاظت کا حصار اور مسلمانوں کی سیاسی طاقت، وحدت، خود اعتمادی وخود شناسی کی ضامن ومحافظ ہے، دوسری طرف وہ یورپ کے سینہ پر ایک کیل ہے جس نے اس کو صدیوں سے بے چین کر رکھا ہے، اس احساس میں برطانیہ جس نے چھٹی صدی ہجری اور بارہویں صدی عیسوی میں صلیبی جنگ میں بھی قائدانہ کردار ادا کیا تھا، اور ''شیر دل'' رچرڈ نے اس کی نمائندگی کی تھی، پیش پیش تھا، اسی کی تحریک اور اشارہ سے بلقان کی جنگ کا طویل سلسلہ شروع ہوا، جس کا مقصد یورپ میں ترقی کی مقبوضات اور مستعمرات کو آزاد کرانا اور ترکی سلطنت کو کمزور اور محدود سے محدود تر کر دینا تھا، اسی سلسلہ کا ایک اہم حصہ شریف مکہ (شریف حسین) کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا اور ان کو خلافت کے منصب پر فائز کرنے کا وعدہ تھا، ۱۹۱۴ء میں جب جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو برطانیہ کے نمائندے اور مصر کے امور کے ذمہ دار لارڈ کچز نے شریف حسین کو ان کے صاحبزادہ شاہ عبداللہ اور دوسرے بااثر لوگوں کے ذریعہ اتحادیوں کا ساتھ دینے اور خلیفۂ عثمانی کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کر لیا، اور ان کو منصب خلافت پر فائز ہونے اور حجاز کا مطلق العنان حاکم بننے کے سبز باغ دکھا کر اور مؤکد وعدوں اور تحریری دستاویزوں کے ذریعہ اس اقدام پر آمادہ کر لیا، جو مسلمانوں کی پچھلی تاریخ میں عرصۂ دراز تک ایک بدنما داغ اور ایک شرم ناک واقعہ کے طور پر ذکر کیا جاتا رہے گا۔ ۳۰ اگست ۱۹۱۵ء سے ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء تک حکومت برطانیہ کے مؤقر نمائندوں اور شریف مکہ کے درمیان خطوط اور رسائل کا تبادلہ ہوتا رہا، اور ان کو یقین دلایا جاتا رہا کہ ان کو اس اقدام کا پورا صلہ اور انعام ملے گا، لیکن جنگ عظیم کے خاتمہ پر ۱۹۱۸ء

میں جب روز روشن کی طرح یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ یہ سب وعدے سیاسی فریب اور نقش برآب تھے، ان کے بلند حوصلہ صاحبزادہ فیصل بن حسین کو شام سے جسے انہوں نے سابقہ وعدوں کی بناء پر اپنے قبضہ میں لے لیا تھا، بیک بني ودو گوش'' نکلنا پڑا، اور فرانس نے اس ملک کا چارج لیا، اسی طرح لبنان پر فرانس نے اور فلسطین و بیت المقدس پر برطانیہ نے اپنا انتداب قائم کیا تو ان سب معاہدات کی قلعی کھل گئی، جو برطانیہ اور شریف حسین کے درمیان ہوئے تھے ۔اس زمانہ میں جب عرب پورے اخلاص کے ساتھ خلافت عثمانی کے بالمقابل اتحادیوں کے حلیف بن کر ترکوں سے لڑ رہے تھے، روس میں کمیونسٹ انقلاب آیا، اور ۱۹۱۷ء میں کمیونسٹ حکومت قائم ہوگئی، اس وقت وہ تمام خفیہ معاہدے منظر عام پر آ گئے جو قیصر کی حکومت کے زمانہ میں ہوئے تھے، یا جس میں وہ ایک فریق تھے، انہیں معاہدات اور دستاویزوں میں سائیکس بیکو کا وہ معاہدہ تھا جو برطانیہ اور فرانس کے درمیان ۱۹۱۶ء میں ہوا تھا، جس میں فریقین نے جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد مشرق وسطی میں سلطنت عثمانیہ کو مردہ آدمی کے ترکہ کی طرح تقسیم کیا تھا، اور اس کے حصے بخرے کر دیئے تھے۔ شریف حسین کو ترکوں کے واسطہ سے جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے سر میکموہن سے اس کی حقیقت معلوم کی، انگریزوں نے اس وقت بھی یہی کہا کہ وہ اپنے قدیم وعدوں پر قائم ہیں اور وہ عربوں کی آزادی اور عربی وحدت کے اعلان کا بھی عزم کر چکے ہیں لیکن جلد ہی اس فریب کا پردہ چاک ہوگیا، اور ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو برطانیہ اور فرانس نے سائیکس بیکو کے معاہدہ ہی کے مطابق شام و فلسطین و عراق کو تقسیم کرلیا، جس میں شام، صوبہ بیروت، جبل لبنان و کیلیکیا شام کے حصہ میں فلسطین و عراق انگریزوں کے حصہ میں آئے، اور شریف حسین کو حجاز چھوڑ کر پہلے اپنے صاحبزادہ شاہ عبداللہ کے پاس عمان پھر قبرص میں پناہ لینی پڑی، جہاں انہوں نے غریب الوطنی اور کسمپرسی کی حالت میں ۱۹۲۱ء میں جان دی۔

عرب فاضل محمد جمیل بیہم اپنے فاضلانہ مقالہ " انتفاضات العرب القومية'' شائع شدہ ''مجلة اللغة العربية'' دمشق (ستمبر ۱۹۷۲ء) میں لکھتے ہیں کہ:

''میں شریف حسین سے قبرص میں جوان کی جلاوطنی کی جگہ تھی، جب ۱۹۲۹ء میں ملا تو روئی کے ایک تھیلہ میں بندھے ہوئے ان معاہدات کوانہوں نے مجھے دکھایا۔ جب میں نے ان سے ان کی یادداشتوں کے ایک سلسلہ میں ترتیب دینے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے کہا: اترکھا علی برکات اللہ''(۱)

میرے دوستو! راقم سطور جب ۱۹۵۱ء میں بیت المقدس حاضر ہوا تو مسجد اقصیٰ کی ایک حاضری کے موقعہ پر ایک معمر بزرگ سے ملاقات ہوئی جو مفتی سید امین الحسینی صاحب مرحوم کے رفیق اور معتمد رہ چکے تھے، انہوں نے کہا کہ میں ایک مرتبہ مفتی صاحب کی ہمرکابی میں شریف حسین کی عیادت کے لئے عمان گیا، ہمیں دیکھ کر شریف مکہ نے کہا کہ مجھے بٹھادو، ان کو بٹھا دیا گیا، انہوں نے شاہ عبداللہ کو خطاب کر کے کہا:

''یا عبداللہ! اعتبر، اذکر اتعظ''

(ترجمہ)(عبداللہ! عبرت حاصل کرو، ہوش کی آنکھیں کھولو، سبق لو، یہ انگریز کسی کے نہیں ہیں۔)

شاہ عبداللہ نے کہا کہ آرام فرمایئے! اور ان کو لٹا دیا۔

ترکی کے حصے بخرے کرنے اور بلاد عربیہ اور جزیرۃ العرب پر اپنا سیاسی اثر ونفوذ اور تسلط قائم کرنے سے زیادہ خطرناک وہ دوررس، انقلاب انگیز اور منحوس فیصلے اور تبدیلیاں تھیں جو برطانیہ نے ترکی کی نئی قائم ہونے والی سلطنت سے (جس کی قیادت مصطفیٰ کمال پاشا اتاترک کررہے تھے) کرائیں، اور جنہوں نے ترکی کو خلافت اسلامی کا امین ومحافظ، ایک پرجوش، جاں نثار، حامی اسلامی، سربکف مجاہد اور جزیرۃ العرب اور مقامات مقدسہ کا متولی بننے کے بجائے ایک لادینی، آزاد مغربی طرز کی سکولر سلطنت بننے میں تبدیل کردیا۔ مارچ ۱۹۲۴ء کی تاریخ تھی جب قسطنطنیہ کی مجلس وطنی نے الغاء خلافت کا فیصلہ کیا، یہ فیصلہ مغربی طاقتوں، بالخصوص برطانیہ کے اشارہ بلکہ اصرار سے عمل میں آیا، ''تاریخ الدولۃ العثمانیہ'' کا فاضل مصنف ڈاکٹر علی حسون لکھتا ہے:

---

(۱) مجلہ ص ۶۸۷۔

''انگلستان نے اس اعلان کے فوراً بعد ترکی کو بحیثیت ایک آزاد سلطنت کے تسلیم کیا اور اسکی فوجیں ترکی کے حدود سے باہر نکل آئیں، برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے مجلس عوام (HOUSE OF COMMONS) میں اس کارروائی پر احتجاج کیا، اس کا جواب کرزن نے ان الفاظ میں دیا کہ:

''مسئلہ یہ ہے کہ ترکی کا ایسا زوال عمل میں آ گیا ہے کہ اس کے بعد پھر اس کا عروج نہیں ہوگا، اس لئے کہ ہم نے اس کی روحانی ومعنوی طاقت (خلافت اسلامی) کو ختم کر دیا ہے۔''(۱)

اس کے ساتھ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ لوزان کانفرنس میں برطانوی وفد کے صدر کرزن نے ترکی کو تسلیم کرنے کے لئے چار شرطیں رکھی تھیں، (۱) خلافت اسلامیہ کا مکمل خاتمہ، (۲) خلیفۃ المسلمین کی جلاوطنی، (۳) ان کے مال وجائداد کی ضبطی، (۴) حکومت کے لادینی (سیکولر) ہونے کا اعلان، جس کو اگرچہ ترکی وفد نے اس وقت منظور نہیں کیا لیکن کمال اتاترک کی کوششوں سے بالآخر پارلیمنٹ نے اس کو منظور کیا، اور مغربی طاقتوں کا جس میں برطانیہ پیش پیش تھا، وہ خواب پورا ہوا جو عرصہ سے دیکھ رہی تھی۔

یہ وہ تاریخی سانحہ اور المیہ تھا جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اور ان میں سب سے زیادہ علماء کے طبقہ کو اور ان میں بھی اس جماعت کو جس کے دل میں حمیت اسلامی کا دریا جوش مار رہا تھا اور جس کو اپنے اسلاف سے عزیمت وجہاد، حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی دولت ورثہ میں ملی تھی، بے چین اور مضطرب بنا دیا اور مغربی طاقتوں، بالخصوص برطانیہ کے خلاف ایک ایسی نفرت، بیزاری پیدا کر دی جس کی نظیر برطانیہ کے دوسرے مقبوضہ ممالک میں دیکھنے میں نہیں آئی، ان کی اس حمیت اسلامی نے تحریک خلافت کی شکل میں وہ عظیم تحریک پیدا کی جس کی دوسرے اسلامی ملکوں میں نظیر نہیں ملتی۔

---

(۱) تاریخ الدولۃ العثمانیہ ص ۳۰۲، مطبوعہ مکتبہ اسلامی دمشق، بیروت۔

طبقۂ علماء میں اس کے نمایاں ترین قائد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی، مولانا قیام الدین عبد الباری لکھنوی، مولانا معین الدین اجمیری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی وغیرہ، اور طبقۂ علماء کے باہر رئیس الاحرار مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، حاذق الملک حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر انصاری وغیرہ تھے۔

دسمبر ۱۹۱۶ء میں حضرت شیخ الہند اور آپ کے رفقاء کو جن میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، مولوی عزیر گل صاحب، حکیم مولوی نصرت حسین صاحب تھے، حجازی حکام نے گرفتار کر کے انگریزی حکومت کے حوالہ کر دیا، جس نے انہیں پہلے مصر پھر مالٹا میں اسیر و نظر بند رکھا، یہ حضرات وہاں تین سال دو ماہ رہ کر فروری ۱۹۲۰ء میں رہا ہو کے جون ۱۹۲۰ء میں ہندوستان آئے، لیکن حکیم نصرت حسین صاحب کوڑوی کا وہیں انتقال ہوا۔ (۱)

تحریک خلافت نے ہندوستان میں جو جوش ایمانی، غیرت اسلامی، حمیت دینی، بلند نگاہی اور مصائب و محن پر صبر و استقامت کی شان پیدا کر دی تھی، اس کو "حمیت" و "عزیمت" کے الفاظ سے بہتر الفاظ (بشرطیکہ ان کے صحیح وزن اور درجۂ حرارت کو سمجھا جائے) نہیں مل سکتے، اور اس کا مظہر اتم اور نمونۂ کامل حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی تھے، جن کی انگریز دشمنی اور حمیت دینی فکری و اعتقادی حدود سے آگے بڑھ کر قلبی و جذباتی نفرت و عداوت اور قتال سے آگے بڑھ کر حال میں تبدیل ہوگی۔ (۲) اس موقعہ پر مولانا کے ایک مکتوب کا اقتباس پیش کر رہا ہوں جس سے ان کی دینی حمیت،

---

(۱) اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال تھی۔ (۲) اس کا کسی درانداز مولانا کی مجلس میں بیٹھنے والوں، اور فجر کی نماز میں قنوت نازلہ سننے والوں کو ہو سکتا تھا کہ جب مولانا دشمنان اسلام کے لئے اللهم دمر ديارهم ونكس اعلامهم وزلزل اقدامهم وفل حدهم اهزم جندهم، اللهم خذهم اخذ عزيز مقتدر کے الفاظ ادا کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ محراب میں اس کے اثر سے شگاف پڑ جا ئیں۔

انگریز دشمنی اور حب الوطنی کا کس قدر اندازہ ہوتا ہے اور اس کے اسباب پر روشنی پڑتی ہے، اس کی مزید تفصیل اور شرح وبسط ''نقش حیات'' میں ملے گا۔ (۱)

دشمن کی حقیقت

''میرے محترم دوست! آپ کو معلوم ہے کہ اگر چہ تمام غیر اسلامی مذاہب اور ان کے ماننے والے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، مگر سب دشمن ایک طرح کے نہیں ہوتے، کوئی بڑا ہے کوئی چھوٹا ہے، ہر دشمن سے اس کے درجہ کے موافق مقابلہ کرنا لازم ہوگا، جب سے اسلام نے ظہور کیا ہے، انگریز کے برابر اسلام اور مسلمانوں کو کسی قوم نے نقصان نہیں پہنچایا، انگریز دو سو ۲۰۰ برس سے زیادہ عرصہ سے اسلام کو فنا کر رہا ہے، اس نے ہندوستان کی اسلامی طاقت کو فنا کیا، بادشاہوں اور نوابوں اور امراء کو قتل کیا، ان کی فوجوں کو برباد کیا، حکومت ہائے اسلامیہ کو تہہ وبالا کیا، خزانوں کو لوٹا، اپنے اقتدار کا خزانہ قائم کیا، اپنے قوانین کو جاری کیا، ہندوستان کی تجارت، صنعت وحرفت، علم وتہذیب وغیرہ کو برباد کیا، ٹیکسوں اور لگانوں وغیرہ کے ذریعہ سے ہر قسم کی مالی لوٹ جاری کر کے اپنے ملک کو غنی اور ہندوستان کو کنگال بنایا۔ ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو انتہائی ذلیل، نادار، بے کار، بے روزگار بنایا۔ مسلمانوں سے ہندوستان کے دوسرے مذہب والوں کو متنفر کر کے دشمنی کی آگ بھڑکائی اور ہر جگہ بے ہتھیار اور کمزور کیا، ہندوستان میں اسلامی قوانین کے خلاف شراب اور منشیات کی آزادی، زنا اور بدکاری کی آزادی، الحاد وزندقہ وارتداد کی آزادی، عدالتوں میں خلاف اسلام قانون کا اجراء اور وہاں کے موافق فیصلے جاری کئے، محکمہ قضا کے خلاف معاہدہ مٹا کر مسلمانوں کے اسپیشل قوانین کو ملیامیٹ کیا، وغیرہ وغیرہ۔ ہندوؤں کو قصداً بڑھا کر ہر محکمہ اور ہر شعبۂ زندگی میں قومی تر کیا، اور سود در سود کو جاری کیا۔ غرض کہ ہر طرح سے اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان میں برباد کیا، اور جب کہ مسلمانوں نے اپنے فطری اور شرعی حق آزادی کے لئے جدوجہد کی تو ان پر اس قدر مظالم کئے کہ ان کی یاد سے بھی دل تھراتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی تاریخ اور ان سے پہلے

(۱) ملاحظہ ہو ص ۱۳۱ تا آخر کتاب ص ۳۳۶۔

کے واقعات دیکھئے، معاہدات اور وعدے جو ۱۸۵۷ء سے پہلے کئے تھے اور ۱۸۵۷ء میں ہوئے، ان کو بار بار توڑتے رہے، غرض کہ ہندوستانی مسلمانوں کے خصوصاً اور تمام ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ عموماً وہ شرمناک معاملے کئے کہ وہ ہندوستان جو کبھی جنت نشان تھا جہنم نشاں بن گیا، وہ ہندوستان جو کہ دولت وثروت کا مرکز تھا وہ فقرو فاقہ، افلاس وتنگدستی کا اڈہ ہو گیا۔ وہ ہندوستان جو کہ علم وحکمت کا سمندر تھا، وہ جہالت اور بد دینی کا چٹیل میدان ہو گیا، وہ ہندوستان جو تمام دنیا کا محتاج الیہ تھا، وہ سب سے زیادہ مفلس، قلاش، مسکین، فاقہ مست، بے کمال، بے روزگار، گرانی اور پس ماندگی کا شکار ہو گیا، یہ مظالم تو تھے ہی جن میں مسلمان سب سے زیادہ تباہ ہوئے۔" (۱)

برطانیہ کی اسلام دشمنی کا دوسرا اور ممالک عربیہ اور مقامات مقدسہ کو (جن کی وحدت اور آزادی کے وعدہ پر شریف حسین کو خلیفۃ المسلمین اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف آمادہ کیا تھا) ہمیشہ کے لئے داؤ پر لگا دینے کا منحوس اقدام، فسلطین میں اسرائیل کی آزاد حکومت کا قیام ہے جو ۱۹۴۸ء میں خالص برطانیہ کی سرپرستی میں عمل میں آیا، اور جو عالم عربی کے جسم میں ایک ناسور کی حیثیت رکھتا ہے اور جس نے پورے فلسطین صنفہ غربیہ اور سینا اور لبنان کو یہودیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اسلام دشمنی اور عربوں کے مفاد کے خلاف اس پچھلے عہد میں کسی مغربی طاقت کی طرف سے کوئی منصوبہ یا اقدام وجود میں نہیں آیا۔

حضرات یہاں اس تاریخی حقیقت کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے عظیم ملک پر سات سمندر پار کی ایک بدیشی قوم کا جس کی تہذیب، کلچر، زبان، مذہب اور سیاسی مقاصد اس ملک سے کوئی میل نہیں کھاتے تھے، حکومت کرنا ایک غیر فطری، غیر عقلی اور غیر اخلاقی صورت حال تھی، جس میں زیادہ دنوں تک باقی رہنے کی صلاحیت نہیں تھی، کسی نہ کسی دن ملک کی روح اور ضمیر کا اس کے خلاف بغاوت کرنا اور اس کی حکومت

(۱) مکتوبات شیخ الاسلام حصہ دوم صفحہ ۸۱، ۸۲، ۸۴ مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی۔

کے جوئے کو اتار کر پھینک دینا اور ملک کا آزاد ہو جانا ایک فطری عمل تھا، اور زمانۂ قریب و بعید میں اس ملک کا آزاد ہونا تقدیر الٰہی اور اقوام وملل کی تاریخ کا پرانا تجربہ اور بار بار پیش آنے والا واقعہ تھا، اس لئے اس جنگ آزادی میں جو اس ملک کے محبان وطن اور باعزت او رباضمیر انسانوں نے انیسویں صدی کے آخر ہی میں شروع کر دی تھی، مسلمانوں کا قائدانہ حصہ لینا، اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ طبقۂ علماء کا پیش پیش ہونا، نہ صرف حب الوطنی کا تقاضا اور اس ملک کا (جس میں انہوں نے صدیوں تک امن وامان اور سکون واطمینان کے ساتھ آزاد مذہبی زندگی گزاری تھی اور دین وعلوم دینیہ کی خدمت کی تھی) اخلاقی و دینی فرض تھا، بلکہ دینی بصیرت، بالغ نظری، حقیقت پسندی اور انجام بینی کا بھی تقاضا تھا، اس لئے کہ جس ملک کو اجنبی طاقت سے آزاد کرانے میں اہل دین کا قائدانہ حصہ نہیں ہوتا، اس ملک کے آزاد ہونے کے بعد ان کو اس ملک میں اپنے ملی تشخص کے بقا اور اس سرزمین پر عزت واعتماد کے ساتھ رہنے کا مطالبہ کرنے اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کا موقع نہیں رہتا اور وہ اس ملک کی جدید تعمیر وتشکیل میں آزادانہ و مساویانہ حصہ لینے کے مدعی اور طلبگار نہیں بن سکتے کہ الغنم بالغرم (نقصان اٹھانے کے بقدر فائدہ حاصل کرنے کا استحقاق ہوتا ہے) کا اصول ہر زمانہ میں تسلیم کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، ان کی جماعت (جمعیۃ العلماء) ان کے رفقائے کار، اور جنگ آزادی میں حصہ لینے والے اور اس کے سلسلہ میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھانے والے مخالفین کی ناراضگی اور مقاطعہ کا نشانہ بننے والے علماء اور اہل دین کا (جن کا سرخیل اور پیشوا شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ تھے) ملت اسلامیہ ہندیہ پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اپنی قربانیوں، خلوص و بے غرضی، ہمت وعزیمت اور صبر واستقامت سے (جو اکثریت کے بڑے سے بڑے قائدین کی قربانیوں سے کم نہیں) ہندوستان کی ملت اسلامی کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اس سرزمین پر اعزاز وافتخار کے ساتھ سر اونچا کر کے چلے، بڑی سے بڑی سیاسی اور مدعی ایثار وقربانی جماعت سے آنکھیں ملا کر بات کرے، اور اپنے دین وشریعت، اپنی زبان وتہذیب، اپنے عائلی قانون (PERSONAL LAW) اور ملک کی آئین سازی اور نظام تعلیم میں اپنے تشخص اور اپنی ملی ضروریات کے تحفظ کا

(احساس کمتری کے ادنی شائبہ کے بغیر) مطالبہ کرے اور اس کے لئے جدوجہد کو جائز ہی نہیں ضروری سمجھے، یہ ملت پر اتنا بڑا احسان ہے جس سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی اور تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتی، ان دینی قائدین اور مجاہدین آزادی کو بہ بانگ دہل یہ اعلان کرنے کا حق ہے کہ

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بخونِ دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

حضرات! ہندوستان کی ملت اسلامی ملک کے آزاد ہونے ۳۰/۴۰ سال بعد پھر ایک ایسے دوراہے پر پہنچ گئی ہے جہاں سے ایک راستہ ملت کے اپنے دینی، تہذیبی لسانی و ثقافتی تشخص کے ساتھ باقی رہنے کی طرف جاتا ہے، دوسرا راستہ اپنے ہر قسم کے ملی، دینی و تہذیبی تشخص (IDENTITY) سے محرومی اور تعلیمی پالیسی، لسانی فارمولے، ذرائع ابلاغ، یکساں سول کوڈ (UNIFORM CIVIL CODE) اور جارحانہ احیائیت (AGGRESSIVE REVIVALISM) معنوی نسل کشی (CULTURAL GENOCIDE) کی طرف لے جاتا ہے۔ اس موقعہ پر پھر ایسے رہنما یا رہنماؤں کی ضرورت ہے جو حضرت مدنیؒ کی حمیت و عزیمت کے ساتھ میدان میں آئیں اور اس ملت کو عرصہ تک کے لئے ان خطرات سے محفوظ کریں۔

حضرت مدنیؒ کا اصول زندگی

آخر میں اپنی تقریر کو خود حضرت مدنیؒ کے ایک پسندیدہ شعر پر ختم کرتا ہوں، جس کو انہوں نے اپنا اصول زندگی بنالیا تھا اور جس کا مفاد یہ ہے کہ وہ ''شاہ خوباں'' (خدائے بالا و برتر) اپنی رضا و مقبولیت اور خلق خدا میں اعتماد و قبولیت کا جام ''سرکشیدہ'' کے بجائے ''سر بریدہ'' کو اور ''خود بینی و خود رستی'' کے بجائے ایثار و قربانی کو اپنا شعار بنانے والے کو اور ان کو عطا فرماتا ہے جو ''فنا'' کے راستہ سے ''بقا'' تک پہنچتے ہیں۔

یہ شعر مولاناؒ نے اپنے ایک مخلص خادم کو لکھا تھا اور وہ خط ہمارے خاندانی مرقعۂ خطوط میں محفوظ ہے

نمی دانی کہ آں شاہ نکو نام
بدست سر بریدہ می دہد جام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت کا پیغام
موجودہ دور کے مسلمانوں کے نام

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الا نبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین اما بعد! اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ.

بعثت رسول ﷺ کا منظر:

محترم حضرات! سب جانتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی دنیا کچھ ویران اور کوئی قبرستان نہ تھی، زندگی کا چکر جس طرح اس وقت چل رہا ہے بہت تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس وقت بھی چل رہا تھا، سارے کاروبار آج کی طرح ہو رہے تھے، تجارت بھی تھی، زراعت بھی تھی، اور حکومتوں کا نظام چلانے والے اور ان کی مشنری میں فٹ ہونے والے بھی موجود تھے، اس وقت کی دنیا، لوگ اس زندگی پر بالکل قانع اور مطمئن تھے، اور ان کو اس میں کسی ترمیم یا اصلاح یا تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنی زمین کا نقشہ اور دنیا کی یہ حالت بالکل پسند نہ تھی، حدیث میں اس زمانے کے متعلق ہے۔

ان اللہ نظر الی اہل الارض فمقتھم عربھم وعجمھم الا بقایا عن اہل الکتاب.

(ترجمہ) (اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر نظر ڈالی اس نے روئے زمین کے تمام باشندوں کیا

عرب کیا عجم سب کو بے حد ناپسند فرمایا اور وہ ان سے بے زار ہوا، سوائے چند اہل کتاب کے)

ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک پوری قوم کے ظہور کا سامان کیا، ظاہر ہے کہ ان کو کسی ایسے مقصد کے لئے پیدا کیا تھا، جو دوسری قوموں سے پورا نہیں ہو رہا تھا، جو کام وہ پورے انہماک اور شوق کی ساتھ انجام دے رہے تھے، اس کے لئے ظاہر ہے کہ کسی نئی امت کو پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی، اور انسانی زندگی کے اس پرسکون سمندر میں اس نئے تلاطم کی حاجت نہ تھی، جو مسلمانوں کے وجود سے ظہور میں آیا اور جس نے زمین میں ایک زلزلہ ڈال دیا، اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں نے عرض کیا کہ تسبیح و تقدیس کے لئے ہم نیازمند بہت کافی تھے،...... اس کے لئے اس خاکی پتلہ کو پیدا کرنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"انی أعلم ما لا تعلمون"

(ترجمہ) گویا اشارہ فرمایا (اور آگے چل کر واضح کر دیا) کہ آدمؑ صرف اسی کام کے لئے پیدا نہیں ہوئے جو ملائکہ انجام دے رہے تھے، ان سے خدا کو کچھ اور کام لینا ہے۔

انسان ایک نئے کام کیلئے پیدا کئے گئے:

اگر مسلمان صرف تجارت کے لئے پیدا کئے جا رہے تھے تو مکہ کے ان تاجروں کو جو شام و یمن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے، اور مدینہ کے ان بڑے یہودی سوداگروں کو جن کے بڑے بڑے گڑھ بنے ہوئے تھے، یہ پوچھنے کا حق تھا کہ اس خدمت کے لئے ایک نئی امت پیدا کی جارہی ہے، اگر زراعت مقصود تھی تو مدینہ اور خیبر کے، طائف اور نجد کے، شام اور یمن اور عراق کے کاشت کاروں اور زراعت پیشہ آبادی کو یہ پوچھنے کا حق تھا کہ کاشت کاری اور زراعت میں ہم محنت و کوشش کا کون سا دقیقہ اٹھا رکھتے ہیں کہ جس کے لئے ایک نئی امت کی بعثت ہو رہی ہے، اگر دنیا کی چلتی ہوئی مشنری میں صرف فٹ ہونا

تھا، اور حکومتوں کے نظم ونسق اور دفتری کاروبار کو معاوضہ لے کر چلاتا تھا تو روم وایران کے کارپردازان سلطنت کو یہ کہنے کا حق تھا کہ اس فرض کی انجام دہی کے لئے ہم بہت ہیں، اور ہمارے بہت سے بھائی بے روزگار ہیں، اس کے لئے نئے امیدواروں کی کیا ضرورت ہے؟

لیکن درحقیقت مسلمان بالکل ہی ایک نئے اور ایسے کام کے لئے پیدا کئے جارہے تھے، جو دنیا میں کوئی نہ انجام دے رہا تھا، اور نہ دے سکتا تھا اور اس کے لئے ایک نئی امت ہی کی بعثت کی ضرورت تھی۔

چنانچہ فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ. (ال عمران ۱۱۰:۳)

(ترجمہ) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

میرے بزرگو! اور دوستو! اسی مقصد کی خاطر لوگ وطن سے بے وطن ہوئے اپنے کاروبار کو نقصان پہنچایا، اپنا عمر بھر کا اندوختہ لٹایا، اپنی جمی جمائی تجارتوں پر پانی پھیرا، اپنی کھیتی باڑی اور باغات کو ویران کیا، اپنے عیش وتنعم کو خیر باد کہا، دنیا کی تمام کامیابیوں اور خوش حالیوں سے آنکھیں بند کرلیں اور زریں موقعے کھودیئے، پانی کی طرح اپنا خون بہایا اور اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی عورتوں کو بیوہ کیا، ان مقاصد ومشاغل کے لئے جن پر آج مسلمان قانع نظر آتے ہیں اس ہنگامہ آرائی اور اس محشر خیزی کی ضرورت نہ تھی، اس کے حصول کا راستہ تو بالکل بے خطر اور ہموار تھا اور اس راستہ پر معاصر دنیا سے کوئی بڑی کشمکش اور تصادم نہیں تھا، اور نہ یہ اہل عرب اور دنیا کی دوسری قوموں کے لئے وجہ شکایت تھی، انہوں نے تو بار بار انہیں چیزوں کی پیش کش کی (جو آج عام مسلمانوں کا منتہا ہے) اور ہر بار اسلام کے داعی نے ان کو ٹھکرایا، دولت وسرداری، عیش وعشرت اور راحت وتن آسانی کی بڑی پیش کش کو نامنظور کیا، پھر اگر مسلمان کو اسی سطح پر آجانا تھا جس

پر زمانۂ بعثت کی تمام کافر قومیں تھیں، اور اس وقت بھی دنیا کی تمام غیر مسلم آبادی ہے، اور زندگی کے انہیں مشاغل میں منہمک اور سرتاپا غرق ہو جاتا تھا، جن میں اہل عرب اور رومی و ایرانی ڈوبے ہوئے تھے، اور انہیں کامیابیوں کو اپنا منتہائے زندگی بنالینا تھا جن کو ان کے پیغمبر (ﷺ) اس کے بہترین موقع پر رد کر چکے تھے تو یہ اسلام کی ابتدائی تاریخ پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے۔ اور اس بات کا اعلان ہے کہ انسانوں کا وہ بیش قیمت خون جو بدر وحنین واحزاب اور قادسیہ ویرموک میں بہایا گیا، بے ضرورت بہایا گیا۔

حضرات

آج اگر سرداران قریش کو کچھ بولنے کی طاقت ہو تو مسلمانوں کو خطاب کر کے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم جن چیزوں کے پیچھے سرگرداں ہو اور جن چیزوں کو تم نے اپنا حاصل زندگی سمجھ رکھا ہے انہیں چیزوں کو ہم گنہگاروں نے تمہارے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سامنے پیش کیا تھا، وہ تمام چیزیں اس وقت خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر حاصل ہو سکتی تھیں تو کیا ساری جدوجہد کا حاصل اور ان تمام قربانیوں کی قیمت وہ طرز زندگی ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے اور زندگی واخلاق کی وہی سطح ہے جس پر تم نے قناعت کر لی ہے، اگر ان سرداران قریش میں سے جو اسلام کے حریف تھے، کسی کو یہ جرح کرنے کا موقع ملے تو آج ہمارا کوئی بڑے سے بڑا لائق وکیل بھی اس کا تشفی بخش اور مسکت جواب نہیں دے سکتا اور امت کے لئے اس پر شرمندہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں، رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے متعلق یہی خطرہ تھا کہ وہ دنیا میں پڑ کر اپنا مقصد نہ بھول جائیں، اور دنیا کی عام سطح پر نہ آجائیں، آپ نے وفات کے قریب جو تقریر فرمائی اس میں مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

"ما الفقر اخشیٰ علیکم ولکنی اخشی ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علیٰ من کان قبلکم فتنافسو ھا کما تنا فسو ھا فتھلککم کما أھلکتھم." (بخاری و مسلم)

(ترجمہ) مجھے تمہارے بارے میں کچھ فقر و افلاس کا خطرہ نہیں ہے مجھے تو اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں دنیا میں تم کو بھی وہی کشائش نہ حاصل ہو جائے جیسی تم سے پہلے لوگوں کو حاصل ہوئی تو تم بھی اسی طرح اس میں حرص و مقابلہ کرو جیسے انہوں نے کیا تو تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسے ان کو ہلاک کیا۔

میرے بھائیو !مدینہ کے انصاریوں نے جب اس بات کا ارادہ کیا کہ جہاد کی مشغولیت اور اسلام کی جدوجہد سے کچھ دنوں کی فرصت حاصل کر کے اپنے باغوں کھیتوں اور کاروبار کو درست کر لیں اور کچھ مدت کے لئے صرف اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کی اجازت حاصل کر لیں، یہ خطرہ بھی ان کے دل میں نہیں گزر سکتا تھا کہ وہ ارکان دین نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ سے بھی کچھ دنوں کے لئے اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کے لئے اپنے آپ کو مستثنیٰ کرالیں لیکن اسلام کی عملی جدوجہد اور دین کے فروغ اور اس کے غلبہ کی کوشش سے ان کی اس عارضی یکسوئی کو بھی خودکشی کا مترادف قرار دیا گیا اور سورۂ بقرہ کی آیت نازل ہوئی جس کی تفسیر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اس طرح کی ہے:۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ. (بقرہ ۱۹۵)

(ترجمہ) اللہ کے راستہ پر خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور اچھی طرح کام کرو بے شک اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مسلمانوں کی اصلی شناخت یہی ہے کہ یا تو اسلام کی دعوت اور عمل جدوجہد میں مشغول ہو یا اس دعوت وعملی جدوجہد میں مشغول ہونے والوں کے لئے پشت پناہ و مددگار ہو، اس کے ساتھ بھی عملی جدوجہد میں حصہ لینے کا عزم اور شوق رکھتا ہو، مطمئن شہری اور محض کاروباری زندگی اسلامی زندگی نہیں، اور کسی طرح بھی یہ ایک مسلمان کا مقصود حیات نہیں ہوسکتا، جائز مشاغل زندگی، جائز وسائل معیشت ہرگز ممنوع نہیں، بلکہ نیت واجر طلبی کے ساتھ عبادت وقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں، مگر یہ جب سب دین کے سایہ میں

ہوں اور صحیح مقاصد کا وسیلہ ہوں نہ کہ خود مقصود بالذات۔

سیرت محمد ﷺ کا یہ سب سے بڑا پیغام ہے، جو خالص مسلمانوں کے نام ہے، اس کی طرف توجہ نہ کرنا اس کے مقصد کو ضائع کرنا اور سب سے بڑی حقیقت کی طرف سے چشم پوشی ہے جو سیرت محمد ﷺ مسلمانوں کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دنیا طلبی کی حرص و مقابلے سے بچا کر اپنے دین کی خدمت کیلئے قبول کرے میں اپنے لئے بھی یہی دعا کرتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

مسلمان کا مقام اور پیغام

[یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وہ یادگار تاریخ ساز تقریر ہے جو ۳ جون ۱۹۷۷ء کو اقوام متحدہ (UNITED NATIONS) (نیویارک) کی عظیم عمارت کے ایک ہال میں کی گئی تھی جہاں مسلم و عرب ممالک کے دفاتر میں کام کرنے والے نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ نماز میں شریک ہونے والوں میں عربوں کی تعداد غالب تھی جن میں رابطہ عالم اسلامی کے دفتر کے اور اقوام متحدہ کے ذمہ دار کارکن نمایاں نظر آتے تھے]

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد.

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الأعلون ان کنتم مؤمنین.
آل عمران ۱۳۹

(ترجمہ) اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو، غالب تمہیں رہوگے اگر تم پورے مومن رہے۔

میرے بھائیو، دوستو! یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اسلام دورِ طفولیت میں تھا، اس وقت تک کوئی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، اسلام جزیرۃ العرب اور عربوں ہی میں محدود و محصور تھا، عرب نہایت عسرت و تنگی اور فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہے تھے، ان کا کھانا عام طور پر کھجور، اونٹ کا گوشت اور جو کی روٹی تھا، لباس موٹا جھوٹا اور کھردرا، مکانات خام اور مٹی کے تھے، یا ادنیٰ خیمہ کی شکل میں، ان کا حال زار موسم سرما کی شب باراں میں بھیگی اور ٹھنڈک سے ٹھٹھری اور سمٹتی ہوئی بکریوں کے گلہ کا سا تھا، جس کو جان کے لالے پڑے ہوتے ہیں، عربوں کی اس زبوں حالی کی صحیح اور سچی تصویر کشی قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی اور نہیں کرسکتا، آپ قرآن کے یہ الفاظ پڑھئے اور عربوں کی بیچارگی

و بے کسی کا عالم دیکھئے قرآن کے الفاظ ہیں۔

وَاذْكُرُوْآ اِذْاَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (الانفال ۲۶)

(ترجمہ) اور تم اس حالت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو لوگ نوچ کھسوٹ لیں۔

عربوں کا تو یہ حال تھا، اور ان کے برعکس روم وفارس دنیا کے حاکم وفرمانروا تھے، وہ تہذیب وتمدن کے بام عروج پر تھے، پوری دنیائے انسانیت ان کے زیر اثر وتابع فرمان تھی، اور دو بڑی طاقتوں نے مشرق ومغرب کو باہم بانٹ رکھا تھا، مشرق اہل ایران کے زیر فرمان تھا، اور مغرب رومیوں کے، یہ زندگی کے مزے اڑا رہے تھے، دنیا کا دامن ان کے لئے وسیع وکشادہ تھا، ضروریات زندگی کی فراوانی تھی، رزق کے دہانے کھلے ہوئے تھے، کائنات ان کے لئے جود وسخا کا مینہ برسا رہی تھی، ممالک واقوام ان کے زیر فرمان تھے، اور انہیں کے چشم وابرو کے اشارے پر چل رہے تھے، ان کا ہاتھ مٹی کو لگ جاتا تھا تو سونا بن جاتی تھی، مشرق ومغرب پر انہیں کا پرچم لہرا رہا تھا۔

اس تیرہ وتاریک فضا میں، یاس وناامیدی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جہاں ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا، آس اور امید کی کوئی ہلکی سی کرن بھی نظر نہیں آ رہی تھی، قرآن مجید طاقت کی متوالی ان دونوں حکومتوں کو چیلنج کرتا ہے، اور لٹے پٹے عرب مسلمانوں میں اعتماد وافتخار کی روح پھونکتا ہے اور کہتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.

(آل عمران ۱۳۹)

(ترجمہ) اور ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو، غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔

قرآن نے قریش مکہ کو چیلنج کیا، روم وفارس کے امپائر کو چیلنج کیا، پھر اس مٹھی بھر جماعت مسلمہ کے قائد ورہبر نبی مرسل محمد ﷺ کی تسکین وتسلی کے لئے سورۂ یوسف نازل

ہوئی قرآن مجید نے اعلان کیا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ (یوسف ۷)

(ترجمہ) وہ جو پوچھتے ہیں ان کے لئے نشانیاں ہیں، یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں۔

اس سورہ کو ان الفاظ پر ختم فرمایا۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَايْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

(یوسف ۱۱۰، ۱۱۱)

(ترجمہ) یہاں تک کہ پیغمبر ناامید ہو گئے اور ان کو گمان غالب ہو گیا کہ ہماری فہم نے غلطی کی، ان کو ہماری مدد پہنچی پھر ہم نے جس کو چاہا بچا لیا گا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ٹلتا، ان کے قصوں میں سمجھدار لوگوں کے لئے عبرت ہے یہ قرآن کوئی تراشی ہوئی بات تو ہے نہیں بلکہ اس سے پہلے جو آسمانی کتابیں ہو چکی ہیں، یہ ان کی تصدیق کرنے والی ہے اور ہر ضروری بات کی تفصیل کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ذریعۂ ہدایت و رحمت ہے۔

اسی طرح سورۂ قصص کی یہ آواز دنیا کی فضاؤں میں گونجی، اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کو ظلم و جور اور خوف و ہراس کی تاریک فضا میں نازل فرمایا۔

طٰسٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ○ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ○ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا

يَحْذَرُوْنَ O (قصص ۱ تا ۶)

(ترجمہ) طسم۔ یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں، ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں، فرعون سرزمین۔ (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا، اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسموں میں بانٹ رکھا تھا، ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا، اس طرح سے کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا، اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا، واقعی وہ بڑا مفسد تھا، اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کو زور گھٹایا جارہا تھا ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کو مالک بنائیں اور ان کو زمین میں حکومت دیں، اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان کی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جس سے وہ بچاؤ کررہے تھے۔

ایسے پرخطر و نازک حالات میں کسے خیر کی امید ہوسکتی تھی کس کا دل و جگر تھا، جو پیشین گوئی کرتا کہ مسلمانوں کی یہ کمزور بے حقیقت جماعت، ظلم و جور کی ماری ہوئی ہر قسم کے وسائل سے خالی اور تہی دست جماعت، افق تاریخ پر ابھرے گی، کیا دنیا کا بڑے سے بڑا شخص خواہ کتنی ہی دور میں نگاہ اور فراست رکھتا ہو، اور کتنا ہی جری اور عقابی صلاحیتوں سے مالا مال ہو، مسلمانوں کی اس مٹھی بھر کمزور و بے حیثیت جماعت کے بارے میں پیشین گوئی کرسکتا تھا اور کہہ سکتا تھا کہ "وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا، وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ"

لیکن اس اعتماد و یقین نے عربوں کے سینے کو جرأت و حوصلہ اور جوش و ولولہ سے بھر دیا تھا، اور انہیں ایسی عقابی روح عطا کی تھی کہ وہ ان بڑی بڑی طاقتوں کو بھی سجائی بے جان گڑیوں کی طرح دیکھ رہے تھی، یہ طاقتیں ان کو کرم خوردہ ستون اور بے جان ڈھانچے معلوم ہورہی تھیں، قرآن کریم ان بے روح حکومتوں کی بالکل سچی تصویر کشی کرتا ہے، اور قرآن سے بڑھ کر صحیح تصویر کشی کون کرسکتا ہے؟ ذرا قرآن مجید کے یہ الفاظ پڑھئے۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (منافقون ۴)

(ترجمہ) اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے قد وقامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کریں تو آپ ان کی باتیں غور سے سننے لگیں (لیکن حقیقت یہ ہے کہ) گویا یہ لکڑیاں ہیں جو دیوار کے سہارے کھڑی ہیں۔

یہی کمزور بے مایہ عرب جب دولت ایمان ویقین کو سینے سے لگا کر اس پر فخر وناز کرتے ہوئے جزیرۃ العرب سے باہر نکلے تو یہ بڑی بڑی طاقتیں ان کو ہیچ نظر آئیں اور انہیں تہ وبالا کر کے رکھ دیا اقبال کے الفاظ میں۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

محترم حضرات! اسباب وعلل کے پیمانے سے ناپا جائے تو عرب اور پوری انسانی برادری شیر کے منہ میں تھی، بلکہ شیر کے دو جبڑوں کے درمیان تھی، یہ عرب نکلے تو ایک دوسری طاقت لے کر نکلے، خارق عادت طاقت، آسمانی اور خدائی طاقت، وہ اب تمام قوموں سے نرالے اور عام بنی آدم اور انسانوں سے جداگانہ جذبہ وحوصلہ کے مالک تھے ،وہ کمزور تھی دست ضرور تھے، کسی خطہ زمین پر ان کی حکومت تھی، نہ اقتدار، لیکن جب وہ مئے وحدت سے مست وسرشار ہو کر نکلے اور ان پر کبھی نہ مٹنے والی آسمانی حقیقتیں منکشف ہوئیں، اور انسان، انسان کا فرق واضح ہوا، کفر وایمان کے حقیقت کھلی، صورت وحقیقت کا بعد المشرقین فرق معلوم ہوا، جب ان کو آب حیات اور سراب صحرا کی حقیقت کا علم ہوا جب ان کی آنکھوں کے سامنے سے ظاہر وباطن کے فرق کا پردہ ہٹا، اوپری پالش اور رنگ آمیزی اور اندرونی حقیقت کا فرق معلوم ہوا، جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کا نور اور بصیرت عطا کی تو وہ کائنات کی اشیاء کو ان کی حقیقت کے جامہ میں دیکھنے لگے، وہ انسانی حقیقت کو پا گئے، انسان کی حقیقت کیا ہے؟ انسان کی حقیقت یہ نہیں کہ وہ کھائے پئے اور داد عیش دے، انسان کی حقیقت " **لقد خلقنا الا نسان فی احسن تقویم** " ہے،

جب انہوں نے اس انسانی حقیقت کو پالیا، اور ان پر دنیا و ماوراء دنیا کی حقیقت آشکار ہوئی تو دنیا کے جھوٹے مظاہر انہیں حقیر ولاشئ معلوم ہونے لگے، اور شیر کی کھال پہننے والا گدھا اپنے اصلی روپ میں نظر آنے لگا، قیصر وکسریٰ پنجرے کے اندر چہچہانے اور گانے والی پرند کی طرح دکھائی دینے لگے، پنجرا بہت خوب، اس کی تیلیاں سونے کی اس کا بالائی وزیریں حصہ بھی سونے کا، کھانے پینے کے برتن بھی سونے کے، مگر پنجرا تو بہر حال پنجرا ہے، سونے ہی کا سہی، وسیع وفراخ ہی سہی چاہے اس میں گھنے گھنے باغات اور جھیل و تالاب ہی کیوں نہ ہوں، اس میں اونچی اونچی فلک بوس عمارتیں ہی کیوں نہ ہوں، مگر ہے تو وہ قید خانہ ہی، یہ عرب اب ان لوگوں کو جن کے سروں پر تاج زریں تھا، ان لوگوں کو جو وزیر وگورنر کہلاتے تھے، جنرل اور سپہ سالار کہلاتے تھے، فلسفی وماہر معقولات کہلاتے تھے، شہزادے وولی عہد کہلاتے تھے، اس نظر سے دیکھا، جس نظر سے ڈراموں کے "جوکر" دیکھے جاتے ہیں وہ انہیں بالکل بلوں کی طرح نظر آرہے تھے۔

محترم دوستو، بھائیو! انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے دل بجھے ہوئے، روحیں پژمردہ اور عقل وخرد از کار رفتہ ہیں، وہ اپنی اس کمزوری کو جاہ وثروت سے چھپاتے ہیں، لوگوں کی جی حضوری اور مصنوعی استقبال سے چھپاتے ہیں، انہوں نے محسوس کیا کہ یہ قوت وارادہ سے محروم خالی انسانی صورتیں ہیں، جو نہ خود سے چلتی ہیں، نہ خود سے کھاتی ہیں، اور نہ ان کے سامنے کوئی اونچا مقصد ہے، ان کا چلنا پھرنا صرف کھانے، پینے، عیش و تنعم اور لذت وسرور کے لئے ہے، انسانیت پر رحم وشفقت اور محبت کے جذبے سے نہیں، انسانوں سے ان کا تعلق محض اپنی خواہشات کی تکمیل اور ہوا وہوس کی پیاس بجھانے کے لئے ہے، سروں پر تاج ضرور ہیں مگر ذہن رسا نہیں، جسموں پر بہترین لباس ضرور ہیں، مگر جسم لاغر ونڈھال ہیں، پالش کئے ہوئے برتن ہیں مگر اندر سے خالی ہیں۔

میرے بھائیو! یہ عرب جب دنیا کو فتح کرنے کے لئے نکلے ہیں، بلکہ انسانیت کا نجات دہندہ بن کر نکلے، اس مقصد سے نکلے کہ انسانیت کو وحشت و بربریت کے چنگل سے چھڑائیں اور انسانیت کو اس ظلم وجور سے نجات دلائیں جو صدیوں سے جاری تھا،

تب ان پر وہ حقیقت کھلی جو اوپر بیان ہوئی، وہ جب لوگوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر خدائے واحد کی عبادت واطاعت کی طرف بلانے کے لئے اٹھے، دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعت کی طرف لانے کی غرض سے نکلے، ادعیان ومذاہب کے ظلم وجور سے نکال کر اسلامی عدل وانصاف کی طرف بلانے کے مقصد سے نکلے، تو یہ بے روح جاہ وجلال ان کو ہیچ نظر آئے، بڑی بڑی حکومتیں ان کو کٹھ پتلی کا کھیل معلوم ہوئیں، ان کے جھنڈوں کو سرنگوں کرنا بچوں کا کھیل معلوم ہوا، آسمان سے باتیں کرنے والی فلک بوس عمارتیں ان کو خس وخاشاک کا ایک تودہ معلوم ہوئیں، بڑے بڑے لشکر ان کو بھیڑ بکری کا گلہ معلوم ہوتے، انہوں نے ان کو غیر عاقل اور بے شعور جانور سمجھا جس میں نہ رحم وکرم کا مادہ ہے، نہ لطف ومہربانی کا جذبہ، وہ انہیں انسانوں کی شکل میں بھیڑیئے اور درندے نظر آئے۔

قرآن پاک نے ان ان پڑھ عربوں کو، قافلہ حیات سے بچھڑے ہوئے عربوں کو، تہذیب وتمدن سے ناآشنا عربوں کو، قوت وطاقت اور حوصلہ سے بھر دیا، انہوں نے ان کے سرد اور خالی دلوں کو اس نعمت عظمیٰ پر فخر وناز، خود اعتمادی وخود شناسی اور رفعت وبلند پروازی کے نئے ''سیل'' اور نئے مسالہ سے بھر دیا، اس نے ان کو اشیاء کے خواص واثرات کو جاننے کا ملکہ عطا کیا، اور ان ساری توانائیوں سے مالا مال ہوکر نکلے اور سارے عالم کو زیر کرلیا، اس لئے نہیں کہ وہ اس کی مالک بن جائیں، نہ اس لئے کہ اس پر حکومت وفرمانروائی کریں، جیسا کہ ان قوموں نے کیا تھا، بلکہ وہ اس لئے نکلے تھے کہ گم کردہ راہ اور دردر کی ٹھوکر کھاتی ہوئی انسانیت کو خدائے واحد کے سامنے جھکائیں اور اسے اسلامی عدل وانصاف کے سائے میں لائیں۔

حضرات! اس وقت ہم اقوام متحدہ کے مرکز میں ہیں، آج جب کہ ہم متعدد حکومتوں کی نمائندگی کررہے ہیں، اس فخر واعتماد کے زیادہ مستحق ہیں، جو ان عربوں کو حاصل تھا، ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ ہم کو اس آسمانی آواز میں مخاطب کیا جائے، جس سے وہ مخاطب کئے گئے تھے۔'' ولا تھنوا ولا تحزنوا وأنتم الا علون ان

کنتم مومنین'' جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اس وقت عربوں کی کوئی حکومت نہیں تھی، خود جزیرۃ العرب میں ان کی کوئی حکومت نہیں تھی، اسلام کو وجود میں آئے ہوئے دس سال سے زائد ہو چکے تھے، اور وہ ابھی طفل شیر خار کی طرح دھیرے دھیرے چل رہا تھا، اور ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس کا اہل دیکھا کہ وہ ان الفاظ سے مخاطب کئے جائیں، تو کیا ہم اس خدائی فرمان کے مخاطب بننے کے اہل نہیں جب کہ ہم چالیس ملکوں کی نمائندگی کر رہے ہیں اور اس وقت ہمارے کثیر التعداد جھنڈے اقوام متحدہ کی عمارت پر یہاں لہرا رہے ہیں، اگرچہ ہم موجودہ عہد کی ایٹمی قوت وشوکت کے مالک نہیں، ہم جدید ترقیات اور علم وتمدن کے میدان میں کوتاہی کا شکار ہیں، اپنی سستی وکاہلی اور باہمی نااتفاقی وانتشار، اور اسلامی تعلیمات کو حقیر سمجھنے اور نعمت اسلام کی ناقدری کے سبب ان حکومتوں کے معیار پر نہیں ہیں، تاہم دور اول کے عربوں سے زیادہ اچھی حالت میں ہیں، جن کی ایک حکومت بھی نہ تھی، تو کیا ہم اس آیت کا مخاطب بننے کے لائق نہیں کہ ''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' یہ ایمان ہی مومن کی قیمت ہے، ایمان ہی ٹارچ کی اصل قیمت ہے اگر سیلز نہ ہو تو ٹارچ کی کوئی قیمت نہیں، یہ ایمان ہی وہ پاسنگ ہے کہ اس کو ترازو کے جس پلڑے میں رکھ دیا جائے وہ جھک جاتا ہے، یہ وہی پاسنگ ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر ان مبارک الفاظ میں رکھا تھا۔

اللهم ان تهلك هذه العصابة من اهل الا سلام لا تعبد.(۱)

اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو مٹا دے گا تو قیامت تک روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی۔

حضور ﷺ سمجھ گئے کہ اس وقت رجوع وانابت کی ضرورت ہے، آپ کی ذات گرامی وہ ذات ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم عطا فرمائی تھی، حقیقت حال کو ٹھیک ٹھیک پیش کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی، اگر فیصلہ قوت وطاقت یا کثرت تعداد پر ہوتا

(۱) مسلم شریف ج/۲ص ۹۳۔

تو اسلام و مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہ ہوتا، اور روئے زمین پر اس کا وجود بھی نہ ہوتا، اہل بدر کل تین سو تیرہ ۳۱۳ تھے، ان کے مد مقابل ہتھیار سے لیس ایک ہزار کا جم غفیر تھا، مسلمانوں کی یہ مٹھی بھر جماعت کفار کے اس لشکر جرار پر کیسے فتح یاب ہوسکتی تھی، اس نازک گھڑی میں حضور ﷺ نے دعا وتضرع کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کیا، اور بارگاہ یزدی میں ان الفاظ کے ساتھ دعا والتجا کی "اللھم ان تھلک ھذہ العصابہ لن تعبد."

مسلمانو! ہمارا منصب اور ہماری قیمت یہ ہے، ان اسلامی ملکوں اور حکومتوں کی اہمیت و قیمت یہ ہے، یہ اسلامی ممالک اور مسلمان قومیں جو اس وقت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں، اور اپنا ایک وزن رکھتی ہیں، اقوام متحدہ تک میں وزن و قیمت رکھتی ہیں، آج اگر یہ قومیں جن کی نمائندگی کا ہمیں اس وقت شرف حاصل ہے، اس عمیق، تابناک، اور طاقت ور ایمان کی حامل ہوتیں جو انسانی احساسات پر چھا جاتا، اور اس کے رگ وریشہ میں سما جاتا، تو آج بھی مسلمان معزز ہوتا، اس کا ایک مقام اور پوزیشن ہوتی۔

اگر ہم ایمان سے اس طرح خالی ہو گئے جس طرح وہ قومیں اور حکومتیں ایمان سے خالی ہوگئیں جو کبھی کسی زمانہ میں ان حقائق پر ایمان لائی تھیں، لیکن پھر مرور زمانہ سے اس سے اس طرح کھوکھلی ہوگئیں جیسے سڑی گلی ہڈیاں اور ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہوتی ہیں۔

دوستو اور بھائیو! ہمیں اس سے ہوشیار محتاط رہنا چاہئے کہ ہم دوسروں کا سہارا لیں، مانگے کی قوت سے اپنے وجود کو باقی رکھیں، یا ہمارا نام تو جب روشن ہو، مردم شماری میں تو ہماری تعداد بہت ہو مگر خدا کی میزان میں ہمارا کوئی وزن نہ ہو، جو دنیا و آخرت دونوں جہان کی حقیقی ترازو ہے، بارگاہ خداوندی میں اور خدائی میزان میں ہمارا وزن اسی وقت ہوسکتا ہے، جب ہم صحیح معنی میں صاحب ایمان ہوں جب ہمارے سینوں میں ایمان ویقین کی چنگاری ہو، ہم اسلامی پیغام کے نہ صرف حامل ہوں بلکہ ہمیں اس پر فخر و ناز ہو، ہمیں یہاں امریکہ میں بھی، اس زبردست سلطنت میں بھی مغرب کے اس قلب میں بھی اپنے ایمان و اسلام پر فخر ناز ہو، ہم ڈنکے کی چوٹ پر کہیں کہ ہم مسلمان ہیں، ہمیں

اپنے اسلام پر فخر ہے، ہم مستقل بالذات اور صاحب پیغام قوم ہیں، طفیلی نہیں ہیں، ہماری مستقل تہذیب ہے ہماری مستقل ثقافت ہے، اس میں ہم پیوند نہیں لگاتے، ہمیں اللہ نے سب سے بڑی نعمت عطا فرمائی ہے، وہ ہے اسلام کی نعمت خودشناسی و خدا شناسی کی نعمت۔

بھائیو! جب ہمیں...... اسلام پر فخر و ناز ہوگا، اسلام ہمارا اور ہم اسلام کے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارا معین و مددگار ہوگا، اور ہمارا محافظ و نگہبان ہوگا، اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے، اور اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ. (محمد ۷)

(ترجمہ) اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔

لیکن اگر ہم صرف نام کے مسلمان رہے، اور حقیقت اسلام ہم میں نہ پائی گئی تو پھر ہم امیر شکیب ارسلان کے اس جملہ کا مصداق بنیں گے، جو انہوں نے پرانی لیگ آف نیشنز پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے کسی مضمون میں لکھا تھا کہ ’’جمعیۃ اقوام (LEAGUE OF NATIONS) فن عروض کی بحر کی طرح محض نام کی بحر ہے جس میں پانی کا نام و نشان نہیں‘‘ اگر ہم بے پانی کا سمندر بنے تو ہم پر ہزار حیف، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کسی مدد کی امید نہیں رکھنی چاہئے، بارگاہ خداوندی میں تو ایمان ہی کا وزن ہوتا ہے، ایمان ہی کی قدر اور ایمان ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پھر سے اسلامی قدروں کو سینے سے لگانے کی توفیق عطا فرمائے، ہم اس کی طرف جھکیں اور اس کے ماسوا سے نہ ڈریں، ہم اس کے دین کے وفادار بنیں اس کے پیغام پر فخر و ناز کریں، ہم اپنی زندگی کو اسلام سے جوڑ دیں، پیغام اسلام سے جوڑ دیں، ایمان سے جوڑ دیں، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس دولت سے سرفراز فرمائے، اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عصری تعلیم حاصل کرنے والے مسلم نوجوانوں سے مستقبل کی پیشن گوئی

یہ تقریر ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں لندن (برطانیہ) کے اسلامک سینٹر ISLAMIC CENTER کے زیر اهتمام منعقد کئے گئے ایک جلسہ میں کی گئی تھی جسمیں هندوستان، پاکستان اور عرب ممالک کے نوجوان کی کثیر تعداد شریک تھی!

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلیٰ آله واصحابه اجمعین، ومن تبعهم باحسان ودعیٰ بدعوتهم الی یوم الدین. امابعد!

میرے دوستو عزیزو! میں نہ کوئی ولی ہوں نہ پیمبر، نہ مجھے بزرگی کا دعویٰ ہے نہ پیشن گوئی کرنے کا شوق، لیکن میں اس وقت ضرور ایک پیشن گوئی کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ آپ کے اس مجمع میں بہت سے ایسے نوجوان ہیں، جو اپنے اپنے ملکوں کی زمام قیادت ہاتھ میں لیں گے، اور وہاں کی بڑی اہم ذمہ داریاں سنبھال لیں گے، آپ یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، لیکن آپ کے ملکوں میں قیادت کی مندیں اور رہنمائی کی کرسیاں آپ کی منتظر ہیں، میں آپ کی روشن پیشانیوں کی لکیروں اور خطوط میں...... آپ کے درخشاں مستقبل کو دیکھ رہا ہوں کسی زمانہ میں کسی ملک کی قیادت حاصل کرنے کے لئے اور کسی ملک وقوم کو اپنے اقتدار وانتظام میں لینے کے لئے زور بازو اور تلوار کے جوہر کی ضرورت تھی، سکندر اور چنگیز خان وہلاکو خان نے نوک شمشیر سے دنیا فتح کی اور قوموں کو مسخر کیا، اب اس کے لئے جنگی قوت کافی نہیں، اس وقت قیادت اور اقتدار کے لئے علم

کی طاقت کی ضرورت ہے، اس وقت دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک اور خود اسلامی ممالک جمہوریت کے جس راستہ پر چل رہے ہیں، اور جن حالات و مسائل کا ان کو سامنا ہے ان کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان ملکوں کی سربراہی اور ان کی قیادت وہی لوگ کریں گے ، جو جدید علوم سے واقف ہیں، مغربی زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں، اور جن کو جدید جمہوری نظام میں اقتدار کے منصب تک پہنچنے کے لئے ضروری وسائل و مواقع حاصل ہیں اس کی بناء پر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آپ اپنی ان صلاحیتوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے ذمہ داری کی ان جگہوں تک پہنچیں گے اور آپ کو اپنے ملک وقوم کی خدمت کرنے کا موقع ملے گا، یہ آپ کے لئے ایک بڑا نازک امتحان ہے، ان ملکوں کی قسمت بڑی حد تک آپ سے وابستہ ہے، اوران کے مستقبل کا انحصار آپ پر ہے۔

دنیائے اسلام کا مسئلہ:

میرے دوستو اور عزیزو ! آپ جن ملکوں سے آئے ہیں، اور جہاں آپ کو اپنی تعلیم کی تکمیل کر کے واپس جانا ہے، یہ ملک عرصہ سے مسلمان ملک ہیں، اور وہ اب بھی اپنے اسلام پر قائم ہیں، اور آئندہ بھی ان کا اسلام پر قائم رہنے کا ارادہ ہے، یہ اسلام ان کو بڑی قربانیوں سے حاصل ہوا ہے، اس لئے ان کو انتہائی عزیز ہے، اوران کی نظر میں نہایت قیمتی ہے، ان ملکوں میں مسلمانوں کی بڑی عظیم تعداد ہے، ان میں سے بہت سے ممالک اپنی آبادی اور مردم شماری کے لحاظ سے یورپ کے بڑے بڑے ملکوں سے بھی بڑے ہیں، اس عددی قوت و کثرت کے ماسوا یہ ملک خدا کی پیدا کی ہوئی دولتوں، خیروں اور بیش بہا خزانوں سے مالا مال ہیں، یہ وہ قدرتی دولتیں اور خزانے ہیں جن کے بغیر مغرب کی گاڑی بھی نہیں چلتی، انہوں نے موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی نئی طاقت بخشی ہے، اس موادِ خام کے لحاظ سے کوئی ملک اسلامی ممالک کا ہمسر نہیں۔

اسی طرح سے ان ملکوں کی مسلمان اقوام انسانی صلاحیتوں، زندگی کی توانائیوں اور اخلاقی طاقتوں سے بھرپور ہیں، ان میں اب بھی ایسی قوت عمل، جذبہ قربانی، ذوق ایثار،

وفاداری اور جاں نثاری کا جذبہ ہے، جو دنیا کی کسی قوم میں پایا نہیں جاتا۔

جن لوگوں نے دنیا کی سیاحت کی ہے، اور وہ دنیا کی مختلف قوموں اور عوام کا تجربہ رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان اسلامی ممالک کے مسلمان عوام سے کہیں کے عوام بہتر نہیں، ان میں بھی زندگی کا شعلہ فروزاں ہے، وہ اب بھی کسی مقصد کے لئے جان دے سکتے ہیں، اگر ان کو صحیح قیادت مل جائے تو وہ اب بھی دنیا کی ایک عظیم طاقت بن سکتے ہیں، ان کا سا خلوص، ان کی سی سادہ دلی، ان کا اعتماد، ان کی گرم جوشی اور ان کا جذبہ اطاعت اب بھی کسی قوم میں پایا نہیں جاتا، لیکن یہ انتہائی افسوس ناک حقیقت ہے کہ ان کی یہ صلاحیتیں عرصہ سے ضائع ہو رہی ہیں، ان ملکوں کی قیادتیں (LEADERSHIP) ان سے بالکل بے خبر ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو راہ پر لگانے کی ان میں صلاحیت ہے نہ آمادگی۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اس وقت دنیائے اسلام کا سب سے اہم اور عمومی مسئلہ کیا ہے تو میں ادنیٰ توقف کے بغیر کہوں گا کہ مسلمان عوام اور ان کے قائد ہیں، رہنماؤں کا فرق وتفاوت اور وہ ذہنی کشمکش جو عوام وخواص کے دو طبقوں میں اس وقت ہر اسلامی ملک میں برپا ہے، عوام مسلمان ہیں وہ اسلام پر ہی جینا اور مرنا چاہتے ہیں وہ مذہبی زبان و اصطلاحات کے سوا کچھ نہیں سمجھتے، خدا اور رسول، آخرت اور جنت، جہاد اور شہادت، رضائے الٰہی اور اجر وثواب کے سواء ان کے لئے کوئی چیز کشش اور معنویت نہیں رکھتی، مذہبی دعوت اور نعرے کے سواء کوئی چیز ان کے خون میں گرمی، ان کے جسم میں حرارت اور ان کے اندر سرشاری اور بے خودی کی کیفیت نہیں پیدا کر سکتی اور نہ انہیں ایثار وقربانی پر آمادہ کر سکتی ہے، یہی وہ اپیل تھی، اور یہی وہ نعرہ تھا، جس نے الجزائر کے مسلمانوں کو بے خود بنا دیا، اور ان سے وہ قربانی کرائی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے اسی کی سہارے ہر ملک کی جنگ آزادی لڑی گئی، یہ مسلمان شریعت اور اسلامی قانون سے محبت رکھتے ہیں، اور ان کے اعلیٰ اور افضل ہونے کے قائل ہیں، ان کو اسلامی معاشرت اور تہذیب سے محبت ہے، وہ اپنے ان ملکوں میں شریعت کے احکام کو نافذ، اسلامی زندگی کو رائج دیکھنا اور اللہ کے نام کا بول

بالا چاہتے ہیں، اور اس کے سوا ان کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔

ایک عظیم المیہ:

میرے دوستو اور عزیزو! لیکن بدقسمتی سے جس طبقہ کے ہاتھ میں ان کی قیادت و رہنمائی ہے اور جو ان کے گلہ بان اور راعی بنے ہیں، ان کی تعلیم و تربیت ان ماحول، ان عقائد و جذباتی اور ان تمناؤں سے بالکل الگ ماحول میں ہوئی ہے، ان کے ذہن کا سانچہ بالکل الگ تیار ہوا ہے، ان کی تعلیم و تربیت انہیں شہروں میں ہوئی جہاں آپ اس وقت پڑھ رہے ہیں، ان کے اساتذہ مغرب نے ان کی ذہن پر یہ بات نقش کر دی ہے کہ اسلام کا دور ختم ہوگیا، اس نے اپنے اس محدود ماحول اور غیر ترقی یافتہ دنیا میں جس میں ...... اس کا ظہور ہوا تھا، کسی قدر مفید خدمت انجام دی، لیکن اب اس ترقی یافتہ دنیا اور اس وسیع معاشرہ کے لئے اس کے پاس کوئی پیغام نہیں، اور اب وہ اس بدلی ہوئی دنیا میں کسی طرح فٹ نہیں ہوسکتا، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ قومیں تو ایسی پُرجوش مسلمان ہوں کہ ان میں آج بھی محمد بن قاسم، طارق بن زیاد موسیٰ بن نصیر اور محمد فاتح پیدا ہو سکتے ہیں، لیکن جو لوگ قوموں کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے ہیں، ان کا اسلام پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے، اور وہ اسلام کے مستقبل سے مایوس ہیں، اور ان کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں، یہ لوگ یورپ کی تعلیم گاہوں میں اس لئے آئے تھے کہ یورپ سے ایسے وسائل و ذرائع حاصل کریں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، یہ یورپ اس لئے آئے تھے کہ یہاں سے سائنس، ٹیکنالوجی صنعت، اور اس طرح کے دوسرے فنون حاصل کریں جن میں یورپ کو مشرق پر پورا تفوق حاصل ہے، پھر وہ انہیں اسلام کے لئے مسخر کریں اور اسلامی مقاصد کا تابع اور خادم بنائیں۔

نئی نہر سوئز کی ضرورت:

میرے عزیزو! وہ یورپ اس لئے آئے تھے کہ یہاں سے علم حاصل کر کے مشرق و مغرب کے درمیان ایک نئی نہر سوئز بنائیں، ایسی نہر سوئز جو مشرق و مغرب کے

درمیان مساویانہ ومشترک تبادلہ کا ذریعہ بنے، ایسی نہر جو مشرق سے ایمان ویقین اور عمل صالح کی دولت مغرب کو پہنچائے اور مغرب سے اس کے بے ضرر اور صالح وسائل زندگی مشرق کو منتقل کرے، لیکن افسوس ہے کہ جن لوگوں سے اس کام کی توقع تھی، اور جن کو یہ فرض انجام دینا تھا وہ مغرب کے محض نقال بن کر رہ گئے تھے، ان کا کارنامہ ہر قسم کی ذہانت، جدت، جرأت اور مجتہدانہ قابلیت سے عاری ہے، وہ امام اور پیشوا بننے کے بجائے مغرب کے محض مقلد اور اس کے خیمہ وار ثابت ہوئے۔

بقول علامہ اقبال ؎

کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

یورپ میں تعلیم پانے والے نوجوانوں کی ذمہ داری:

عزیز نوجوانو!...... آپ مغرب اس لئے نہیں آئے کہ آپ موم کی طرح پگھل جائیں آپ اس لئے آئے ہیں کہ ایک نیا عالم تعمیر کریں، ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور ان کے پیرو ہی ایسا عالم تعمیر کر سکتے ہیں، جن پاک باز، امامت دار ہاتھوں نے حرم تعمیر کیا انہیں کے نام لیوا اور انہیں کے پیرو نئے عالم کی تعمیر کر سکتے ہیں، آج دنیا زبان سے یہ کہہ رہی ہے۔ ع

معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز

آپ کو نقالی سے بلند ہونا چاہئے:

آپ مغرب اس لئے ہرگز نہیں آئے ہیں کہ یہاں سے واپس جا کر اہل مشرق کو طوطوں کی طرح رٹا رٹایا سبق سنائیں، بندروں کی طرح نقلیں بنائیں، مشرق کو ایسی صاحب ہمت اور صاحب دانش انسانوں کی ضرورت ہے، جن میں ایسی جرأت ہو کہ وہ مغرب سے کہہ سکیں کہ تو نے یہاں یہاں غلطی کی جو اس کے پورے نظام زندگی سے اعلان بغاوت اور اعلان جنگ کر سکیں، اور حضرت ابراہیمؑ کے الفاظ میں کہہ سکیں۔

كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ (الممتحنة ۴)

ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض وعداوت ظاہر ہو گیا، جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

لیکن وہ لوگ جن کو ایک ہی بات کہنی آتی ہو کہ مغرب نے تو سب صحیح کیا، یہ لوگ مشرق کے کام نہیں آسکتے۔

اس وقت مشرق کو ان بلند حوصلہ، بیباک اور جری نوجوانوں کی ضرورت ہے جو مغرب کی آنکھوں سے آنکھیں ملاسکیں۔

مغرب کے ان حاشیہ برداروں کی کوئی قیمت نہیں، جنہوں نے مغرب کو اپنے سروں پر سوار کرلیا ہے، وہ مغرب کے سامنے سر جھکاتے ہیں، اور مشرق کو اپنے پیروں تلے روندتے ہیں، ترکی، انڈونیشیا اور مصر وغیرہ کے موجودہ قائد کسی مجتہدانہ کردار اور کسی تخلیقی قابلیت کا ثبوت نہیں دے سکے، آپ کی منزل ان سے بہت آگے ہونا چاہئے انہوں نے مغربی اقتدار وافکار کے قدموں پر سب کچھ قربان کر دیا، اور اس کے بدلہ میں مشرق کے لئے جو بھیک حاصل کی وہ قربان کی ہوئی دولت کے آگے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

صرف سائنس داں اور انجینئر ہونا کافی نہیں:

عزیزو! آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ آپ کو جنہوں نے یہاں بھیجا ہے، ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ آپ صرف اچھے سائنس دان، اچھے ٹیکنیشن، اچھے انجینئر، اچھی آرٹسٹ اور مغربی زبانوں اور ادبیات کے اچھے ماہر بن کر جائیں۔

اگر آپ صرف سائنس داں، صرف انجینئر اور صرف قانون داں بنے تو آپ نے ملک کو صحیح فائدہ نہیں پہنچایا، آپ کو ان علوم میں مجتہدانہ قابلیت پیدا کرنی چاہئے اگر آپ قانون کے طالب علم ہیں تو آپ کو اسلامی قانون پر عبور حاصل کرنا چاہئے اور دنیا کے اصول قانون کا گہرا مطالعہ کر کے اسلامی قانون کی برتری ثابت کرنی چاہئے آپ کو اپنے

ملکوں میں جا کر کہنا چاہئے کہ مغرب کا کس قدر برا حال ہے وہ اس وقت پکے ہوئے پھل کی مانند ہے، جو کسی وقت بھی گرنے والا ہے۔

اگر آپ نے مشرق میں جا کر کہا کہ مغرب سرتا پا خیر اور سراسر بے عیب ہے تو آپ نے اپنی قوم کو دھوکا دیا، اور ایک خلاف واقعہ بات بیان کی، آپ کو یہاں سے واپس جا کر اپنے بھائیوں کو بتانا ہے کہ مغرب کے پاس کیا خوبیاں ہیں؟ اس کی قوت کا کیا راز ہے، اور ان کی زندگی کے کون سے پہلو قابل تقلید ہیں؟ اس طرح مغرب کی کون سی بیماریاں ہیں، جو اس کے درخت کو گھن کی طرح کھاتی جارہی ہیں، وہ آج کس اخلاقی جذام میں مبتلا ہے، ہمیں اس کی کن کن چیزوں سے پرہیز کرنا ہے، اور اس کی کون سی چیز ہیں، جن میں مشرق کو اس کی تقلید کرنے کی ضرورت نہیں، اور جس کا مغرب سے طاقت اور اقتدار سے کوئی تعلق نہیں۔

ابھی آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں:

میرے بھائیو اگر میں یہ بات دہلی، کراچی یا قاہرہ میں جا کر کہتا یا کسی اور مشرقی شہر کے قائدین کے سامنے پیش کرتا جو اپنی فکر اور تربیت میں پختہ ہو چکے ہیں، تو یہ بعد از وقت بات ہوتی، وہاں یہ باتیں کہنے کا وقت نکل چکا ہے، ذہن وفکر اور قلب ودماغ کے سانچے یہاں ڈھلتے ہیں، اور وہاں جا کر اپنا عمل شروع کرتے ہیں، اس لئے کہنے کی جگہ وہی ہے، جہاں یہ سانچے بنتے ہیں، ابھی یہاں اس بات کا وقت نہیں نکلا یہ سبق دراصل یہیں سنانے کا ہے، آپ ہی کو اپنے ملکوں کا قائد و رہنما بننا ہے، آپ ہی کو اپنی قوم کی تعمیر کرنی ہے، اگر آپ کو اپنی قوم کی عظیم صلاحیت اور قیمت کا احساس یہیں پیدا ہو جائے، اور آپ کے دل میں اسلام کی زندگی کی صلاحیت اور اس کی اندرونی طاقت اور اس کی افادیت پر اعتماد پیدا ہو جائے، تو آپ نے سب کچھ پالیا۔

دعوت عمل:

آپ کو جو ملک سپرد کئے جارہے ہیں، وہ بہت بڑے بڑے اور اہم ملک ہیں اتنی

بڑی سوسائٹی اور قوت کسی کو نصیب نہیں، آپ ان ملکوں کی اقتصادیات ان کی دولتوں اور ذخائر اور ان کی انسانی صلاحیتوں کا جائزہ لیجئے، اور ان کا نیا نقشہ بنائیے، اپنے علم وفن سے پورا فائدہ اٹھائیے اور اسلامی مقاصد کے لئے ان کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائیے، بے لوث اور بے غرض خدمت کی مثال قائم کیجئے اگر آپ نے ایسا کرلیا اور آپ نے اسلامی قیادت کا صحیح مقام حاصل کیا تو آپ کو دنیا اور تاریخ میں وہ مقام حاصل ہوگا، جو نہ کمال اتاترک کو حاصل ہوا نہ جمال عبدالناصر کو، نہ بن بلکہ اور احمد سوکارنو کو نہ دوسرے اسلامی ممالک کے قائدین کو۔

یہ محبوبیت واعتماد واحیائے ملت، اعلائے کلمۃ اللہ، اور بے لوث و بے غرض خدمت کا مقام ہے، جو تاریخ میں بڑے نصیب والوں کو حاصل ہوتا ہے، اس طرح یہ ملک اس ذہنی، اخلاقی اور طبقاتی کشمکش سے بھی نجات پائیں گے، جس میں ان قومی رہنماؤں نے ان کو بالکل غیر ضروری طریقوں پر مبتلا کر دیا ہے، جو ان قوموں کے مزاج معتقدات و روایات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔

اپنے کو پا لیجئے:

عزیزو! آپ اپنی اور اپنی قوموں کی صلاحیتوں سے آشنا بنئے، خود اپنی ہستی، اپنی ترقی اور فتوحات کے عظیم اور وسیع امکانات کا انکشاف کیجئے، اور اپنی نامعلوم نئی دنیا کو دریافت کرکے ایک انقلاب پیدا کیجئے۔

آپ مجھے یا میری باتیں سمجھیں یا نہ سمجھیں اپنے کو سمجھنے کی کوشش کیجئے اور اپنے کو پا لیجئے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر بنتا نہیں میرا نہ بن اپنا تو بن

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

موضوع تعمیر انسانیت

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتو کل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضلل اللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھدان سیدنا و سندنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ و سلم تسلیما کثیرا کثیرا. اما بعد!

دوستو اور بھائیو! آپ میں اکثر لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہوگا، انسان آج نئے نہیں ہیں، وہ ہزاروں برس سے آباد ہیں، ان کی سینکڑوں برس کی تاریخ محفوظ ہے، اس تاریخ کی سطح پانی کی سطح کی طرح برابر نہیں ، اس میں سخت نشیب وفراز ہے، اس میں آدمی کہیں اونچا نظر آتا ہے، کہیں نیچا، کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان کی تاریخ نہیں، خونخواروں اور درندوں کی تاریخ ہے، سب کی تاریخ ہے مگر انسان کی تاریخ نہیں، اس کے مطالعہ سے انسانوں کا سر جھک جاتا ہے کہ ہم میں ایسے افراد بھی گزرے ہیں، یہ فیصلہ تو آنے والی نسلیں کریں گی کہ ہم اور آپ کیسے آدمی تھے لیکن یہ اندازہ ہم کر سکتے ہیں کہ انسانوں کا پچھلا ریکارڈ کیسا ہے، اس میں بعض ایسے دور نظر آتے ہیں کہ اگر بس چلے تو تاریخ سے ہم ان اوراق کو نکال دیں، ایسا ریکارڈ ہے کہ ہم بچوں کے ہاتھوں میں دینے کو تیار نہیں، مجھے اس کی کہانی سنانی نہیں، لیکن مجھے ایک حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ تاریخ میں ایسے ناگوار دور گزرے ہیں اس میں خرابی کی جڑ کیا ہے۔

جب تک سوسائٹی میں برائی کا رجحان اور بگاڑ کی صلاحیت نہ ہو کوئی اس کو بگاڑ نہیں سکتا:

میرے دوستو ، بھائیو ! حضرات! عام طور پر لوگ کسی خاص طبقہ یا چند افراد اور

بعض اوقات تنہا کسی فرد کو پوری سوسائٹی کی خرابی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان خراب عناصر نے یا اس بگڑے ہوئے فرد نے پوری زندگی کو غلط رخ پر ڈال دیا تھا لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں، میں تاریخ کے مطالعہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ ایک مچھلی تالاب کو گندہ کر سکتی ہے لیکن ایک فرد سوسائٹی کو بگاڑ نہیں سکتا، واقعہ یہ ہے کہ اچھی سوسائٹی میں برے آدمی کا گزر نہیں ہو سکتا، وہ گھٹ گھٹ کر مر جائے گا جس طرح مچھلی کو پانی سے نکال دیا جاتا ہے تو وہ گھٹ گھٹ کر مر جاتی ہے، اس طرح جو سوسائٹی برائی کی ہمت افزائی نہیں کرتی، وہ اسے خوش آمدید (WELCOME) کرنے کے لئے تیار نہیں، اس میں برائی تڑپنے لگے گی، اس کا دم گھٹنے لگے گا اور وہ دم توڑ دے گی۔

ہر زمانے میں اچھے برے انسان ہوئے ہیں لیکن سب برائیوں کا ان کو ذمہ دار ٹھہرانا اور تمام برائیوں کو ان کے سر تھوپ دینا ٹھیک نہیں، اگر کچھ برے لوگ حاوی ہو گئے تھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پوری زندگی کا ہینڈل ان کے ہاتھ میں تھا، وہ جس طرف چاہتے تھے زندگی کو موڑ دیتے تھے بلکہ بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں سوسائٹی میں خود خرابی آ گئی تھی، اس زمانہ کا ضمیر (CONSCIENCE) گندہ ہو گیا تھا، اس کے اندر اندھیرا ظلم اور خواہشات کو پورا کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہو گئی تھی، وہ خود غرض اور نفس پرست بن گیا تھا، جس دل کو گھن لگ جائے، جو من پاپی ہو جائے، آپ اسے جرائم سے کسی طرح روک نہیں سکتے، آپ اس کو بیڑیوں میں جکڑ کر بھی رکھیں گے تب بھی ان چیزوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

خود غرض انسان:

حضرات! ہر زمانہ میں کچھ ایسے افراد رہے ہیں، جن کا عقیدہ تھا کہ بس ہم اور ہمارے اہل و عیال انسان ہیں، اور باقی سب ہمارے خادم ہیں، کچھ ایسے انسان بھی ہیں، جو کروڑوں انسانوں کو بستا دیکھتے ہیں لیکن وہ خود اپنے ہی محدود حلقہ کو انسان سمجھتے ہیں، یہ لوگ بس یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں بس انہیں کہ کنبہ کے دس گیارہ یا بیس پچیس انسان بستے

ہیں، ایسے انسان ہمیشہ رہے ہیں جو اپنے اپنے مسائل اور متعلقین کو دیکھنے کے لئے خوردبین رکھتے ہیں اور دوسروں کو دیکھنے کے لئے ان کی آنکھیں بھی بند ہوتی ہیں بعض لوگ وہ عینکیں رکھتے ہیں ایک سے اپنے کو دیکھتے ہیں دوسری سے تمام دنیا کو دیکھتے ہیں، انہیں نظر بھی نہیں آتا کہ انسان کہاں ہیں میرا اندازہ ہے کہ ان کے پاس وہ عینک ہے کہ اس کے ذریعہ کو اپنے بچے آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں، ان کو اپنی رائی پربت اور دوسروں کا پہاڑ ذرہ نظر آتا ہے۔

اصلاح اور سدھار کی مختلف تجاویز اور تجربے:

دنیا کے مختلف انسانوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق زندگی کے سدھار کے طریقے سوچے اور ان پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

کسی نے کہا کہ ساری خرابی کی جڑ یہ ہے کہ انسان کو پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتا، یہی زندگی کا سب سے بڑا روگ ہے، انہوں نے اسی مسئلہ کو اپنا مشن بنالیا، اس کے نتیجے میں پاپ اور بڑھا، پہلے لوگ کمزور تھے، پاپ بھی اسی لحاظ سے کمزور تھا، انہوں نے جب خون کے انجکشن دیئے اور قوت حیات (VITALITY) بڑھائی تو ان کے پاپ بھی طاقتور ہو گئے، دل بدلا نہیں، ضمیر بدلا نہیں، ذہن بدلا نہیں، طاقت بڑھ گئی، بے فکری پیدا ہو گئی، فرق اتنا ہوا کہ پہلے پھٹے کپڑوں میں پاپ ہوتے تھے، اب زرق برق لباسوں میں پاپ ہونے لگے، پہلے بے زور اور بے ہنر ہاتھوں سے گناہ ہوتے تھے، اب طاقتور اور ہنر مند ہاتھوں سے وہی سب گناہ ہونے لگے۔

کسی نے کہا تعلیم کا انتظام کیا جائے، ناخواندگی ہی فساد کی جڑ ہے اور تمام خرابیوں کی اصل وجہ ہے، علم بڑھا، لوگوں نے معلومات حاصل کئے اور نئی نئی زبانیں سیکھیں لیکن جن کا ضمیر فاسد اور ذہن ٹیڑھا تھا اور دل کے اندر پاپ بسا ہوا تھا، انہوں نے علم کو فساد اور تخریب کا ذریعہ بنالیا، کھلی بات ہے کہ اگر چور کو لوہاری کا فن آجائے تو وہ تجوری توڑنا سیکھے گا، اب اگر کسی میں خدا کا خوف اور انسانی ہمدردی کا رجحان نہیں ہے اور ظلم وستم اس

کے خمیر میں پڑا ہوا ہے، تو علم اس کے ہاتھ میں ظلم اور فتنہ وفساد کا آلہ دے دے گا اور اس کو گناہ اور چوری کے نئے نئے ڈھنگ سکھائے گا۔

بعض لوگوں نے تنظیم کو اصلاح کا ذریعہ سمجھا اور اپنی ساری قوتیں لوگوں کی تنظیم پر صرف کیں نتیجہ یہ ہوا کہ بگڑے ہوئے افراد کا ایک بگڑا ہوا مجموعہ تیار ہو گیا، جو کام اب تک غیر منظم طریقہ پر ہوتے تھے، اب منظم طریقہ پر ہونے لگے، اب سازش اور تنظیم کے ساتھ منظم چوریاں ہونے لگیں، لوگوں نے اخلاقی تربیت دل اور ضمیر کی اصلاح کی طرف تو توجہ کی نہیں، جیسے برے بھلے لوگ تھے، ان کو منظم کرنے ہی کو کام سمجھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بد اخلاقی کو طاقت حاصل ہو گئی، میں تو کہوں گا کہ ڈاکوؤں اور چوروں اور بد اخلاقوں کی تنظیم نہ ہوتی تو اچھا تھا۔

کسی نے کہا کہ زبانوں کا اختلاف اور کثرت فتنہ وفساد کی جڑ ہے، زبان ایک اور مشترک ہونی چاہئے، اس ملک کی ترقی، قوم کی خوش حالی اور انسانیت کی خدمت ہے، لیکن اگر لوگ نہ بدلیں، خیالات نہ بدلیں، دلوں کی خواہشات اور اندر کے رجحانات نہ بدلیں تو زبان کے بدل جانے یا بولی کے ایک ہو جانے سے کیا خاص فائدہ ہوگا، فرض کیجئے کہ اگر ساری دنیا کے چور اور جرائم پیشہ ایک بولی بولنے لگیں اور ایک ہی زبان اختیار کرلیں تو اس سے دنیا کو کیا فائدہ ہوگا اور اس سے چوری اور جرائم کا کیا سد باب ہوگا میں تو سمجھتا ہوں کہ اس سے بجائے اس کے کہ چوری اور جرائم کم ہوں، زیادہ ہوں گے اور مجرم کی شناخت میں اور دقت ہوگی۔

کسی نے کہا کہ وقت کا سب سے بڑا کام اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ کلچر ایک ہو جائے مگر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہاں تہذیبیں نہیں ٹکراتیں، ہوس ٹکراتی ہے، ''ہم چو ما دیگرے نیست'' کا مہلک جذبہ ٹکراتا ہے، ہمارے بہت سے رہنما بے سوچے سمجھے کہنے لگے ہیں کہ اگر تمام دنیا کا کلچر ایک ہو جائے تو انسانیت کی ناؤ پار لگ جائے گی، اگر پورے ملک کا کلچر ایک ہو جائے تو اس ملک کے رہنے والے شیر وشکر ہو جائیں گے، لیکن دوستو! کلچر ایک ہونا مفید نہیں، دل کا ایک ہونا مفید ہے، کہنے والے

نے غلط نہیں کہا کہ۔

یک دلی از یک زبانی بہتر است

اگر لوگ ایک دل نہ ہوں تو ایک زبان یا ایک تہذیب ہونے سے کچھ فائدہ نہیں، جو لوگ پہلے سے ایک زبان ہیں اور جن کی تہذیب اور کلچر مشترک ہے، انہیں میں کون سی محبت اور اتحاد ہے، کیا وہ ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرتے، کیا وہ ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیتے، کیا ان میں سے ایک دوسرے سے عاجز اور پریشان نہیں ہیں، کیا ایک کلچر، ایک زبان اور ایک تہذیب کے لوگ آپس میں نہیں لڑتے۔

بعضوں نے کہا کہ لباس ایک ہو، لیکن جب کسی زبردست کو گریبان پکڑنے کی عادت پڑ جائے اور جیب کترنے کی لت لگ جائے تو کیا وہ لباس کا احترام کرے گا؟ کیا وہ شخص اس وجہ سے اپنے ارادے سے باز رہے گا کہ اسی کا جیسا لباس دوسرے کے جسم پر ہے، انسانیت کا احترام دل میں نہ ہو تو لباس کا احترام کیسے پیدا ہوگا، لباس کی قدر و قیمت تو انسان کی وجہ سے ہے۔

دل کی تبدیلی کے بغیر زندگی تبدیل نہیں ہوسکتی:

دوستو! انسانیت کے مسائل اور مشکلات کا حل نہ لباس کی یکسانی ہے، نہ زبان اور تہذیب کا اشتراک، نہ ملک و وطن کی وحدت، نہ علم و دولت، نہ تہذیب و تنظیم، نہ وسائل و ذرائع کی کثرت، ان سب میں کوئی ایک بھی ایسی طاقت نہیں جو دنیا کو بدل دے، جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی، باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی، پوری دنیا کی باگ دوڑ دل کے ہاتھ ہے، زندگی کا سارا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوا ہے، لوگ کہتے ہیں مچھلی سر کی طرف سے سڑنا شروع ہوتی ہے، میں کہتا ہوں انسان دل کی طرف سے سڑتا ہے، یہاں سے بگاڑ شروع ہوتا ہے اور ساری زندگی میں پھیل جاتا ہے۔

پیغمبر انسانیت کا مزاج بدلتے ہیں:

دوستو عزیزو! پیغمبر یہیں سے اپنا کام شروع کرتے ہیں، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ

یہ سب دل کا قصور ہے، انسان کا دل بگڑ گیا ہے، اس کے اندر چوری، ظلم، دغابازی کا جذبہ اور ہوس پیدا ہوگئی ہے، اس کے اندر خواہش کا عفریت ہے جو ہر وقت اس کو نچا رہا ہے، اور وہ بچے کی طرح اس کے اشارے پر حرکت کررہا ہے پیغمبر کہتے ہیں کہ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان پاپی ہوگیا ہے، اس کے اندر برائی کا جذبہ اور اس کا زبردست میلان پیدا ہوگیا ہے، اس لئے سب سے ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اس کے دل کی اصلاح کی جائے اور اس کے من کو مانجھا جائے۔

وہ لوگوں کو فاقہ کرتے دیکھتے ہیں، اس منظر سے ان کا دل جس قدر دکھتا ہے، دنیا میں کسی کا نہیں دکھتا، ان کو کھانا پینا دشوار ہوجاتا ہے، مگر وہ حقیقت پسند ہوتے ہیں، وہ یہ نہیں کرتے کہ اسی کو مسئلہ بنا کر اس کے پیچھے پڑ جائیں، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ خرابی کا نتیجہ ہے، خرابی کی جڑ نہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کے پیٹ بھرنے کا سامان کر دیا جائے اور زائد غلہ لے کر بھوکوں کو دے دیا جائے تو یہ ایک وقتی اور سطحی انتظام ہوگا۔ وہ ایسی فضا اور ایسے حالات پیدا کرتے ہیں کہ لوگوں سے دوسروں کی بھوک دیکھی نہ جاسکے اور خود اپنے گھر سے غلہ لاکر لوگوں کے پاس ڈال جائیں۔

اس کے برخلاف لوگ ایسے حالات پیدا کرتے جاتے ہیں کہ غلہ کھسکتا اور ایک جگہ جمع ہوتا چلا جائے، یاد رکھئے کہ اگر ذہنیت میں تبدیلی نہیں ہوئی اور غلہ کی تقسیم یا رسد کا انتظام کر دیا گیا تو اس کے بعد بھی لوگوں کو ایسا فن معلوم ہے کہ دوسروں کی جھولی کے دانے ان کی جھولی میں آجائیں، اور دولت ہر طرف سے سمٹ کر ان کے قدموں سے لگ جائے، آپ نے شاید الف لیلہ کا قصہ پڑھا ہو کہ سند باد جہازی اپنے ایک سفر میں ایک مقام پر پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ جہاز کا کپتان بہت فکر مند اور غمگین ہے۔ سند باد نے سبب پوچھا تو جہاز کے ناخدا نے بتلایا کہ ہم غلطی سے ایک ایسے مقام پر آگئے ہیں، جہاں سے قریب مقناطیس کا ایک پہاڑ ہے، ابھی تھوڑی دیر میں ہمارا جہاز اس کی قریب پہنچ جائے گا، مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، جب وہ پہاڑ کشش کرے گا تو جہاز کی سب کیلیں اور تختوں کے قبضے نکل کر پہاڑ سے جاملیں گے اور جہاز کا بند بند جدا ہوجائے گا، اس وقت

ہمارا جہاز ڈوبنے سے نہ بچ سکے گا، چنانچہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا، مقناطیس نے لوہے کو کھینچنا شروع کیا اور جہاز میں جتنا بھی لوہے کا سامان تھا سب کھینچ کھینچ کر پہاڑ پر پہنچ گیا اور دیکھتے دیکھتے جہاز غرق ہوگیا، خوش قسمت سند باد ایک بہتے ہوئے تختے کے سہارے کسی جزیرے میں پہنچ گیا اور اس کی جان بچی۔

یہ قصہ غلط ہو یا صحیح اس سے مجھے کچھ سروکار نہیں، مگر مجھے آپ کو یہ سنانا تھا کہ ہماری سوسائٹی میں بھی مقناطیس صفت سرمایہ دار اور تاجر موجود ہیں، انہیں آپ بھی میگنیٹ (MAGNATE) کہتے ہیں، وہ ایسی سازش کرتے ہیں کہ دولت سمٹ کر ان کے گھر میں آجاتی ہے، وہ ایسا معاشی جال پھیلاتے ہیں کہ لوگ چاروناچار سب کچھ ان کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے وسائل زندگی اور ضروریات ان کے سپرد کر کے پھر غربت اور فاقہ کشی کی زندگی گزارنے لگتے ہیں، پیغمبر قلب کی ماہیت بدل دیتے ہیں، وہ انسان کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرتے ہیں کہ وہ دوسرے انسان کی فاقہ کشی کو نہ دیکھ سکے، وہ اس کے اندر ایثار کی روح اور قربانی کا جذبہ اور سچی انسانی ہمدردی پیدا کرتے ہیں، اس کو دوسروں کی زندگی اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہوجاتی ہے، وہ اپنی جان کھو کر دوسروں کی زندگی بچانا چاہتا ہے، وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر دوسروں کا پیٹ بھرنا چاہتا ہے، وہ خطروں میں اپنے کو ڈال کر دوسروں کو خطروں سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔

ایثار کے دو واقعے:

میرے عزیزو! آپ میرے ان لفظوں پر تعجب نہ کریں، یہ سب تاریخ کے واقعات ہیں، ہماری آپ کی اسی دنیا میں ایسا ہو چکا ہے، تاریخ میں ایسے واقعات گزرے ہیں، جو ان فرضی قصوں اور انسانوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں، جو آج فلموں میں اور اسکرین پر دکھلائے جاتے ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں آمد کے کچھ عرصہ بعد کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے ایک زخمی بھائی کی تلاش میں پانی لے کر نکلے کہ شاید پانی کی ضرورت ہو تو میں ان کی

خدمت کروں، زخمیوں میں ان کو اپنے بھائی نظر آ گئے جو زخموں سے نڈھال اور پیاس سے بے قرار تھے، انہوں نے پیالہ بھر کر پیش کیا تو زخمی بھائی نے ایک دوسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے ان کو پلاؤ اگر یہ واقعہ یہیں ختم ہو جاتا تب بھی انسانیت کی بلندی کے لئے کافی تھا اور تاریخ کا ایک یادگار واقعہ ہوتا لیکن یہ واقعہ یہیں ختم نہیں ہوتا، جب اس زخمی کے سامنے پیالہ پیش کیا گیا تو اس نے تیسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا، اس طرح ہر زخمی اپنے پاس والے زخمی کی طرف اشارہ کرتا رہا، یہاں تک کہ پیالہ چکر کاٹ کر پہلے زخمی کی طرف پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا، دوسرے کے پاس پہنچا تو وہ بھی رخصت ہو چکا تھا، اسی طرح سے یکے بعد دیگرے یہ سب زخمی دنیا سے چلے گئے لیکن تاریخ پر اپنا ایک نقش چھوڑ گئے، آج جب کہ بھائی بھائی کا پیٹ کاٹ رہا ہے، اور ایک انسان دوسرے انسان کے منہ سے روٹی کا ٹکڑا چھین رہا ہے، یہ واقعہ روشنی کا ایک مینار ہے۔

ایک دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مہمان آئے، آپ کے یہاں کچھ کھانے کو نہیں تھا، آپ نے فرمایا ان کو کون اپنے گھر لے جائے گا، ایک صحابی حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے اپنے کو پیش کیا اور مہمانوں کو لے گئے، گھر میں کھانا کم تھا، گھر میں یہ مشورہ ہوا کہ بچوں کو سلایا دیا جائے گا اور کھانا مہمانوں کے سامنے رکھ کر چراغ بجھا دیا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، مہمانوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ابوطلحہ بھوکے اٹھ گئے، مہمانوں کو اندھیرے میں پتہ چلنے نہیں پایا کہ ان کا میزبان کھانے میں شریک نہیں ہے اور وہ خالی ہاتھ منہ تک لے جاتے رہے ہیں۔

انسانیت کا درخت اندر سے سرسبز ہوگا:

پس پیغمبر انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہیں، وہ نظام بدلنے کے اتنی کوشش نہیں کرتے، جتنا مزاج بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، نظام ہمیشہ مزاج کے تابع رہا ہے، اگر دل نہیں بدلتا، مزاج نہیں بدلتا تو کچھ نہیں بدلتا، لوگ کہتے ہیں کہ دنیا خراب ہے، زمانہ خراب ہے، میں کہتا ہوں یہ کچھ نہیں، بلکہ انسان خراب ہے، کیا زمین کی حالت میں فرق

پڑ گیا، کیا ہوا کا اثر بدل گیا، کیا سورج نے گرمی اور روشنی دینی چھوڑ دی، کیا آسمان کی حالت تبدیل ہوگئی، کس کی فطرت (NATURE) میں فرق پڑا، زمین اسی طرح سونا اگل رہی ہے، اسکے سینہ سے اسی طرح اناج کا ذخیرہ ابل رہا ہے، پھلوں کے ڈھیر نکل رہے ہیں، لیکن تقسیم کرنے والے پاپی ہوگئے ہیں، یہ ظالم جب اپنی ضروریات کی فہرست بناتے ہیں تو اخبارات کے صفحات اس کے لئے تنگ اور دفتر کے دفتر ان کے لئے کم اور جب دوسروں کی ضروریات پر سوچتے ہیں تو ساری علم معاشیات (ECONOMICS) کی قابلیت کا کمال اس کے مختصر کرنے میں صرف کردیتے ہیں، جب تک یہ رجحان نہیں بدلتا، انسانیت کراہتی رہے گی، پیغمبر اندر کے گھن کی فکر کرتے ہیں، آج ساری دنیا میں یہی ہورہا ہے، انسانیت کا درخت اندر سے خشک ہوتا چلا جارہا ہے، کیڑا اس کے گودے کو کھائے چلا جارہا ہے، لیکن زمانہ کے بقراط اوپر سے پانی چھڑکوا رہے ہیں، درخت کے اندر کی سرسبزی اور اس کی نشو ونما کی جو قوت تھی، وہ ختم ہوچکی ہے، لیکن پتیوں کو سرسبز کرنے کو ہوائیں (GASES) پہنچائی جارہی ہیں، پانی چھڑکا جارہا ہے کہ خشک پتے ہرے ہوں، پیغمبروں نے انسان کو انسان بنانے کی کوشش کی، انہوں نے اسے ایمانی انجکشن دیا اور کہا کہ اے بھولے ہوئے انسان اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان اور سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اسے نگران مان "لا تاخذہ سنۃ ولا نوم" نہ اس پر اونگھ کا غلبہ ہوتا ہے، نہ اسے نیند آتی ہے۔

انسانیت کے صحیح نمائندے:

بس جب تک انسان کے قلب وجگر سے محبت کا سرچشمہ نہ ابلے، جب تک دل کے اندر ایثار کا جذبہ نہ پیدا ہو، انسانیت کی اصلاح ناممکن ہے، بس وہ ایسی انسانی تربیت کرتے ہیں کہ اس میں بھائی کے لئے ایثار اور تکلیف اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ محض قانون سے انسان کا علاج نہیں کرتے بلکہ وہ انسان کے اندر حقیقی انسانیت، انسانیت کا جوہر پیدا کرتے ہیں، وہ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں جو صحیح انسانیت کا مظاہرہ (DEMONSTRATION)

کر کے یہ ثابت کر دیتی ہے کہ ہم معدہ، پیٹ اور سر کے غلام نہیں، وہ زبان حال سے اعلان کرتی ہے کہ وہ شکم پرست، شوق پرست، دولت پرست، بادشاہ پرست یا اہل وعیال پرست نہیں، جب تک ایسی قوم سامنے نہیں آتی، انسانیت کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔

اگر کسی ملک میں ایسی قوم پیدا ہوتی ہے کہ سب کو نفع پہنچائے اور خود کو بھول جائے تو وہ انسانیت کو سدھار سکتی ہے، تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے انسانیت کے خیر خواہ گزرے ہیں، لیکن نہ کسی اسٹیج پر آپ یہ پائیں گے کہ انہوں نے بالآخر اپنا انتظام کرلیا، ایسے بے شمار قوم کے شیوخ گزرے ہیں جنہوں نے قومی سدھار کا کام بڑی مشکلات میں شروع کیا، جیلیں کاٹیں لیکن بالآخر جیل سے نکل کر حکومت کی کرسیوں پر جا بیٹھے، ان کا یہ حق تھا انہیں مبارک ہو۔

پیغمبروں کی زندگی:

دوستو! لیکن اللہ کے پیغمبر دنیا سے بے داغ چلے گئے، انہوں نے دنیا کے آرام کی خاطر اپنا عیش تج دیا، انہوں نے سوفی صدی دوسروں کے فائدے میں بے آرام زندگی گذاری اور ایک فی صدی بھی اپنا فائدہ نہیں اٹھایا، وہ اوران کے صحابی اور ساتھی جہاں سے گزرے دنیا کو نہال کر دیا، دنیا آج تک ان کے لگائے ہوئے باغ کا پھل کھا رہی ہے، جسے انہوں نے اپنے خون سے سینچا تھا، جو دوسروں کے گھر میں چراغاں کر گئے، لیکن ان کے گھر میں دنیا سے جاتے وقت اندھیرا تھا، محمد رسول اللہ ﷺ کی عطا کی ہوئی روشنی جھونپڑوں اور شاہی محلوں میں یکساں جگمگائی، لیکن جاتے ہوئے ان کے گھر کا چراغ مانگے ہوئے تیل سے جل رہا تھا، حالانکہ مدینہ کے سینکڑوں گھروں میں انہیں کا جلایا ہوا چراغ جل رہا تھا، آپ فرماتے تھے "نحن معشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکنا صدقة" (ہم پیغمبر نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں، نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب غریبوں کا حق ہے) اس سے بڑھ کر آپ کا ارشاد تھا کہ جو کوئی مر گیا اور وہ کچھ ترکہ چھوڑ گیا، وہ اس کے ورثاء کو مبارک ہو، ہم اس سے ایک

پیسہ نہیں لیں گے، لیکن جو قرض چھوڑ کر گیا ہے تو وہ میرے ذمہ ہے، اسے میں ادا کروں گا کیا دنیا کے کسی بادشاہ یا قائد نے یہ نمونہ چھوڑا ہے؟ آپ کی زندگی انسانیت کا شاہکار ہے، آپ دنیا کے سامنے ایسا نمونہ پیش کر گئے جس میں سوائے ایثار و محبت اور دوسروں کے غم میں گھلنے کے کہیں اپنا رتی برابر فائدہ نظر نہیں آتا، آپ عرب کے واحد بادشاہ تھے، دلوں پر ان کی بادشاہی تھی، لیکن دنیا سے دامن بچائے ہوئے بے منت چلے گئے، آپ ہی نہیں بلکہ جو جتنا آپ سے قریب تھا، اتنا ہی وہ خطرے سے قریب اور فائدہ سے دور تھا، اپنی گھر والیوں سے علی الاعلان کہہ دیا کہ اگر دنیا کی بہار اور عیش چاہتی ہو تو ہم تم کو کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے تمہارے گھروں کو رخصت کر دیں گے، تم وہاں واپس جاؤ اور راحت و آرام کی زندگی گزارو، اور ہم سے فارغ خطی لے لو، ہمارے ساتھ رہنا ہے تو درد دکھ، تنگی ترشی برداشت کرنا ہے۔ یہی اس گھر کا تحفہ ہے اور اسی پر اللہ کے ہاں سے انعام ملے گا۔

دوستو! ہم چاہتے ہیں کہ پھر یہی زندگی عام ہو، انسانیت کی بے لوث خدمت اور بے غرض محبت کا رواج ہو، پھر دوسروں کے نفع کے لئے اپنے نقصان کو ترجیح دی جائے، پھر ایسی قوم پیدا ہو جو خطرہ کے موقع پر پیش پیش اور نفع کے موقع پر دور دور نظر آئے۔

خواہشات کی تسکین سکون کا راستہ نہیں:

دوستو ، بھائیو ! آج دنیا کی ساری ریاستیں اور حکومتیں اس محور پر گھوم رہی ہیں کہ قوموں اور طبقوں کو ہر طرح سے مطمئن کیا جائے اور خواہشات کی تسکین کی جائے لیکن دانایان فرنگ، یہ اصلاح و تسکین کا راستہ نہیں، یہاں ایک فرد کی خواہشات بھی پوری ہونا مشکل ہے، خواہشات کا یہ حال ہے کہ وہ لامتناہی ہیں، اور دنیا کا یہ حال ہے کہ وہ محدود اور مختصر اور کروڑوں انسانوں مین مشترک ہے، واقعات کی دنیا میں آ کر دیکھئے تو اس دنیا میں درحقیقت ایک آدمی کی منہ مانگی خواہشات کو بھی پورا کرنے کی گنجائش نہیں ، یہاں کسی ابوالہوس کی ہوس پوری نہیں ہو سکتی، یہاں نفس کی تسکین کا خواہش مند پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

آج دنیا کے بڑے رہنما یہ کہہ رہے ہیں کہ انسانی خواہشات سب جائز اور فطری ہیں سب کو پورا ہونا چاہئے اور اُسی پر ساری دنیا میں عمل ہو رہا ہے۔

دوستو! یہی بنیادی غلطی ہے، خواہشات کی تسکین اور تکمیل سے انسانیت کی تشفی نہیں ہوسکتی، خواہشات کی تسکین سے خواہشات میں کمی، اور قلب میں سکون پیدا نہیں ہوگا، یہ تو سمندر کا پانی ہے، جس قدر اس سے پیاس بجھایئے گا، پیاس بھڑکے گی، آج ساری دنیا میں حکومتیں ادارے اور تہذیبیں اسی فلسفہ کے مطابق کام کر رہی ہیں کہ انسانوں کی صحیح وغلط خواہشات کی تسکین کا سامان کیا جائے، قومیں، طبقے، جمہور اور افراد جو کچھ مانگیں ان کو دیا جائے، اس سے سکون پیدا ہوگا، امن قائم ہوگا لیکن نتیجہ بالکل الٹا ہے، آج ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے، دل کی لگی کسی سے بجھتی نہیں، خواہشات کا ایک الاؤ جل رہا ہے، اور اس میں ہر قوم ایندھن ڈالتی چلی جا رہی ہے اور اس کو ہوا دے رہی ہے، آج اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں اور قوموں اور ملکوں کی طرف لپک رہے ہیں، آج "وقودها الناس والحجارة" (اس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) کا منظر نظر آ رہا ہے، لوگ اس آگ کی شکایت کرتے ہیں مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ آگ کس نے جلائی، یہ الاؤ کس نے روشن کیا، اس پر تیل کس نے چھڑکا، اس میں ایندھن کون ڈال رہا ہے، خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے راستہ کا یہی انجام اور منزل ہے۔

لطیفہ یہ ہے کہ یہی لوگ جو قوم کی ہر خواہش اور ہر فرمائش کو پورا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے لئے تفریح وتسکین کا سامان بہم پہنچانا ضروری جانتے ہیں، اپنی اولاد کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے اس کی بہت سی غلط اور مضر خواہشات کی روک تھام کرتے ہیں، بچہ اگر آگ سے کھیلنا چاہے تو نہیں کھیلنے دیتے، لیکن وہ ان قوموں کی ہر خواہش اور فرمائش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں جو وہ کریں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی رعایا سے اپنی اولاد کی طرح ہمدردی نہیں، یہی لوگ جو قوموں پر حکومت کرتے ہیں، ان کو خوش

رکھنے کے لئے اوران کے افراد سے رائے حاصل کرنے کے لئے ہر غلط اور صحیح خواہش کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں، آج کسی ملک میں کوئی ایسی جماعت نہیں اور کسی شخص میں یہ اخلاق جرأت نہیں کہ وہ تفریحات اورتعیّشات پر تنقید کرے، لہولعب کے بڑھتے ہوئے ذوق، تماش بینی، موسیقی، رقاصی اور مصوری کے حد سے بڑھے ہوئے شوق اور انہماک پر اعتراض کرے، آج کوئی ایسی حکومت نہیں جو ان چیزوں پر ضروری پابندیاں عائد کرے اور قوم اور اہل ملک کی ناراضگی مول لے۔

اللہ کے پیغمبر خواہشات میں اعتدال پیدا کرتے ہیں اور صحیح ذہنیت اور صلاحیت عطا کرتے ہیں:

میرے دوستو ، بھائیو ! اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اس سے بالکل مختلف ہے، انہوں نے جائز اور ناجائز خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے بجائے خوہشات کو لگام دی، انہوں نے خواہشات کی رخ کو موڑا اور صرف جائز خواہشات کو اس کا مستحق سمجھا کہ ان کی تکمیل کی جائے، انہوں نے زندہ اور بیدار ضمیر پیدا کیا، اس سے زندگی میں اعتدال اور دلوں میں سکون پیدا ہوا، تمہاری درس گاہوں، تمہاری تجربہ گاہوں...... (LABORATORIES) تمہاری سائنس نے دنیا کو بہت کچھ دیا، انہوں نے حیرت انگیز ایجادوں کو جنم دیا، لیکن انسانوں کو پاک ضمیر نہیں دیا، تمہارے ان اداروں نے انسان کے ہاتھ کھول دیئے، بچوں کو ہتھیار تو دیئے، لیکن ان کی تربیت نہیں کی، آج وہ نادان بچے شوخیاں کررہے ہیں اور آزادانہ ان ہتھیاروں کا استعمال کررہے ہیں، لیکن۔

اے باد صبا ہمہ آوردۂ تست

اللہ کے پیغمبروں نے خواہشات پر پہرے بٹھائے، خواہشات میں توازن اور اعتدال پیدا کیا نفسانی خواہشات کے بجائے اللہ کو راضی کرنے کی زبردست خواہش پیدا کی، انسانی ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ پیدا کیا، انہوں نے چیزیں ایجاد کرکے نہیں دیں، مگر انہوں نے وہ ذہنیت پیدا کی جس سے خدا کی بنائی ہوئی اور انسان کی تیار کی ہوئی

چیزوں کے استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، انہوں نے ضمیر بخشا، یقین بخشا، آج دنیا کے پاس سب کچھ ہے، یقین نہیں ہے، آج دنیا کے کارخانے سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں، لیکن یقین پیغمبروں کے کارخانے سے ملتا ہے ،آج دنیا خدا سے ڈرنے والوں سے خالی ہے، یقین سے خالی ہے، انسانیت کی بے لوث خدمت کون کرے، خدا کا خوف اور اس کی رضا کا یقین، اس کے کنبے کی بے لوث خدمت کا جذبہ دیتا ہے، انسانیت کے ایسے خادم پر نعرہ سے دور حکومت کے لالچ سے الگ، سیاسی چالوں اور سیاسی جوڑ توڑ سے بیزار، بے لوث خدمت کرتے ہیں، آج ایسے ہی خدمت گاروں کی ضرورت ہے، جن کے پاس کچھ نہ ہو، پھر بھی کچھ لینا نہ چاہیں، بلکہ دینا ہی چاہیں۔

ہمارا پیغام اور ہماری صدا:

میرے دوستو ! ہم لوگوں میں اس جذبہ کو پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان میں ان حقیقتوں کی پیاس پیدا کرنا چاہتے ہیں زندگی محض کھانے پینے کا نام نہیں، انسان کی زندگی محض مادی یا حیوانی زندگی کا نام نہیں، ہم ایک نیا ذوق لے کر آئے ہیں آج کی مادی دنیا میں یہ بات نئی ہے، دراصل یہ بات نئی نہیں، دنیا کے سب پیغمبر جو ہر قدم میں آئے، یہی پیغام لائے اور سب سے زیادہ طاقت او۔ وضاحت کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ نے آخری طور پر یہ بات کہی، یہ حقیقت چوراہوں پر کہنے کے لائق ہے، لوگ پیٹ کے گرد چکر لگا رہے ہیں ،اصل زندگی دم توڑ رہی ہے، انسانیت کی پونجی لٹ رہی ہے، ہم ایک صدا لگانے آئے ہیں، حق کی صدا، دنیا اس صدا سے نامانوس ہے، مگر ہم دنیا سے مایوس نہیں، انسان کے پاس اب بھی ضمیر ہے، یہ ضمیر مردہ نہیں ہوا، اس پر گرد و غبار آ گیا ہے، اگر وہ گرد و غبار جھاڑ دیا جائے اور اس کو آلودگی سے صاف کر دیا جائے تو اب بھی اس کی گنجائش ہے کہ وہ حق کو قبول کرلے اور اس میں ایمانی شعور پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو شرف قبولیت بخشے! اللّٰھم آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقوام عالم کے درمیان اُمت اسلامیہ کا حقیقی وزن اور دنیا میں اس کی کارکردگی کا اصل میدان

ذیل کی تقریر حضرت مولاناؒ کی اس عربی تقریر کا ترجمہ ہے جو خلیج عربی کی مشہور ریاست قطر کے مرکزی شہر اور دارالحکومت دوحہ میں ۱۳ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ کو ایک عظیم مجمع کے سامنے پیش کیا گیا اور اس کو سامنے رکھ کر زبانی خطاب کیا گیا، ریاست قطر کی طرف سے ہر سال وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ کے اداراہ الشؤن الاسلامیہ کی طرف سے الموسم الثقافی الاسلامی اور اجلاس عام ہوتے ہیں، جس میں عالم عربی واسلامی کی معروف وممتاز شخصیتوں کی تقریر یا مقالہ کے پڑھنے اور سننے کا انتظام کیا جاتا ہے

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهدى الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له واشهدان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا وسندنا ومولانا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم تسليما كثيرا. اما بعد!

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم. وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (آل عمران ایت ۱۲۳)

(ترجمہ) اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو بدر میں منصور فرمایا، حالانکہ تم بے سروسامان تھے، سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم شکرگزار رہو۔

میرے بھائیو! اس آیت کریمہ میں معرکہ بدر کا ذکر ہے، مختصر سی آیت ہے لیکن اس کے اندر ہمارے لئے بہت سامان عبرت ہے، یہ ایک ایسا سبق ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے

لئے ہماری فکر کو جلا بخشتا رہے گا اور عزائم کو سینوں میں بیدار رکھے گا۔ یہی نہیں بلکہ اس آیت میں ہماری حیثیت کا تعین بھی ہے، اقوام عالم میں ہمارا کیا کردار ہونا چاہئے اور زندگی کے ہر موڑ پر اور بدلتے ہوئے حالات میں ہمارا کیا موقف ہونا چاہئے، اس کی طرف واضح رہنمائی ہے۔

تاریخ کی ٹھوس، نا قابل انکار حقیقت

آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے وہ حصے جن کو ہم عالم اسلام کہتے ہیں، جن میں حکومتیں بھی ہیں اور ریاستیں بھی، دولت کی ریل پیل بھی ہے، زندگی کی آسائشیں بھی موجود ہیں، علم وفن کا بھی چرچا ہے، کتب خانے، مدرسے، جامعات اور یونیورسٹیاں بھی ہیں، زندگی کی سرگرمیوں کے تمام میدان موجود ہیں یہ سب کے سب بلا کسی استثناء کے معرکہ بدر میں فتح ونصرت کا صدقہ ہیں، اگر خدانخواستہ اس جنگ میں کفار کی سازش کامیاب ہوجاتی ہے ایسی سازش جس کا جال بڑی ذہانت اور فکری کاوش سے تیار کیا گیا تھا، اگر خدانخواستہ ان کی سازشیں کام کر جاتیں اور مسلمانوں کو شکست ہوجاتی تو آج عالم اسلامی کا وجود ہی نہ ہوتا، نہ علمی سرگرمیاں ہوتیں، نہ حکومت وجہاں بانی کا کوئی خواب دیکھ سکتا جب زندگی ہی سرے سے نہ ہوتی تو پھر زندگی کے مظاہر بھی نہ ہوتے، یہ تاریخ کی ٹھوس، نا قابل انکار اور پائیدار حقیقت ہے۔

حضرات! آپ مجھے کہنے دیجئے کہ آج زمین کا ہر وہ چپہ، ہر شہر اور علاقہ جو مسلمانوں سے آباد ہے جس کو عالم اسلام میں شمار کرتے ہیں، یہاں تک کہ برصغیر ہند، جہاں مسلمانوں کی بڑی بڑی وسیع آبادیاں ہیں اسی طرح مسلمانان مصر، مسلمانان شام مسلمانان عراق وترکی اور وہ تمام مسلمان جن سے مشرق اقصیٰ، عالم عرب، مشرقی جنوبی ایشیا آباد ہے، اگرچہ ان کی ریاستیں جدا جدا ہیں اور ان کے مقامی مسائل ومشکلات متنوع ہیں، ان میں گروہ بندیاں بھی ہیں اور ان کے رنگ روپ بھی علیحدہ ہیں اور ان میں بے شمار تہذیبیں خاندان اور مقامی رنگ بھی داخل ہیں، یہ سب کے سب آج اس لئے مسلمان کہے جاتے ہیں کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح یاب کر دیا تھا، آج جو کچھ ہے سب اسی جنگ بدر میں فتح یابی کا صدقہ اور اس کا پرتو ہے۔

حضرات! اگر کہیں اس جنگ میں مسلمان ناکام ہوجاتے تو صاف سن لیجئے کہ عالم اسلامی نام کی کوئی چیز اس آسمان کے نیچے نہ دکھائی دیتی، اسلامی دعوت، تبلیغ کو دنیا میں اپنی راہ نکالنے کا کوئی راستہ نہ ہوتا، دلوں کو موہ لینے کی صلاحیت، ملکوں کو فتح کرنے کی قوت، اس کے نام پر حکومتیں بنانے کا حوصلہ، اداروں مدرسوں اور کتب خانوں کی یہ چمک دمک، یہ سرگرمیاں اور نشاط وقوت کے مظاہر سب ناپید ہوتے، نہ اس قوم میں کوئی نادرہ روزگار عالم وصاحب فن ہوتا نہ اولیاء وصالحین کی کوئی جماعت ہوتی اور نہ آوازہ حق کہیں سنائی دیتا۔

لیکن آپ حضرات میں جن کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہے، تاریخ وسیرت نبوی کا مطالعہ کر چکے ہیں، وہ اس معرکہ بدر میں پیش آنے والے ایک واقعہ سے جب گزرتے ہیں تو ایک اور صرف ایک جملہ ان کی توجہات کا مرکز بن جاتا ہے وہ حیرت وعظمت کے جذبات سے سرشار ہوجاتے ہیں، مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو سرسری طور پر اس جملہ کو پڑھتے ہیں اور سرسری طور پر گذر جاتے ہیں، حالانکہ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اس کو سرسری اور سطحی طور پر کوئی پڑھ کر گذر جائے یہ جملہ حیران و ششدر کرنے والا جملہ ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے میدان جنگ کا معائنہ فرمایا اور صحیح صورت حال کا جائزہ لیا اور کفار کی قوت، ان کے ساز وسامان، جنگی ہتھیار، تعداد کی کثرت، اور جوش انتقام سے بھرے ہوئے کفار کے تیور دیکھے تو آپ ﷺ کو مسلمانوں کی تعداد اور سامان جنگ کی انتہائی قلت نظر آئی، جو لوگ مکہ سے اس عزم و جوش سے نکلے تھے کہ اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکیں گے، ان میں سے ایک ایک کی آنکھ میں خون اترا ہوا تھا، دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے جو کفار کی مہم کو ناکام بنانے کے لئے آئے تھے، جہاد فی سبیل اللہ جن کا مقصد اور آخرت جن کا مقصود تھی، دونوں فوجوں کے درمیان فرق معمولی نہیں غیر معمولی تھا، سامان جنگ اور جنگی تجربات اور تعداد کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی کہ مسلمان ان کفار کا مقابلہ کرسکتے، وہ ہزار کی تعداد میں تھے اور یہ صرف ۳۱۳ تیرہ صحابہ کرامؓ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ہمیشہ بھروسہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی

قدرت کاملہ پر یقین ان کا اصلی اثاثہ ہوتا ہے پھر بھی ناموس فطرت اور دنیائے اسباب کی سنت سے بھی واقف ہوتے ہیں، اس لئے وہ کبھی حقائق کا جائزہ لینے سے غافل نہیں رہتے۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے دونوں فریقوں کے درمیان اس درجہ نمایاں اور بھیانک فرق کو دیکھا اور سامان وتعداد کی کثرت جو حملہ آور کفار کے قبضہ میں تھی اور اس کی قلت جو دفاعی مورچہ میں مسلمانوں کے پاس تھی دونوں کا موازنہ کیا تو ملاحظہ فرمایا کہ فرق کوئی معمولی نہیں ہے ایسے موقع پر نظام کائنات اور سنت تکوینی کا تقاضہ تھا کہ آپ ظاہری اسباب سے صرف نظر نہ فرماتے لہذا آپ کو صاف نظر آ گیا کہ مسلمانوں کی فتح صرف قوت کے بل بوتے پر نہیں ہوسکتی، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے فریادرسی نہ ہو، ان کمزور اور نہتے مسلمانوں کی دستگیری عالم غیب سے نہ ہوئی تو کامیابی مشکل ہی نہیں محال ہے، واضح طور پر بالکل کھلی مدد کی ضرورت تھی وہ تمام تصورات وتخمینات، اندازوں اور جائزوں سے ماوراء، خرق عادت اور معجزہ کی شکل میں سامنے آئے۔ کہاں ایک ہزار مسلح بکتر بند ماہرین جنگ اور کہاں ۳۱۳ مسلمان، جن میں بڑی عمر کے لوگوں کے ساتھ نوخیز و نوعمر صاحبزادگان بھی تھے، آپ نے اس منظر کو دیکھ کر حالات کا جائزہ لینے میں کوئی کمی نہیں کی کیونکہ یہ آپ کے فرائض نبوت وقیادت میں داخل تھا، اس حقیقت پسندانہ جائزہ کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہو کر عرض کیا۔

"اللهم ان تهلک هذه العصابة لا تعبد."

یعنی اے اللہ اگر تو نے اس مختصر جماعت (جو مسلمانوں کی یہاں جمع ہے) کو ہلاک کر دیا تو تیری عبادت نہ ہوگی۔

دوستو! یہ جملہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں شمار کئے جانے کے لائق ہے، کسی کی مجال تھی کہ ایسی بات اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہے؟ کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو ایسا ہوگا، اور ایسا کیا تو یہ ہوگا، پر پیغمبر بھی وہ جو اللہ تعالیٰ کا خاص طور پر چنا ہوا محبوب باوقار، باوجاہت ہے، ایسا رسول ﷺ جس کو اللہ تعالیٰ نے منتخب ہی اس لئے کیا تھا کہ اس کی پیغام

اور لائے ہوئے دین کو قیامت تک باقی رکھے گا اور ہمیشہ اس کا ناصر و مددگار ہوگا وہ کہے ''اگر تو نے مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو تیری عبادت نہ ہوگی'' یعنی اے اللہ اگر تو نے اس جماعت مختصر کی شکست کرادی تو دنیا کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ انسانیت کو کسی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ دنیا کی حکومتیں اور دنیا کی ملک اسی طرح رہیں گے جس طرح آج ہیں دنیا کے خزانوں میں کمی نہیں آئے گی، دنیا میں کمانے کھانے کے جو کام ہو رہے ہیں وہ اسی طرح ہوتے رہیں گے بڑے دانشور حکمت و دانائی میں ممتاز افراد جس طرح ہوتے آئے ہیں اسی طرح پیدا ہوتے اور مرتے رہیں گے لیکن صرف ایک بات جو نہیں ہوگی وہ ہے خالص تیری ذات پاک کی عبادت تیرے احکام کا دنیا میں نفاذ اور تیرے دین حنیف کی بقا یہ کام نہیں ہوگا اور سب کچھ ہوگا کیوں کہ اتنی تعداد میں کمی اور دفاعی اسلحہ میں ناقص ہونے کے باوجود روئے زمین پر تنہا یہی جماعت ہے جو توحید کی داعی اور تیری عبادت گذار ہے اس کا بھروسہ صرف تجھ پر ہے اور جس کا اعتماد تیری ذات پاک پر ہے جس کی عبادت صرف تیری ذات پاک کے لئے ہے اور جس کو یقین ہے کہ کائنات پر صرف تیرا تصرف ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے، تو ہی قادر مطلق، حاکم مطلق اور مالک الملک ہے عبادت و طاعت کا تنہا سزا وار ہے صرف تیرے احکام اور صرف تیری شریعت کا یہ حق ہے کہ وہ دنیا پر نافذ ہو اور بے چوں و چرا اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

محترم حضرات! سیرت نبوی میں ان سطور کو پڑھنے والا اگر ہوش مند ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال سے واقف ہے اور اس کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی و بے نیازی کیا معنی رکھتی ہے، اس کی قادر و قاہر ذات جو ساری مخلوقات سے بے نیاز ہے اور جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے، جو غنی بھی ہے اور قوی بھی ہے اس حقیقت کا ادراک رکھنے والا شخص جب رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ پڑھتا ہے اور وہ بھی ایسے ناز کے لمحات میں جو خوف و ہراس سے پر ہیں اور جب کہ سوائے الحاح و زاری اور اس کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے کوئی چارہ کار نہیں وہ حیران رہ جاتا ہے، ایک طرف اللہ تعالیٰ کی بے نیاز اور غنی ذات کو دیکھتا ہے دوسری طرف رسول برحق کی

زبان پاک سے ایسے الفاظ سنتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ اگر تو نے اس مختصر گروہ کو ختم کر دیا تو تیری حکمرانی باقی نہیں رہے گی۔ ایسی پر ہول لمحات میں یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی، کیونکہ یہ بات جو رسول برحق ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی تھی وحی خدا وندی تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام تھا، اللہ حاضر و ناظر، غیب و موجود کو جاننے والا ہے وہ مسلمانوں کی بے بسی، کمزوری تعدادی کمی اور اسلحہ کی قلت کو دیکھ رہا تھا اور یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ مقابلہ میں جو دشمن ہیں وہ کس درجہ اسلحہ سے لیس اور کتنی بڑی تعداد میں ہیں، اس عظیم تفاوت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہم کنار کیا۔

لہذا یہ بات آئینہ کی طرح روشن ہو کر ثابت ہو گئی کہ مسلمانوں کو باقی صرف اس لئے رکھا گیا ہے کہ ان کے وجود سے دعوت الی اللہ کا سلسلہ قائم رہے گا اور ان کی بقا و سر بلندی کی صرف یہی شرط ہے کہ وہ اس دعوت پر قائم رہیں تا کہ خدائے عزّ وجلّ کی عبادت ہوتی رہے اور اس کی حاکمیت مطلقہ کو تسلیم کیا جائے اور اس کی شریعت کے احکام دنیا پر نافذ ہوں اور اگر مسلمانوں نے کہیں اپنی خصوصیت ضائع کر دی تو مجھے صاف صاف کہنے دیجئے کہ خواہ جتنے مسلمان ہیں سب کے سب والیان ریاست اور ارباب حکومت بن جائیں (میں کسی ریاست یا صاحب ریاست کا حاسد یا بدخواہ نہیں ہوں بلکہ جتنی مسلم ریاستیں ہیں ان کے لئے دعا گو ہوں اور ان کی ترقی و خوشحالی کا متمنی ہوں) لیکن یہ کہتا ہوں کہ امت اسلامیہ نے اگر اپنا یہ امتیاز کھو دیا، وہ واحد امتیاز جو ان کے بقاء کا ضامن ہے اور جس کے صدقہ میں ان کو بحیثیت مسلم زندگی عطاء کی گئی ہے یعنی اللہ کے دین کی دعوت اور صرف اس کی عبادت اور اس کے احکام کو بلا چوں و چرا تسلیم کرنے والا امتیاز، اس کی شریعت اور احکام شریعت کو فرد اور سوسائٹی پر پوری طرح نافذ کرنے والی امت ہونے کا امتیاز جو زندگی دینی تعلیمات و احکام کے مطابق ہو اس زندگی کو عام کرنے اور رائج کرنے کا عزم رکھنے کا امتیاز اگر یہ امتیاز خدانخواستہ مفقود ہو گیا تو خواہ دنیا کی دولت ان کو مل جائے پھر بھی ان کے وجود بقاء کی کوئی ضمانت نہیں لی جا سکتی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "اے اللہ اگر تو نے ان مٹھی بھر تعداد رکھنے والے مسلمانوں کی غیبی مدد نہیں کی تو

روئے زمین پر کوئی تیرا نام لینے والا نہیں رہے گا۔'' یہ بات بلاشبہ صرف ایک پیغمبر برحق ہی کہہ سکتا ہے، جس پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہو اور جس کی عند اللہ حیثیت ہو، لہذا میں پوری صراحت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر مسلمان دعوت حق سے کنارہ کش اور سبکدوش ہو گئے جو ان کے سپرد کی گئی ہے اور جس کی خاطر ان کو سرفراز کیا گیا ہے تو پھر دنیا میں ان کے حفظ و بقاء کی کوئی ضمانت نہیں لی جاسکتی، خواہ ان کے پاس فوجی طاقت ہو، عددی طاقت ہو، اقتصادی طاقت ہو، بہتر سے بہتر مواقع میسر ہوں اور جو بھی جاد و حشمت ان کو ملی ہو سب بے کار اور سب بے سود و بے نفع ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت ان کی اسی صفت کی بنا پر کی تھی کہ ''اگر یہ نہ رہے تو تیری عبادت نہ ہوگی'' یوں سب کچھ ان کو مل سکتا ہے۔ یہ سب کچھ پا سکتے ہیں، حکومتیں ملتی رہیں گی، دولت پا سکتے ہیں، مگر امانت خداوندی یعنی دعوت الی اللہ جس سے صرف اللہ کی پرستش ہو اور اس کا پیغام سرمدی دنیا میں باقی رہے اور غلبہ و سطوت صرف اللہ کا رہے اس کے احکام زمین پر جاری ہوں، زندگی کے ہر موڑ پر اس کے احکام کی پیروی ہو اور دینی تعلیمات تمام بدلتے ہوئے حالات میں رہنما ہوں۔ یہ نہیں ہوگا اور جب یہ نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت و نوازش بے پایاں سے امت محروم ہو جائے گی۔

لہذا وہ چیز جس کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے اور جس کے لئے ان کے اندر غیرت و حمیت ہونا چاہئے اور جس کو وہ اپنی جان سے صحت سے اپنی دانائی و ہوش مندی سے زیادہ عزیز رکھیں اور جس کو دولت و حکومت پر ترجیح دیں اپنی شہرت و ناموری کے پروپیگنڈے اور اپنی سیاسی تگ و دو سے زیادہ اہمیت دیں اور جذبہ حکمرانی اور اپنے حدود سلطنت کو وسیع کرنے کی تمنائیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہوں، وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے دین کا داعی و مبلغ سمجھیں، علم توحید کو سربلند اور اللہ کے دین کو سرسبز و شاداب رکھنے کی آرزوؤں اور تمناؤں پر غالب آجائے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں، اللہ کی رضا اور اس کے احکام کے اجزاء کو ہر مقصد اور ہر نسبت پر قربان کرنے کا جذبہ ان کے اندر بیدار کریں، ان کے بقاء کی ضمانت اسی میں ہے کیوں کہ ان کا وجود ملی اسی دھاگے سے بندھا ہوا

ہے۔

میرے بھائیو! جب اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول فرمائی تھی اور مسلمانوں کو فتح یاب کرنے اور ان کو باقی رکھنے کا فیصلہ فرمایا تھا تو گویا ان کی بقا کو عبادت سے مشروط فرما دیا تھا، عبادت کا مفہوم صرف فرائض مقررہ کی ادائیگی نہیں بلکہ اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا اور اس کی رضا جوئی اور خوشنودی کو سب پر مقدم رکھنا اور دین کو وسیع تر آفاقی و عالمی پیمانہ پر پھیلانے کی سعی کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ لہذا اگر مسلمانوں کا رشتہ عبودیت کی زندگی سے منقطع ہوجاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا رشتہ زندگی سے منقطع ہوگیا، جس امر کے باعث ان کو فتح سے سرفراز کیا گیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ باقی رکھے گئے تھے وہ سلسلہ ہی ختم ہوگیا تو اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ ضمانت حیات بھی ختم ہوگئی، اور ان کی حیثیت دنیا کی دوسری قوموں کی طرح رہ گئی کہ اگر وہ دنیا کے عام قانون حیات کے مطابق ترقی وخوشحالی کے کام کریں گے تو ترقی و خوش حالی ہوگی اور اگر ادبار، وزوال کی راہ پر چلیں گے تو ان کے نصیب میں ذلت و زوال آئے گا بلکہ عام قانون کے مطابق جس قدر ذلت وادبار ہونا چاہئے اس سے کئی گنا زیادہ ذلت ورسوائی کا ان کو سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ دوسری قوموں کی بقاء وتحفظ کو کسی شرط سے مشروط نہیں کیا گیا تھا ان کے حق میں یہ آیت کریمہ صادق آئے گی۔

قل ما یعبأ بکم ربی لو لا دعاؤ کم فقد کذبتم فسوف یکون لزاما .(الفرقان آیت نمبر ۷۷ ترجمہ بیان القران)

آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروانہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کروگے، سو تم (احکام الہیہ کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب (یہ جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے وبال جان ہوگا۔

مسلمانوں نے اس شرط کو پورا کیا اور اللہ تعالی سے کئے ہوئے عہد کی لاج رکھی اور یاد رکھا کہ ان کو دشمن پر غالب وفتح مند کیا گیا تھا اور عین اس وقت فتح ونصرت دے کر ان کی مدد کی گئی تھی جب سامنے یہ نظر آ رہا تھا کہ دشمن ان کو بدر کے میدان میں پیس کر

رکھ دیں گے ، ان کا نام ونشان دنیا سے مٹا دیں گے مگر ان کو مدد دے کر غالب کیا گیا اور روئے زمین پر باقی رکھا گیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا سلسلہ ان کے دم سے باقی رکھنا منظور تھا۔

میرے بھائیو ! وہ اس پیغام عبادت کو لے کر دنیا میں پھیل گئے اس پیغام کو لے کر بادشاہوں کے پاس بھی گئے اور عوام الناس کے پاس بھی اسی کی خاطر انہوں نے ہجرت بھی کی اور جہاد بھی ، اسی کے لئے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور معاہدے بھی کئے ، ان کے سامنے یہ حقیقت ہمیشہ جلوہ گر رہی کہ وہ اللہ کے فرستادہ اور اس کے حکم کے بندے ہیں اسلام کا جھنڈا انہوں نے چاردانگ عالم میں لہرایا اور بجا طور پر یہ سمجھتے رہے کہ وہ خلق خدا کے مخلص خادم اور محسن ہیں ، اللہ کے بندوں کو خواہشات کی غلامی سے نکالنے والے ہیں ، جاہلیت کے رسم ورواج اور جاہلی سماج کے عائد کردہ ان بندھنوں سے ان کو آزاد کرانے والے ہیں جن بندھنوں کو وہ معیار ترقی سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ خواہشات اور رواج کے قیدی تو تھے جس طرح کوئی بھی قیدی پابند سلاسل ہوتا ہے ، وہ تھے تو غلام مگر اپنے کو آقا سمجھ رہے تھے ، ان کی زندگی رسم ورواج کے پنجروں میں ایک پرندہ کی طرح بند تھی وہ دوسروں کے رحم وکرم پر زندگی کے دن پورے کر رہے تھے وہ کھانے پینے کے آداب بھی دوسروں سے مستعار کئے ہوئے تھے ، اور اپنی اس پسماندگی ، ذلت اور نامرادی کو عیش وکامرانی سمجھ رہے تھے ان کے سارے جاہ وحشم اور دولت وخوش حالی کے مظاہر کھوکھلے اور بے جان تھے ، حقیقت یہ ہے کہ وہ پنجرہ میں بند تھے ، قفس تو قفس ہی ہے خواہ لوہے کا ہو یا سونے کا۔

ان کی حق گوئی وبے باکی کی بے شمار مثالیں ہیں انہیں میں سے وہ مذاکرہ بھی ہے جو ایران کے فاتح مسلمان فوج کے ایک سپاہی اور فارس کے کمانڈر ان چیف ''رستم'' کے دربار میں پیش آیا۔

رستم نے حضرت سعد بن وقاصؓ سے درخواست کی کہ اپنا کوئی نمائندہ بھیج دیں جس سے یہ معلوم کیا جائے کہ آپ کے اس حملہ کا مقصد کیا ہے ؟ یہ واقعہ قادسیہ سے پہلے کا ہے ،

حضرت سعدؓ نے حضرت ربعی بن عامرؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر فارس کی سپہ سالار اعلیٰ (کمانڈران چیف) رستم کے پاس بھیج دیا، حضرت ربعیؓ وہاں پہنچ گئے، رستم نے اپنا دربار بڑے شاہانہ کروفر سے سجا رکھا تھا، اعلیٰ درجہ کے نقشیں قالین بچھی ہوئی تھی جن پر سونے اور موتیوں کی مینا کاری تھی، ہر طرف ہیرے موتی اور لعل و یاقوت کی چمک دمک تھی، رستم کے سر پر جواہرات کا قیمتی تاج تھا، حضرت ربعیؓ وہاں پہنچتے ہیں جسم پر ایک بھدے قسم کا چغہ ہے، ہاتھ میں تلوار اور ڈھال، ایک معمولی سا چھوٹے قد کا گھوڑا جس پر سوار ہیں، اور اس پر سوار قصر شاہی میں داخل ہو گئے، نظریں نہ منقش در ودیوار پر ہیں اور نہ ہیرے جواہرات کی آرائش پر آگے بڑھ کر گھوڑے سے اترتے ہیں اور اس کو باندھنے کے لئے کوئی کھونٹا نہیں ملا تو قصر شاہی کے گاؤتکیہ سے اس کو باندھ دیتے ہیں اور اس شان استغناء سے بڑھتے ہیں کہ زرہ جسم پر ہے خود سر پر، اور تلوار ہاتھ میں۔

دربار کے کسی چوبدار نے کہا آگے بڑھنے سے پہلے اپنا اسلحہ اتار کر یہاں رکھ دو۔

حضرت ربعیؓ نے کہا: میں (اپنے کسی کام سے) نہیں آیا ہوں، میں تم لوگوں کے بلانے پر آیا ہوں، جی چاہے مجھے اس طرح جانے دو اگر یہ منظور نہیں ہے تو میں لوٹ جاتا ہوں۔

رستم نے کہا: اس کو آنے دو، آپ آگے بڑھے، ہاتھ میں تلوار تھی جو چھڑی کا کام دے رہی تھی، اس پر ٹیک لگاتے ہوئے چلے تو فرش قالین ایک دو جگہ سے ادھڑ گئی۔

رستم نے پوچھا: یہاں تم کس کام سے آئے ہو؟

جواب دیا:۔

ہم اٹھے ہیں کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی پر لگا دیں، دنیا کی تنگی سے ان کو نکال کر اس کی وسعت عطا کریں، مذاہب کے پیدا کردہ مظالم سے نکال کر اسلام کے عدل کا راستہ دکھائیں، اللہ نے ہم کو مامور کیا ہے کہ اس کی مخلوق کا رخ اللہ کے دین کی طرف پھیر دیں جس کو یہ راستہ پسند ہوا اور اس کو قبول کر لے تو اس سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے، ہم لوٹ جائیں گے اور جو انکار کرے گا اس سے ہم اس وقت

تک برسر پیکار رہیں گے جب تک کہ اللہ کا وعدہ پورا نہ ہو جائے۔

پوچھا گیا کہ: اللہ کا کیا وعدہ ہے؟

حضرت ربعیؓ نے فرمایا: انکار کرنے والوں سے جو جنگ میں مر جائے گا اس کی لئے جنت، اور جو زندہ رہ جائے اس کے لئے کامیابی وکامرانی۔

یہ تھی مختصر سی گفتگو (جس کو آج کل سیاسی اصطلاح میں مذاکرات کہا جاتا ہے) جس کا ذکر اسلامی غزوات اور دعوت اسلامی اور مسلمانوں کی تاریخ میں آتا ہے، لیکن عام طور پر لوگ اس سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں، تاریخ کے انبار میں یہ بات دب کر رہ گئی ہے، اس کی معنویت، گہرائی، قوت اور جرات مندانہ انداز میں دعوت پیش کرنے کی روح جوان چند جملوں میں پوشیدہ ہے۔ اس کی طرف کم نگاہ جاتی ہے، عرب کے ایک بدوی علاقہ کا مسلمان سپاہی اپنے اندر کس قدر جوش و جسارت اور حمیت و غیرت رکھتا تھا اور کس طرح دعوت اسلام کی حقیقت سے اس کی روح سرشار تھی اس کی طرف عام طور پر لوگوں نے توجہ نہیں دی ہے۔

حضرات! موجودہ زمانہ کی نوعیت اور مغربی ممالک کی نوعیت (جو اس وقت فکری و سیاسی، تمدنی اور معاشی امور میں دنیا کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں) اس زمانے سے مختلف نہیں ہے جب کہ اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تھا اور جس وقت اسلام کے داعی پیغام حق لے کر دنیا میں پھیل گئے تھے اور اقوام عالم کو، ان کی سوسائٹیوں کو ان کی حکومتوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔

ابھی میں نے جو حضرت ربعی بن عامرؓ کی مثال دی اور ان کے مذاکرات کو نقل کیا، جو ان کے اور رستم کے درمیان ہوئے تھے، وہ ایک ایمان افروز واقعہ ہے، غور کیجئے کہاں ایک عرب کا بدوی سپاہی اور کہاں ایران کا کمانڈر ان چیف، رستم جو شہنشاہ ایران کے بعد وہاں کی اس وقت کی بڑی شخصیت کا حامل تھا اس کا جاہ وجلال، خدم وحشم، آرائش ونمائش کے وہ ساز وسامان جو نگاہوں کو خیرہ کر دیں، دوسری طرف اس وقت کی دو عظیم طاقتیں، ساسانی اور رومانی، جس کے تحت بڑے بڑے شہر آباد تھے، لاتعداد سماجی وعلمی معاشرے

تھے ان گنت معیار اور پیمانے تھے، رسوم رواج، نظریات وافکار تھے اور سب اپنے عروج پر تھے اور یہی پوری دنیا پر عقلی و ذہنی حکمرانی کر رہے تھے تہذیب وتمدن کا رخ بنانے میں اقتصادی و سیاسی ڈھانچوں کی تشکیل میں، عقل وفکر پر اثر انداز ہونے میں انہیں دونوں طاقتوں کا براہ راست دخل تھا، اوران دونوں کے درمیان بہت زیادہ فرق نہیں تھا۔

دوسری طرف وہ فرق جو چھٹی صدی عیسوی کی مشرقی دنیا اور بیسویں صدی کی مغربی دنیا کے درمیان دیکھا جاتا ہے وہ ان دونوں میں مشرق ومغرب کے زمینی و زمانی فرق سے کم ہے زیادہ نہیں۔

میرے دوستو! آج آپ دیکھتے ہیں کہ جاہلیت (جاہلیت اس طرز زندگی یا اس معاشرہ کا نام ہے جو تعلیمات نبوت سے بے نیاز اور آسمانی ہدایات سے محروم ہو اس کا اطلاق طرز زندگی عقیدہ اور معاملات خیر وشر کے معیار سب پر ہوتا ہے) پورے مغرب کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے، وہ مغرب جو اعلیٰ ثقافت اور تمدنی عروج کے نقطہ کمال تک پہنچا ہوا ہے، جاہلیت کے تمام خصائص (جن کا مورخ ذکر کرتے ہیں اور جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں) سب کا محور مادی منافع کا زیادہ سے زیادہ حصول لذت اندوزی اور نفس پرستی بس طرح اور جس راستہ سے حاصل ہو۔ (جو ایک قدیم یونانی تھیوری کا خلاصہ ہے) اس کو حاصل کر لینا یا پھر سیاسی واقتصادی نفوذ واختیارات پر قبضہ کرنا۔ اس کے مقابلہ میں جہاں مذہب کا ذکر آئے اس کو ایک انفرادی معاملہ قرار دینا جو ایک خاص مقام (گرجوں) اور خاص اوقات (مذہبی تہواروں) میں منالیا جائے، اس نظام (جاہلیت) کا انسان سازی میں کوئی دخل نہیں ہے، فرد و جماعت کے کردار، سیاسی ہوں یا اقتصادی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اگر زمانہ ماضی کے شاہان تاجدار دنیا سے الگ تھلگ قید خانہ میں وقت گزارنے والے کی طرح زندگی گزار رہے تھے تو مغرب اس سے وسیع قید خانہ میں مقید ہے شہزادے اور والیان ریاست کے پنجروں سے زیادہ حسین اور خوشنما یہ پنجرے ہیں جن کے اندر اہل مغرب کی انسانیت زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ قید خانہ یا پنجرہ نمائشی آداب

(FASHIONS) اور مصنوعی وضع داریوں (ETIQETTES) کی پابندی ہے جس کو بہت باریک بینی اور نوک پلک کے ساتھ برتا جاتا ہے، لباس رہائش اور نمائش کے وہ فرسودہ اور ازکاررفتہ رسم ورواج جن کو معاشرتی زندگی کا اہم جز سمجھ لیا گیا ہے اور اپنے بڑے لوگوں میں اس کو تلاش کرتے ہیں اور کم ہونے پر انگلی اٹھاتے ہیں، اس لحاظ سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ تمدن پرور اور تمدن کا پروردہ مغرب ان قوموں سے مختلف نہیں ہے جو ماقبل اسلام دو بڑی شاہنشاہیوں میں پائی جاتی تھیں، زمانہ جاہلیت (قبل اسلام) میں انسان بت پوجتا تھا، اس کے روایتی وآبائی صنم بھی تھے اور نئے نئے بنائے ہوئے بت بھی تھے اور موجودہ مغرب میں بھی آپ کو نظر آئے گا۔ لذت اندوزی اور نفس پرستی کا وہ اسی طرح غلام ہے جس طرح وہ لوگ پتھر کے صنم کو اپنا معبود اور اپنے آپ کو اس کا غلام سمجھتے تھے لذت اندوزی کے وسائل پر ان کی ساری تگ ودو اسی محور پر گردش کرتی تھی خود ان کا وجود ان کی خود عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے ایسا تھا جیسے ایک شوخ ناز پروردہ پرند، یا کوئی معزز قیدی ہو، اور آج کا مرد فرنگ خواہ اس کی دولت کا کوئی ٹھکانہ ہو، حکومت وسیاست کی باگ دوڑ بھی اس کے ہاتھ میں ہو، وہ بھی سوسائٹیوں کی عائد کردہ پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے، حیثیت معیار (STANDARDS & VALUES) کے گھروندوں سے باہر سر نہیں نکال سکتا، خواہ کتنی ہی بڑی شخصیت کا مالک ہے، حاصل یہ کہ دونوں قدیم جاہلی انسان اور جدید مغربی انسان دونوں کی ضرورتیں ایک ہی تھی اور اب بھی ہے کہ دنیا کی تنگنائیوں سے اس کو نکال کر اس کو آزادی کی نعمت دی جائے لیکن اب کون ہے جو حضرت ربعی بن عامرؓ کی سنت انفرادی یا اجتماعی شکل میں زندہ کرے اور مغرب یا اہل مغرب کی آنکھوں سے آنکھیں ڈال کر اس کو مخاطب کرے اور اہل مغرب جو آج مادی طاقتوں کے قارون بنے بیٹھے ہیں اور اپنی سیاسی واقتصادی حکمرانی سے دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچار ہے ہیں آج کون ہے جو ربعی بن عامرؓ کی سی جرات ایمانی رکھتا ہو جس نے ساسانی سلطنت کے نائب اعظم، رستم کو مخاطب کیا تھا۔ آج ضرورت ہے کہ کوئی فرد یا جماعت اس درجہ کی بے باکی وصداقت شعاری کے ساتھ حمیت اسلامی اور غیرت ملی کے ساتھ یورپ کو حقانیت و

صداقت کی دعوت دے اور یہ کام (دعوت الی اللہ کا کام) جس میں داعی کی اپنی غرض شامل نہ ہو صرف انسانیت کی بھلائی اور بہبود اس کا مطمع نظر ہو۔

یہ ذمہ داری امت اسلامیہ کی وراثت ہے اس کا فریضہ ہے، ملت کے خاندان مفکرین اور اہل قلم کی یہ ذمہ داری ہے جہاں تک یورپ کا تعلق ہے وہ اندر سے کھوکھلا اور آسمانی ہدایات سے محروم اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، اس کی صحیح تصویر شاعر اسلام علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے ان اشعار میں نظر آتی ہے

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں، تعلیم مساوات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

بھائیو! میں آپ سے کہتا ہوں، بلکہ ایک سوال کرتا ہوں کہ اگر قبیلہ قریش کے وہ افراد جو جنگ بدر اور جنگ احد میں مارے گئے تھے مسلمانوں کے خلاف استغاثہ پیش کریں اور کہیں ہم نے تو خود بڑھ کر ان کے پیغمبر کو پیش کش کی تھی کہ وہ اگر دنیاوی ثروت و دولت چاہتے ہیں تو ہم ان کو دولت سے مالا مال کرنے کو تیار ہیں، اگر عیش وعشرت کی زندگی کی طلب ہے اس طرح کہ اپنی پسند سے جس بڑے سے بڑے خاندان میں چاہیں ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیں، اگر حکومت و سرداری کی تمنا ہے تو ہم سب مل کر ان کو اپنا سربراہ تسلیم کر لیتے ہیں مگر تمہارے پیغمبر نے کوئی بات قبول نہیں کی اور صاف انکار

کردیا اور یہ کہا کہ ہم اس کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے ہیں لہذا آج کس طرح تم انہیں چیزوں کے پیچھے مر رہے ہو، آج تمہیں سوائے عیش وعشرت اور لذت اندوزی کی زندگی کے کچھ نظر نہیں آتا نہ دعوت نہ جہاد۔

اللہ کی عبادت تو کی جاتی ہے مگر اس بات کی دعوت مفقود ہے کہ دین خالص سب کا سب اللہ کا ہو جائے اور اس کی شریعت واحکام کا نفاذ ہونے لگے ہم نے تمہارے سامنے یہ سب کچھ پیش کیا جس کو دنیا کی طلب ہو سکتی ہے مگر آسودہ حالی، فارغ البالی اور عیش کوشی کی زندگی کو تمہارے نبی نے قبول نہیں کیا، رد کر دیا اور کہا کہ ہم اس کام کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے ہم اس لئے مبعوث کئے گئے ہیں کہ تمہارے سامنے دعوت توحید پیش کریں اللہ تعالیٰ کی عبادات کا راستہ بتائیں اسلام کو سر بلند کریں، کیونکہ اللہ کے نزدیک مقبول دین صرف اسلام ہے، ہم نے تم سے بے شک جنگ کی کیونکہ تم اسلام کی حکومت کرنا چاہتے تھے، تم اسلام کی دعوت لے کر اٹھے تھے تم ہی وہ تھے جو کہتے تھے کہ عبادت صرف اللہ کی ہوگی، اللہ تعالیٰ کائنات پر تصرف کرنے والا ہے وہی مدبر ہے، وہی خالق ہے، وہی رزاق ہے، اور ہم اس کا انکار کرتے تھے، لہذا ہمارے تمہارے درمیان معرکے ہوئے اور ہمارے بہت سے لوگ اس راہ میں ہلاک ہوئے۔

لیکن تم لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑے جیسے شمع پر پروانے گرتے ہیں اسی طرح تم دنیا پر فدا ہو رہے ہو تمہاری تمنا ہے کہ تم ناز ونعم میں زندگی گزارو، دولت کا مظاہرہ کرو اور عیش و عشرت کا سامان جہاں بھی ملتا ہو وہ سب تمہارے قبضہ قدرت میں آئے اب تم میں نہ تو اسلامی غیرت ہے نہ دینی حمیت اور نہ دین کی حفاظت اور اس کی وسعت کے لئے نہ کوئی جوش وولولہ ہے تمہارے پیغمبر کے ساتھیوں کی جو زندگی تھی اس سے تم کو ادنیٰ درجہ کی بھی مناسبت نہیں رہ گئی۔

میرے بھائیو، دوستو، عزیزو! میں آپ سے معذرت خواہ ہوں اور آپ سے پہلے میں اپنے ضمیر سے معذرت کرتا ہوں۔ اپنے اسلامی شعور اور احساس سے معذرت کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ بہت سے ملک اور شہر اور خاص طور پر وہ ملک، شہر

جس میں کوئی غیر مسلم جاتا ہے یا تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اور قوموں کے مزاج سے واقفیت رکھنے والا شخص جاتا ہے تو اس کو ماضی اور حال کے درمیان واضح فرق نظر آتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ زندگی کا دھارا ہر جگہ یکساں طور پر چل رہا ہے، سوائے کسب معاش کے اس قوم کا کوئی مقصد حیات نہیں ہے۔ جس طرح دنیا کی دوسری اقوام ہیں اسی طرح قوم مسلم بھی ہے، خواہشات اور اغراض نفسانی کو پورا کرنے کی خاطر یہ لوگ بھی وہ سب کچھ کرتے ہیں جو دوسرے کرتے ہیں، ان کو اس کی بھی حس نہیں رہتی کہ اپنے اور غیر کے درمیان تمیز کریں، مسلمانوں پر غیر مسلموں کو ترجیح دیں گے تجارت وصنعت اور تجارتی مصالح اور نفع اندوزی کے سوا کوئی مطمع نظر نہیں ہے۔

میرے بھائیو! زندگی گزارنے کا جو طرز مسلمانوں میں رائج ہے وہ اسلام کے دعوتی پیغام سے کوئی میل نہیں کھاتا اور نہ رسول اکرم ﷺ کے ان مقاصد سے ان کا کوئی ربط ہے جس کے لئے آپ مبعوث کئے گئے تھے، اور نہ ان مقاصد سے ان کی زندگی کو کوئی مناسبت ہے جس کے لئے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی مدینہ منورہ سے بدر گئے تھے، اور جس کی خاطر انہوں نے اپنی جانیں دی تھیں۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نکتہ کو ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم ﷺ کی دعا قبول فرمائی تھی اور مسلمانوں کو جنگ بدر میں فتح سے ہمکنار کیا تھا، اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو سچا کر دکھایا کہ اگر یہ امت نہیں رہی تو روئے زمین پر اللہ کا عبادت گزار نہیں رہ جائے گا اور اس طرح مسلمانوں کو باقی رکھا اور مسلمانوں کو بے چارگی تعداد اور اسلحہ کی کمی کے باوجود ان کے دشمنوں (قریش) پر ان کو فتح ونصرت سے نواز دیا، اسی بنیاد پر اس وقت کے مسلمان زندگیاں گزار رہے تھے اور ایک مسلم معاشرہ صحیح معنوں میں وجود میں آیا اور ایک اسلامی زندگی عہد نبوی، عہد خلافت راشدہ اور متعدد اور طویل تاریخی زمانوں میں سایہ فگن رہی۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے ان مقاصد اور اس روح، جذبات اور ان دینی وایمانی محرکات عمل کا حصہ کھو دیا، ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اور ہر ایسے عرب و

اسلامی ملک وشہر میں اسلامی زندگی کو سایہ فگن دیکھیں جو نگاہوں سے بھی نظر آتی ہے، تجربہ وعمل میں بھی اس کا مشاہدہ ہوتا ہو اور ہر انسان اس زندگی کا لطف اور فائدہ اٹھا سکے اس کے بڑے اجزاء اور مظاہر کیا ہیں؟ توحید پر استقامت اللہ اور اس کے کلام پر کامل ایمان، دنیا پر آخرت کو ترجیح اور اس پر اللہ کے خوف وخشیت پر ثبات واستقامت اہل اسلام اور اہل ایمان کو ان عناصر اور جماعتوں پر ترجیح دینا جو اس دولت سے محروم ہیں (خواہ ان غیر مسلم معاونین اور ہنرمندوں کی اعانت سے کتنا ہی فائدہ پہنچتا ہو) شریعت اسلامی پر مکمل طریقہ پر عمل اور مرد ہوں یا خواتین ہر طبقہ کی اس پر استقامت، پھر دنیا کو، (جس میں مغرب بھی شامل ہے) خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دینا اور اس کی کوشش کرنا کہ دنیا میں اللہ ہی کی حکومت اور فرمانبرداری کا رواج ہو اسی پر آپ سے اجازت چاہتا ہوں!

والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ وسلم وبارک علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وتابعیہ باحسان الی یوم الدین

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتم الانبیاء ﷺ کی تشریف آوری دنیا کے لئے رحمت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صل اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعی بدعوتھم الی یوم الدین اما بعد!

محترم بزرگو اور دوستو! غارِ حرا میں پہلی وحی کے نزول سے پہلے انسانی زندگی کا فطری بہاؤ رکا ہوا تھا اس کے ہر دروازے پر بھاری بھاری قفل چڑھے ہوئے تھے اور وہ گویا چند مقفل دروازوں اور کچھ تالوں کا مجموعہ بنی ہوئی تھی۔

چودہ سو برس پہلے متمدن دنیا سے الگ تھلگ ایک چھوٹے سے خشک پہاڑ کے اوپر گمنام اور ظاہری اعتبار سے بے حیثیت مقام (غارِ حرا) میں دنیا کو وہ عقدۂ لاینحل حل ہوا، جو نہ بڑی بڑی حکومتوں کی راج دھانی میں حل ہو سکا، نہ عظیم درس گاہوں میں حل ہو سکا اور نہ علم وادب کے پرشکوہ ایوانوں میں حل ہو سکا یہاں پروردگار عالم نے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی صورت میں عالم انسانیت پر ایک احسان عظیم کا دروازہ کھولا اور صدیوں کی گم شدہ کنجی پھر سے انسانیت کو مل گئی۔ یہ کنجی ہے اللہ پر ایمان، اس کے رسول ﷺ پر اور یوم آخرت پر۔ اس کنجی سے آپ ﷺ نے صدیوں کے ان بند قفلوں کو ایک ایک کر کے کھول ڈالا جس کے نتیجے میں حیات انسانی کے ہر ہر شعبہ کے دروازے چوپٹ کھل گئے آپ ﷺ نے جب نبوت کی اس کنجی کو عقل کے قفل پر پرکھا، تو اس کی ساری گرہیں کھل

گئیں اس کی سلوٹیں اور اس کے پیچ وخم دور ہو گئے۔ اسے نشاط فکر حاصل ہو گیا اور وہ اس قابل ہوگئی کہ انفس وآفاق میں پھیلی ہوئی خدا کی نشانیوں سے نفع اندوز ہو سکے۔ اس کائنات میں غور کر کے اس کے خالق کو پا سکے، کثرت کے پردوں کو چیر کر وحدت کا جلوہ دیکھ سکے اور شرک وبت وپرستی اوہام وخرافات کی لغویت کو سمجھ سکے۔

حضرات! اس کنجی سے آپ ﷺ نے انسان کے ضمیر کا قفل کھولا، سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھا اور اس کے مردہ شعور واحساس میں حرکت اور زندگی پیدا ہوئی ضمیر کی روک تھام سے آزاد ہو کر نفس انسانی جو صدیوں سے نفس امارہ بنا ہوا تھا اب وہی نفس مطمئنہ بن گیا جس کے بعد اس میں کسی باطل کے گھسنے کی گنجائش نہ رہی اور گناہ اس کے لئے نا قابل برداشت ہو گیا۔ اس حد تک کہ گناہ گار آدمی رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر از خود اپنے گناہ کا اظہار واقرار کر کے اپنے لئے سخت ترین سزا کی درخواست کرتا ہے ایک گناہ گار عورت اپنے لئے سنگ ساری کی سزا کی درخواست کرتی ہے۔ حضور ﷺ عذر شرعی کی وجہ سے سزا کو کچھ دن کے لئے مؤخر فرماتے ہیں وہ اپنے دیہات کو واپس چلی جاتی ہے نہ اس کی نگرانی کے لئے پولیس، سی آئی، ڈی متعین ہے۔ نہ مجرمہ وقت پر حاضر کرنے کے لئے پولیس متعین ہے۔ لیکن بروقت پھر مدینہ پہنچتی ہے اور خود کو اس سزا کے لئے بخوشی اور باصرار پیش کرتی ہے۔ جو یقیناً قتل سے بھی زیادہ سخت ہے (یعنی سنگ ساری) فتح ایران کے وقت ایک غریب فوجی کے ہاتھ کسریٰ کا زرین تاج آتا ہے۔ وہ اس کو کپڑوں میں چھپا لیتا ہے اور خفیہ طور سے اپنے امیر کی خدمت میں لے جا کر پیش کر دیتا ہے تا کہ ادائے امانت تو ہو، لیکن امانت باری کی نمائش نہ ہو۔

انسانوں کے وہ دل جو اس طرح مقفل پڑے ہوئے تھے کہ ان میں عبرت پذیری تھی، نہ خوف خدا تھا اور نہ رقت اور نرمی تھی۔ یہ کنجی جب ان دلوں پر لگائی گئی تو یکسر کایا پلٹتی ہوئی نظر آئی۔ اب وہ خدا کے خوف سے ہر دم لرزاں وترساں تھے۔ حوادث وواقعات سے عبرت حاصل کرتے تھے۔ انفس وآفاق میں پھیلی ہوئی نشانیوں کا وجود اب ان کے لئے نفع بخش تھا مظلوموں کا حال زار دیکھ کر تڑپ جاتے تھے اور

غریبوں اور بے کسوں کے ساتھ نفرت وحقارت کا برتاؤ کرنے کے بجائے۔ محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے لگے۔ اسی طرح نبوت کی اس کنجی نے جب انسانوں کی ان فطرتی صلاحیتوں اور قوتوں کو چھوڑا جو عرصہ سے ٹھٹھری پڑی تھیں اور نفع بخش ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہورہی تھیں، تو وہ شعلوں کی طرح بھڑک اٹھیں اور سیلاب کی طرح موجیں مارتی ہوئی ابل پڑھیں اور صحیح رخ پر لگ گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلاحیتوں کے ابھرنے کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے جو لوگ بکریوں کی گلہ بانی میں ضائع ہورہے تھے، وہ اب بہترین طور پر قوموں کی نگہبانی اور عالم کی فرماں روائی کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہونے لگے اور جو شخص کل تک صرف کسی قبیلے کا ایک ایک شہر کا نامور شہسوار شمار کیا جاتا تھا، وہ اب بڑی بڑی سلطنتوں اور ایسے ایسے ملکوں کا فاتح ثابت ہوا جو قوت و شوکت میں یکتا تھا۔

اس کنجی سے آپ نے درس گاہوں کے قفل کھولے اور ان میں از سرنو چہل پہل اور رونق پیدا کی، حالانکہ علم کی کساد بازاری اور معلمین کی کسمپرسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ نہ معلم کو دلچسپی رہی تھی اور نہ متعلمین کو۔ آپ ﷺ نے علم کی قدرت و قیمت یاد دلائی، اہل علم کا مرتبہ یاد دلایا اور علم و دین کا باہمی تعلق سمجھایا چنانچہ لوگ درس گاہوں کی ترقی کے لئے دامے درمے قدمے کوشاں ہو گئے مسلمان کا ہر گھر اور ہر مسجد بجائے خود ایک مدرسہ بن گئی، ہر مسلمان اپنے حق میں متعلم اور دوسرے کے حق میں معلم بن گیا، کیوں کہ ان کا دین ہی خود طلب علم کے لئے سب سے بڑا محرک تھا۔

آپ ﷺ نے اسی کنجی سے عدالت کا تعطل ختم کیا۔ اب ہر قانون داں اس قابل تھا کہ اس پر ایک منصف جج کی حیثیت سے اعتماد کیا جا سکے اور ہر مسلمان حاکم اعلیٰ درجہ کا منصف شعار حاکم تھا۔ اور یہ سچے مسلمان سب کے سب محض اللہ کے لئے سچی شہادتیں دینے والے تھے جب اللہ اور آخرت کے حساب و کتاب پر ایمان استوار ہوا، تو عدل وانصاف کی فراوانی ہوئی، بے انصافیاں اور بدمعاملگیاں کم سے کم تر ہو گئیں، اور جھوٹی شہادتیں اور ظالمانہ فیصلے ناپید ہو گئے خاندانی معاملات جو اس قدر ابتر ہو گئے تھے کہ باپ

بیٹے کے درمیان، بھائی بھائی کے درمیان، شوہر اور بیوی کے درمیان کشاکش اور چھین جھپٹ کا میدان گرم تھا پھر یہ عیسائی خاندانوں کے محدود میدان سے نکل کر معاشرے کے وسیع میدان میں بھی پہنچ گئی تھی یہی کشاکش نوکر اور مالک کے تعلقات میں بھی برپا تھی ہر ایک کا یہ حال تھا کہ اپنا حق کسی طرح بھی چھوڑنا نہ چاہتا تھا اور دوسرے کا حق کسی طرح دینا نہ چاہتا تھا۔ خود اگر کوئی چیز خریدتا، ناپ تول میں ذرا ذرا سی اونچ نیچ پر باریک بینی سے نظر رکھتا، لیکن اگر دوسرے کے ہاتھ بیچتا تو کم سے ناپنے اور تولنے میں پوری مہارت بہم پہنچاتا ہے آپ ﷺ نے اس خاندانی اور معاشرتی نظام کے عقدوں کا حل بھی اسی کنجی سے کیا خاندان اور معاشرے میں ایمان کا بیج بویا۔

آپ ﷺ نے خاندان اور معاشرے کے افراد میں سے ہر ایک پر کچھ ذمہ داریاں ڈالیں۔ اسی طرح از سر نو خاندانی نظام کو بھی عدل، محبت اور راستی کی بنیادوں پر قائم فرمایا اور معاشرے کو بھی اعلیٰ درجے کا عدل شعار بنایا۔ معاشرے کے ہر ہر عضو میں امانت داری کا ایسا گہرا شعور اور خدا ترستی کا ایسا شدید احساس بیدار کر دیا کہ اس معاشرے کے امراء اور عہدیداران تک پرہیزگاری اور سادہ زندگی کے نمونے بن گئے۔ قوم کے سردار اپنے تئیں قوم کے خادم سمجھنے لگے، والیان سلطنت اپنی حیثیت یتیموں کے سرپرست سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے کہ اگر اپنی ذاتی ملکیت کچھ ہے تو سلطنت کے مال و دولت سے کچھ مطلب نہیں، اگر نہیں ہے تو بقدر ضرورت لینے پر قناعت ہے، اسی ایمان کی بدولت آپ ﷺ نے دولت مندوں اور تاجروں میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے دلچسپی پیدا کی۔ انہیں بتلایا کہ مال اصل میں اللہ کا ہے تمہیں اس نے اس تصرف میں اپنا نائب بنایا ہے۔

”اور خرچ کرو اس (مال و دولت) میں سے جس میں اللہ نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے اور دو ان کو (ضرورت مندوں کو) اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔“

”اور وہ لوگ جو سونا چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ انہیں بشارت دے دیجئے دردناک عذاب کی اس دن جب کہ ان کے خزانوں کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں کروٹیں اور

پشتیں داغی جائیں گی۔لو! یہ ہے تمہارا جمع کیا ہوا اب چکھو اس کا مزہ۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے ذریعہ سے جس فرد کو تیار کر کے کارگہ حیات میں اتارا تھا وہ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا، نیک خونی کو پسند کرنے والا، اللہ کے خوف سے ڈرنے والا، امانت کا پاس کرنے والا، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادہ کو حقیر سمجھنے والا اور اپنی روحانیت سے مادیت پر غالب آنے والا تھا۔ وہ اس بات پر دل سے یقین رکھتا تھا کہ دنیا تو میرے لئے بنائی گئی ہے،لیکن میں آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہوں، پس یہ فرد اگر تجارت کے میدان میں اترتا تو نہایت سچا اور ایماندار ثابت ہوتا۔ اگر مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا تو نہایت محنتی اور ایماندار اور بہی خواہ مزدور ثابت ہوتا۔ اگر مالدار ہو جاتا، تو ایک رحم دل اور فیاض دولت ثابت ہوتا، اگر غریب ہوتا تو شرافت کو قائم رکھتے ہوئے مصیبتوں کو جھیلتا، اگر کرسی عدالت پر بٹھا دیا جاتا تو نہایت سمجھ دار منصف جج ثابت ہوتا۔ اگر صاحب سلطنت ہوتا تو ایک مخلص اور بے غرض حکمران ثابت ہوتا اگر آقا ہوتا تو رحم دل اور منکسر المزاج آقا ہوتا، اگر نوکر ہوتا تو نہایت چست اور فرماں بردار اگر قوم کا مال و دولت اس کی تحویل میں آ جاتا، تو حیرت انگیز بیداری اور باخبری سے اس کی نگرانی کرتا۔

حضرات! یہ تھیں وہ اینٹیں جن سے اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کی گئی اور جن پر اسلامی حکومت کی عمارت کھڑی کی گئی، اسی بناء پر یہ سوسائٹی اور حکومت بڑے پیمانے پر افراد کے اخلاق کی نفسیات اور ان کے طرز حیات کی مظہر تھی افراد میں جو چیزیں تھیں وہ سب کی سب معاشرت میں جمع ہوگئیں تھیں اس کے تاجر کی سچائی اور ایمانداری اس میں تھی۔

اس کے غریب کی خودداری اور مشقت کوشی اس میں تھی اس کے مزدور کی محنت کشی اور بہی خواہی اس میں تھی اس کے دولت مندی کی فیاضی اور غم خواری، اس میں تھی اس کے جج کی فراست اور عدالت، اس میں تھی، اس کے حکمرانوں کا خلوص اور دیانت داری، اس میں تھی اس کے آقا کا انکسار اور رحم دلی، اس میں تھی اس کے خادم کی جفاکشی اور چستی، اس میں تھی اور اس کے خزانچی کی نگرانی اور بیداری بھی، اس میں تھی اسلامی سوسائٹی جس

طرح اپنے افراد کی خوبیوں کی مظہر اتم تھی، اسی طرح اسلامی حکومت بھی تمام خوبیوں کی جامع بلکہ ان کا قومی محرک بن گئی تھی۔ یہ حکومت راست رو تھی۔ عقیدوں اور اصولوں کو منافع اور مصالح پر ترجیح دیتی تھی۔ عوام کو لوٹنے کے بجائے ان کے اخلاق وعقائد کو بنانے اور سنوارنے کی دل سوزی سے کوشش کرتی تھی سوسائٹی اور حکومت کے اثرات کا نتیجہ یہ تھا کہ انفرادی اور اجتماعی پرائیویٹ اور پبلک زندگی کا ہر گوشہ ایمان وعمل، صدق خلوص، محنت وکوشش اور عدل وانصاف سے سجا ہوا اور ان سدا بہار پھولوں کی خوشبو سے مہکا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں دوبارہ وہ بہاریں لوٹا دے اسی دعا کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں! وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاہلیت کسی خاص عہد کا نام نہیں

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان سیدنا و مولا نا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ و صحبہ اجمعین و من تبعھم باحسان و دعیٰ بدعوتھم الی یوم الدین اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم افحکم الجاھلیۃ یبغون و من احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون.

میرے دوستو! بھائیو اور عزیزو! عام طور پر پڑھے لکھے اور اچھے خاصے فاضل حضرات بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت ایک عہد کا نام ہے اور خاص طور پر اس عہد کا نام ہے جو بعثت محمد ﷺ سے پہلے اور اشاعت اسلام سے پہلے دنیا میں عام طور پر اور جزیرۃ العرب میں خاص طور پر اور حجاز مقدس میں اور اس کے قرب جوار میں جو عہد تھا وہ جاہلی عہد ہے۔

عام طور پر جب جاہلیت کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن اس کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ پسماندہ عہد تھا انحطاط پذیر اور بر سر تنزل اور ایک بالکل افراتفری کی زندگی تھی جس میں اللہ کا قانون اور اللہ کا فرمان اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے جو تعلیمات مختلف صحیفوں کی صورت میں آئیں یا انبیاء کے ذریعہ آئیں ان سے دنیا ناآشنا ہو چکی تھی یہ بھی بہت بعد میں پھر لکھنے والوں نے لکھا اور جن کو اللہ نے توفیق دی اور جن کا زیادہ گہرا مطالعہ تھا

تاریخ کا جاہلیت کو ایک وسیع نظر سے دیکھنے لگے، صرف عرب میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں جاہلیت کا ایک شامیانہ تنا ہوا تھا اور جاہلیت کا بادل چھایا ہوا تھا اور جاہلیت کا ایک اندھیرا تھا۔ اور عام طور پر سیرت نگاروں نے بھی جب جاہلیت سے بحث کی ہے تو صرف عرب کے ماقبل اسلام عہد کو سامنے رکھا ہے لیکن اب بھی جن لوگوں نے دنیا کی جاہلیت کا مطالعہ کیا اور اس کے حالات پیش کئے اور اب جو کتابیں لکھی جانے لگی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ ایران میں بھی جاہلی عہد تھا جاہلی عادات تھے، جاہلی عقائد تھے اور جاہلی دور دورہ تھا، اور روم میں بھی ایسا ہی تھا بازنطینی سلطنت کے علاقوں میں بھی ایسے ہی تھا اور یہاں تک لوگوں نے جب مغربی زبانوں کا مطالعہ کیا، خاص طور پر انگریزی کا (ہندوستان میں انگریزی کا رواج ہے) تو انہوں نے یورپ میں بھی عہد جاہلیت کی تصویر کھینچی اور مصنفین اور مورخین کے حوالہ سے اور ان کی کتابوں کے حوالہ سے صفات کے حوالہ سے انہوں نے بتایا کہ انگلستان میں یہ حال تھا، جرمن میں یہ حال تھا اور یورپ کے مختلف ملکوں میں یہ حال تھا، لیکن ابھی تک جاہلیت کا جو وسیع مفہوم ہے اور جو یہ اصطلاح اللہ تبارک وتعالیٰ نے استعمال فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو کئی بار دہرایا ہے۔

"اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى۔"

ایسے ہی قرآن مجید میں کئی جگہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا ہوتا ہے اور انسان کو یہ سمجھانا ہوتا ہے کہ خود نفسانفسی کی زندگی اور نفس پرستی کی زندگی اور اپنی خواہش اور لذت یا اپنے منفعت، محدود شخصی منفعت کے لئے کوئی کام کیا جاتا ہے تو اس کو جاہلی فعل کہتے اور جاہلی عہد کہتے ہیں، لیکن ابھی تک اس پر زیادہ عمیق، عمیق تر اور وسیع تر مفہوم سوچا نہیں گیا کیونکہ یہ ہمارے طلبائے علوم دینیہ کا اور عربی زبان کے طلباء کا اور تفسیر و حدیث اور تاریخ اسلامی کے مطالعہ کرنے والوں کا کام تھا وہ اس کی حقیقت تک پہنچ سکتے تھے اس لئے میں یہ بتانا چاہوں گا کہ ہر وہ چیز جو نفس کے تقاضہ سے کی جائے یا رسم ورواج کی پابندی میں کی جائے یا اس میں محدود منافع سامنے ہوں اور اس کا کوئی ماخذ شریعت الٰہی نہ ہو اور جس

چیز کا ماخذ شریعت الٰہی نہ ہو اور جس چیز کی نص کتاب اللہ میں، حدیث نبویؐ میں، اور سنت رسولؐ میں، اسوہ رسولؐ میں، اور اس زمانہ میں اسلام کی تعلیمات سے جو تمدن رائج ہوا، جو طرز زندگی جاری ہوا، جو چیز اس میں نہیں پائی جاتی، قرن اول میں نہیں پائی جاتی، وہ جاہلیت ہے، اور جاہلیت کے معنی یہ ہے کہ کسی کام کو اللہ کے حکم اور رسول ﷺ کی فرمان ہدایت اور شریعت اسلامی کے سہارے کے بغیر، اس کے حوالہ کے بغیر، اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس کی تعمیل میں کام نہ کیا جائے بلکہ محض اس کو رواج کی خاطر کیا جائے اس کو رواج کی پابندی میں کیا جائے، اپنی ذاتی منفعت حاصل کرنے کے لئے کوئی چیز اختیار کی جائے اور اس میں تمام حدود سے تجاوز کر دیا جائے، اس کو بھی ایک قانون سمجھا جائے، شریعت سمجھا جائے وہ سب جاہلیت ہیں۔ جی ہاں وہ سب جاہلیت ہی ہے! اب اس وقت ہمارے مشرقی ممالک میں بالخصوص ہندوستان اور خاص طور پر ان ملکوں میں جہاں اکثریت غیر مسلموں کی ہے وہاں پر زندگی میں جو چیزیں شامل ہوگئی ہیں، یہاں تک کہ بالکل شریعت کی طرح ان کی پابندی کی جاتی ہے بلکہ شریعت سے زیادہ پابندی کی جاتی ہے۔ وہ سب جاہلیت ہے، اور اس معنی میں جاہلیت کا استعمال آپ کو حدیث میں اور سیرت کی کتابوں میں ملے گا مثلاً ایک صحابی سے کوئی ایسا عمل ہوا جو اسلامی تعلیمات اور اسلام کی تربیت کے خلاف تھا۔ تو آپ نے فرمایا:

"انک امرأ فیک جاهلیة" تم ایک ایسے آدمی ہو جس کے اندر جاہلیت کی بو پائی جاتی ہے، تو جاہلیت محض ایک دور سے مخصوص اور اس کے ساتھ محدود نہیں تھی بلکہ قیامت تک جو کام بھی کتاب وسنت کی روشنی کے بغیر، کتاب وسنت کی اطاعت کے بغیر، بلکہ اس کے برخلاف کیا جائے گا وہ جاہلیت ہے اس لئے کہ اس میں یہ منافع ہیں، شخصی منافع ہیں، جماعتی منافع، خاندانی اور قومی منافع ہیں، سیاسی منافع ہیں، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ ایسا ہوتا آیا ہے کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایسے ہی پایا ہے، یہ سب جاہلیت میں شمار ہوگا۔ ہر وہ چیز کہ جس میں کوئی قرآن کی حدیث کی اور شریعت کی دلیل نہ پائی جائے، اس کے بارے میں کوئی حکم الٰہی پایا نہ جائے اور تشریح نبوی نہ پائی جائے

محض نام و نمود کے لئے کیا جائے، محض لوگوں کو خوش کرنے کے لئے کیا جائے، عزت حاصل کرنے کے لئے کیا جائے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، نفس کی تسکین کے لئے کیا جائے، لوگوں کے مطالبات اور توقعات کو پورا کرنے کے لئے کیا جائے یہ سب امور جاہلی ہیں، اب اس وقت یہ ہمارے یہاں اللہ کے قانون، تشریح الٰہی اور قرآن مجید کی نصوص، اور احادیث کے صاف صاف اور واضح احکام سے قطع نظر کر کے آنکھیں بند کر کے بلکہ ان کی ایک طرح سے "استہانت" جس کو عربی میں کہتے ہیں اسے معمولی سمجھ کر، نا قابل توجہ سمجھ کر جو چیزیں ہماری اجتماعی زندگی میں داخل ہوگئی ہیں وہ سب جاہلیت میں شمار ہونگی، مثلاً شادی ہے، میراث کی تقسیم ہے، بچوں کی ولادت ہے اور بہت سے خوشی کے کام ہیں ان سب میں یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی جائے اگر معلوم ہے تو اس کو نظر انداز کیا جائے کہ اس میں اللہ کا حکم کیا ہے، رسول ﷺ کی ہدایت کیا ہے، قرآن سے کیا ثابت ہے، حدیث سے کیا معلوم ہوتا ہے؟ بس یہ کہ ایسا ہوتا آیا ہے " وجدنا علیه آباء نا " ہم نے اسی پر اپنے آباؤاجداد کو پایا، یا بس یہی معیار ہے، یا اس حیثیت کو جو ہمیں حاصل ہے اس کو برقرار رکھنے کے لئے، اس کو بلند کرنے کے لئے ہمیں ایسا کرنا ضروری ہے۔ ہمارے اس شہر میں جو ہماری عزت ہے ہمارے معاشرے میں جو ہمارا مقام اور مرتبہ ہے ہمیں جس نظر سے لوگ دیکھتے ہیں ہمیں جس معیار سے جانچتے ہیں اس کے لحاظ سے اگر شادی کے لفظ سے تینوں نقطے نکال کر اگر شادی کر دی گئی تو لوگ کہیں گے کہ بیچارہ معلوم ہوتا ہے کہ غریب ہوگیا ہے، پیسہ پاس نہیں رہا، یا بہت بخیل ہے یا ان کو معلوم نہیں کہ شرفاء میں کیا ہوتا ہے، خاندانوں میں کیا ہوتا ہے تو ہم اس بدنامی کو مول نہیں لے سکتے پھر سب کچھ کیا جائے جو ہوتا آیا ہے یا جو غیر مسلموں میں ہو رہا ہے، یا غیر مسلموں میں جو رواج ہے سب اختیار کیا جائے، محض اس بناء پر کہ ایسا ہوتا آیا ہے، یہاں تک کہ ہماری برادری میں، ہمارے خاندان میں بھی اسی طرح کا رواج رہا ہے کہ بہت ہی دھوم دھام سے شادی کی جائے اور اس میں اس طرح کھانا کھلایا جائے اور اس طرح اس میں اپنی شان و شوکت دکھائی جائے، اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم منہ

دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔اور اپنے خاندان میں بھی ذلیل ہوں گے،شہر میں بھی ذلیل ہوں گے،معاشرہ میں بھی ذلیل ہوں گے،یہ سب جاہلیت ہے۔

جاہلیت کا مفہوم! جاہلیت ایک ایسا بلیغ معجزانہ لفظ ہے کہ اس کے بدل کا کوئی لفظ نہیں ملتا،عربی کے ایک طالب علم ہونے کے باوجود اور زبان اور ادب اور پھر اس کے ساتھ ساتھ تفسیر و حدیث اور قدیم و جدید زبانیں اور اصطلاحات سے تھوڑے بہت واقف ہونے کے باوجود ہم صفائی کے ساتھ آپ سے کہہ رہے ہیں کہ جاہلیت کی سی طاقت رکھنے والا ، وسعت اور گہرائی رکھنے والا کوئی لفظ ہمیں عربی میں نہیں ملتا اور ویسے کسی زبان میں بھی اس کا صحیح ترجمہ جس کو انگریزی میں AGANIS کہتے ہیں سب کچھ کہتے ہیں،

لیکن جو بات جاہلیت میں ہے وہ بات مشکل سے ادا ہوسکتی ہے،کسی دوسرے لفظ سے،یہ بہت بلیغ عمیق اور عملی لفظ ہے،تو اب کیا ہے یہ تحفظ شریعت کا جو ہفتہ منایا گیا اور یہ جو ہندوستان میں خدا کا شکر ہے،روز آپ اخبار میں دیکھتے ہوں گے کہ کوئی شمارہ خالی نہیں جاتا کہ ایک ،دو،تین چار جلسے نہ ہوتے ہوں ، ہمارے شہر میں بھی اور اطراف میں بھی جلسے ہوئے ،ان سب کا مقصد اصل میں اس کی دعوت ہے،اس کی تحریک ہے اور اس کی جدوجہد ہے کہ جاہلیت سے نکل کر ہم خالص اسلام حاصل کرلیں اور جیسے ہم نام رکھنے میں مسلم ہیں اس کا لحاظ رکھتے ہیں اگرچہ جاہلوں میں ناواقفوں میں غیروں جیسا نام ہونے لگا ہے جس طرح نام رکھنے میں ہم اس کا خیال رکھتے ہیں کہ معلوم ہو کہ مسلمان کا نام ہے اور اسی طرح ہم نماز شریعت کے مطابق پڑھتے ہیں ابھی تک الحمد للہ اس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی روزہ بھی ویسا ہی جب چاند نکلتا ہے جب ہی رمضان شروع ہوتا ہے اور روزہ رکھا جاتا ہے،زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں اگر اللہ توفیق دیتا ہے،بہت بڑی تعداد زکوٰۃ نکالنا جانتی ہی نہیں اور وہ زکوٰۃ ادا ہی نہیں کرتی لیکن جو جانتے ہیں وہ ادا کرتے ہیں اور علماء سے پوچھ لیتے ہیں کہ کتنے نصاب میں کتنی مالیت میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور کتنے میں کتنا نکالنا چاہئے اور حج ہے کہ لمبا سفر کر کے جاتے ہیں،اگرچہ اس میں بہت سی

کمزوریاں پیدا ہوگئی ہیں کہ بہت سے اس نیت سے جاتے ہیں کہ وہاں سے کچھ وہاں کی چیزیں لائیں گے پھر یہاں بڑی قیمت میں بکتی ہیں اور یہ بات بھی بہت ہوگئی ہے کہ یہاں تک کہ غیر مسلموں کو بھی معلوم ہوگیا ہے وہ بھی بعض مرتبہ طعنہ دیتے ہیں ہم نے خود سنا طعنہ دیتے ہوئے کہ پہلے تو حج سے لوگ چند کھجور لے کر آتے تھے زمزم کا پانی لے کر آتے تھے لیکن اب فلاں چیز لے کر آتے ہیں، فلاں چیز لے کر آتے ہیں، لوگوں نے بتایا کہ حجاج کرام جدہ میں اپنے پاسپورٹ دکھا رہے تھے اور ابھی ان کو داخلہ کی اجازت نہیں ملی تھی تو دیکھا کہ سامنے سے ایک ہندوستانی شیروانی وغیرہ پہن کر جا رہے تھے، انہوں نے کہا مولوی صاحب یہاں آنا یہاں آنا، بتائیے گھڑی کہاں سستی ملتی ہے کہا بھائی شرم کرو، ابھی تم اندر داخل بھی نہیں ہوئے ہو، ابھی اس کی کارروائی بھی نہیں ہوئی، ابھی سے تم کو فکر ہے کہ گھڑی کہاں سستی ملتی ہے تا کہ گھڑیاں خرید کر ہندوستان میں جا کر چوگنے دس گنے دام میں بیچو، اور ایسے ہی واقعات ہمیں چونکہ الحمد للہ حجاز مقدس جانے کی بار بار سعادت حاصل ہوئی ہے، دیکھتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی حج میں جو اس کے مسائل ہیں معلم کی ہدایت کے مطابق یا کسی عالم کی صحبت میں اور اس کی رہنمائی سے حج کیا ہے، مگر اس کے بعد مسلمانوں نے اپنی زندگی میں اپنے کو بالکل آزاد سمجھ لیا ہے، اس کا دین سے کیا تعلق ہے، حج اس طرح ہو اس میں ان چیزوں سے بچا جائے۔

میرے بھائیو! بعض دوستوں نے بتایا کہ بمبئی میں شادی کے موقع پر بجائے کھجور اور چھوہارے تقسیم کرنے کے نوٹ تقسیم کئے گئے، پچاس پچاس کے نوٹ، سو سو روپیہ کے نوٹ تا کہ معلوم ہو کہ بہت بڑے دولت مند آدمی کے یہاں یہ رسم ہو رہی ہے، تھری اسٹار ہوٹل میں ٹھہرانا فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرانا، ہزاروں روپیہ اس میں صرف کرنا اور پھر اس کا ولیمہ بھی اس شان کا، اب بہت دن سے یہ رواج ہے کہ شادی کے دعوت نامہ انگریزی میں ہوتے ہیں، اتنا بھی احساس نہیں مسلمانوں کو کہ نکاح ایک شرعی عبادت ہے اس پر ثواب ہے اور اس کو زیادہ سے زیادہ عہد اول، قرن اول کے طریقہ کے مطابق ہونا چاہئے۔

دوعظیم محاذ! اس فضول خرچی سے بہتر یہ ہے کہ حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ہو اور صحابہ کرامؓ کے عمل کے مطابق کرنا چاہئے، تو اس میں پراوہ نہیں کرتے صرف شادی کارڈ پر لوگوں نے بتایا کہ کئی کئی ہزار روپیہ صرف ہو جاتے ہیں، پاکستان سے ہمارے پاس کارڈ یہاں آتے ہیں، یہاں سے وہاں جاتے ہیں، دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں، اس کے علاوہ پھر اس میں اور جو رسمیں ہوتی ہیں کہ بس الامان والحفیظ۔ اسی طرح میراث کی تقسیم کہ بالکل یعنی بہت ہی چند دیندار اور خوش قسمت خاندان ہیں کہ جن کے یہاں میراث کی تقسیم بالکل قرآنی تعلیمات کے مطابق ہوتی ہے اور اللہ نے جس کا جو حصہ مقرر کر دیا اس کو دیا جاتا ہے پھر اس کے بعد اسی طریقہ سے عقیقہ کی رسم، ختنہ کی رسم، اور شادی کی تو رسموں کو پوچھنا کیا ہے، ہر ایک کے یہاں ایک الگ شریعت سی بنی ہوئی ہے۔ ایک پورا قانون بنا ہوا ہے کہ اس علاقہ میں، اس میں ملکوں کا بھی فرق ہے، صوبوں کا بھی فرق ہے، اور بعض جگہ شہروں کا فرق ہے، اور سوسائٹیوں اور اس کی معیاروں کا بھی فرق ہے وہاں اس طرح شادی ہوگی، یہاں اس طرح شادی ہوگی، آپ کو انشاء اللہ واسطہ پڑے گا شریک ہونے اور کچھ کہنے سننے کا بھی تو ابھی اس کو سمجھ لیجئے کہ یہ عہد جاہلی کی رسمیں جو ہیں اس جاہلیت کا مقابلہ کرنا ہے ہم کو اور تحفظ شریعت اور پرسنل لاء بورڈ کا جو کام ہے دراصل جاہلیت کے خلاف ایک محاذ ہے لیکن وہ محاذ نیا نہیں ہے، وہ محاذ اسلامی محاذ ہے، وہ محاذ سنت کا ہے شریعت کا محاذ ہے اور قرآن کا اور حدیث کا محاذ ہے، جس کو اب اس کے بعد جب آپ سمجھ جائیں کہ دو چیزیں ہیں اور یہ رہیں گی، بظاہر قیامت تک یہ دو محاذ رہیں گے، یہ دو ماحول رہیں گے یہ دو قانون رہیں گے، اور یہ دو طرح کا طرز زندگی رہے گا، ایک طرز زندگی خالص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق، آیات قرآنی کے مطابق، احادیث نبوی کے مطابق اور عہد نبوی کے عمل کے مطابق۔

اب ہو کیا رہا ہے ایک دوسرے سے پوچھا جاتا ہے، آپ کے یہاں کیا معیار ہے اور جانتا ہے ہر ایک کہ یہاں یہ معیار ہے بتائیے فلاں جگہ شادی ہوئی تھی ایسی دھوم دھام سے کہ پورے شہر میں ایک زلزلہ سا آ گیا ہے اور ایک ہنگامہ ہے، اور پھر اسی طریقہ سے

دوسرے مواقع ہیں جن میں آدمی کو اپنے تمول کا اظہار یا اپنے خاندان کی حیثیت کی بلندی کا اظہار کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کو مسلمانوں نے بالکل اپنا آلہ کار بنالیا ہے۔ ایک ذریعہ بنالیا ہے شہرت کا، عزت کا، اور اس کے سامنے بالکل وہ سرافگندہ ہو گئے ہیں، سربسجود ہو گئے ہیں اسی کا نام جاہلیت ہے اور اسی کا نام جاہلیت کی پیروی ہے اللہ تعالی نے جو فرمایا ہے:

"افحکم الجاھلیۃ یبغون "اور یہ جو حکم کا لفظ ہے یہ عربی میں اور قرآن مجید کی اصطلاح میں بھی بہت وسیع ہے اس کے معنی صرف امر کے نہیں ہیں، اس کے معنی فیصلہ کے بھی ہیں اور اس کے معنی حکومت کے بھی ہیں اور آئین اور قانون جس پر چلا جائے سب حکم کے اندر آتا ہے، حکم کا لفظ بڑا بلیغ اور وسیع ہے ایسے ہی سمجھ لینا چاہئے کہ درحقیقت یہ جاہلیت عربیہ اور جاہلیت عالمیہ کی مرکز اسلام میں جیسا کہ اس وقت بعثت نبوی سے پہلے کا جو عہد تھا اس میں عمل کرنا ہے بہت سے مسلمانوں میں بھی ہوتا ہے کہ جو نماز روزہ کے بھی پابند ہیں اور حج بھی کئی کئی کر چکے ہوں گے اور رمضان المبارک کے روزے بھی رکھتے ہیں، یہ سب کرتے ہیں لیکن یہ جب بھی کوئی ایسی خوشی کا موقع آتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتے ہیں اور پھر اس کے بعد شریعت کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور بعض اوقات اگر سنایا جائے کہ اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے کہ تو ان کی زبان سے بعض مرتبہ ایسے لفظ نکل جاتے ہیں کہ ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی حبط اعمال نہ ہو اور کہیں کفر کا ان پر فتوی نہ لگ جائے۔

بس عزیزو! اس کو تم لوگ یہاں اپنی تعلیم کا ثمرہ سمجھو اور اس کا ایک فرض سمجھو، اس کا ایک فریضہ سمجھو، اس کا ایک تقاضا سمجھو، اور اس کا ایک حق سمجھو کہ تم اس بارے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پیکر بن جاؤ اپنے خاندانوں میں اللہ تعالی خیر و عافیت کے ساتھ خوشی کے ساتھ وہ مرحلہ گزارے، اپنے خاندان میں بھی، محلہ میں بھی، اور گاؤں، قصبات سے تعلق رکھتے ہو تو گاؤں قصبات میں، اگر شہر سے تعلق رکھتے ہو تو شہر میں اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ سے اگر تمہارا تعلق ہے تو اس میں اور اگر دیندار طبقہ ہے تو اس میں

مطمئن نہ ہو کہ یہ دیندار طبقہ ہے اس کے یہاں تو ایسا نہیں ہوتا ہوگا، سب کچھ ہو رہا ہے اور آخری درجہ پر بات پہنچ گئی ہے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وبال کوئی بے برکتی نہ ہو اور بے برکتی ہو رہی ہے، تو یہ ایک بہت بڑا فریضہ ہے، تم لوگ ابھی سے اس کا عہد کرلو جہاں رہو گے کام کرو گے، انشاء اللہ مدارس کا قیام بھی تعلیم کی اشاعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور وعظ سب کچھ کرو گے لیکن یہ تحفظ شریعت کا بھی کام کرو گے اور رسوم جاہلیت کو مٹانے کی کوشش کرو گے اور یہ سب خوشی کے مواقع اور یہ تقریبات جو ہیں خالص سنت وشریعت کے مطابق ادا کرنے کی کوش کرو گے۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہم کو سب کو توفیق عطا فرمائے۔

انسانیت کا پیغام مشرق ومغرب کے نام

یہ علمی اور فکری ولولہ انگیز تقریر حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے برطانیہ کی عظیم یونیورسٹی لندن یونیورسٹی میں ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو طلبہ واساتذہ، محققین مصنفین سے خطاب کرتے ہوئے فرمائی تھی، اس موقع پر سامعین کی بڑی تعداد یونیورسٹی کے یونین ہال میں موجود تھی!

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعی بدعوتھم الی یوم الدین اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا .

میرے عزیزو ! انگریزی کے ایک بڑے شاعر کپلنگ (KIPLING) نے کہا تھا کہ ”مشرق مشرق رہے گا، اور مغرب مغرب دونوں کبھی مل نہیں سکتے۔“

مشرق ومغرب کے درمیانی خلیج:

یہ بات اگر چہ ایک ادیب کی زبان سے نکلی تھی، جو اس صدی کی ابتدا میں فوت ہوا ہے، مگر دراصل یہ ایک تصور ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خاص نظریہ یا تصور کسی سوسائٹی میں کبھی قبول ہو جاتا ہے، اور افراد کے عقائد و جذبات کے بنانے اور ان کی پرورش میں اس کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے، پھر اسی نظریہ یا تصور کو کوئی شاعر جو اپنی سوسائٹی کا ترجمان ہوتا ہے، اپنے فصیح بلیغ انداز میں موزوں کر دیتا ہے، جو ایک ضرب المثل بن کر پھیل جاتا ہے، پھر

ہر دور میں اس کے بعد آنے والی نسلیں ہر جگہ اس کو دہراتی ہیں، اور ایک اصول وکلیہ کی طرح اس پر ایمان رکھنے لگتی ہیں۔

مگر اس تصور نے انسانی مفاد کو جتنا نقصان پہنچایا ہے، اور جس درجہ اس نے انسانی وحدت کے اصول کو پارہ پارہ کیا ہے، اور ان کے اندازِ فکر پر جو ستم ڈھایا ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے نظریہ نے اس قدر نقصان پہنچایا ہوگا کیونکہ یہ تصور بنی نوع انسان کے خاندان کو مشرق ومغرب کی دو ٹولیوں میں تقسیم کر دیتا ہے، کہنے کو تو یہ ایک سادہ سی بات یا تاریخی حقیقت ہے مگر لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ مشرق ومغرب کو اس نظریہ سے دیکھنے لگے کہ یہ دو حریف کمپ ہیں، یہ اولاً تو کبھی مل نہیں سکتے، اور اگر ملے تو میدان جنگ ہی میں مل سکتے ہیں، اور اگر کبھی اکٹھا ہوئے بھی تو ایک دوسرے کی ہجو کریں گے، اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر، اس کی برائیاں نکال کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کریں گے۔

صدیوں سے مشرق ومغرب کا یہی انداز ہے، دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور اگر سمجھا بھی تو ان سطحی اور ناقص معلومات کی روشنی میں جو صرف ان کی کمزور پہلو ہی پر مبنی تھے، ان کے اندر جو خوبیاں ہیں، طاقت اور روشنی کے جو چشمے ہیں، ان سے اکثر غفلت برتی گئی، ایک نے دوسرے کو جب دیکھا تو شک، خوف اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھا یا پھر نفرت وناپسندیدگی کی نگاہ سے!

اس خلیج کا سبب

میرے دوستو عزیزو! سب سے پہلے مشرق ومغرب کا سامنا صلیبی جنگوں کے موقع پر ہوا تھا، ان جنگوں کے موقعہ پر جو عقیدہ مشرق پر حملہ آوروں کو ابھار رہا تھا، اور وہ روح جوان کے اندر کارفرما تھی، اور ان کے اندر جو جوش وولولہ پیدا کر رہی تھی، اس کی بنیاد ان قصوں پر تھی، جو انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں سن رکھے تھے، اور جن کو وہ صحیح سمجھ رہے تھے اور اس بنیاد پر تھی کہ ان سے یہی کہا گیا تھا کہ...... ''یہ جنگ اس لئے

ہے کہ مقدس سرزمین کو وحشی بت پرستوں کے جنگل سے نجات دلائی جائے''اس کے علاوہ جنگ کی سیاہ اور بھیانک فضا کبھی بھی کسی برسرپیکار لشکر کو اس کا موقع نہیں دے سکتی ..... کہ وہ دوسرے فریق کی خوبیوں کو دیکھ کر اس کے جوہر کو پرکھ کر، اس کے عقائد کا مطالعہ کر کے اس کی قدردانی کرے اور شریفانہ ومساویانہ اصول پر باہمی مفاد کے لئے کام کرنے کی راہ ہموار کرے، لیکن اس کے باوجود تاریخ تمدن کی مانی ہوئی حقیقت ہے کہ صلیبی جنگیں فائدے سے خالی نہ رہیں، اور مشرق ومغرب کے درمیان خلیج اگر پائی نہ جاسکی تو تنگ ضرور ہوگئی۔

مشرق ومغرب کا باہمی تعارف بہت قریب سے اس وقت ہوا جب کہ انیسویں صدی میں مغرب نے سیاسی یا اقتصادی مفاد کی خاطر اپنا آہنی اور مضبوط ہاتھ مشرق کی طرف بڑھایا اور اپنا ہاتھ یکے بعد دیگرے مشرق کے ممالک پر مسلط کیا اور اس کے ساتھ اپنے تمدن، صنعت، سائنس اور کلچر کے ساتھ یلغار کی، اور اپنے طرز حکمرانی کے اچھے اور برے دونوں پہلوؤں میں اس مشرق کو دبوچ لیا جو تمدن اور جنگی صنعت میں بہت پیچھے تھا، مشرق کو حملہ کی دہشت نے بہت دنوں تک تو اس کا مواقع ہی نہ دیا کہ وہ مشرق کو ذرا گہرائی کے ساتھ دیکھ سکتا اور اس کے اصول اور جوہر وکمالات سے فائدہ اٹھا سکتا، اور مجھے معاف کیجئے اگر میں یہ بھی کہہ دوں کہ ایک اور بات جو مانع رہی وہ خود مغرب کا تمدن تھا جو اس وقت اپنے شباب ورعنائی کی آخری منزل پر تھا، اور اس کے اندر وہ تمام باتیں تھیں، جو کسی ایسے تمدن میں پائی جاتی ہیں جس کے اندر دینی عنصر کمزور ہو چکا ہو، اور ایک بار پھر معذرت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کے علاوہ ایک اور بات جو مشرق کے لئے مانع ثابت ہوئی وہ یورپین حکام کا طرز عمل تھا جس میں ان کے احساس برتری، غرور حکمرانی، اور اپنے آپ کو پیدائشی طور پر اس قوم کے مقابلہ میں برتر سمجھ کر سلوک کرنے کا دخل تھا، جس کے ہاتھوں سے انہوں نے زمام حکومت چھینی تھی، اور جو کل تک ملک کا حکمراں تھا، جس کا احساس زخمی اور جس کے جذبات نازک تھے، یہ سلوک احترام انسانیت کے اس نظریہ سے کسی طرح میل نہیں کھاتا تھا، جس کا مغرب داعی تھا اور نہ جمہوریت کے اصول

کے مطابق تھا، جس کی یہ فاتح قوم اپنے ملک میں مدافعت کیا کرتی تھی۔

اس خلیج کے چند مضر نتائج:

پھر اس کے نتیجہ میں کمزور مشرق کے اندر ہتھیار ڈال دینے SURRENDER اور فاتح وطاقتور مغرب کے سامنے جھک جانے اور اس کے معیار وافکار کو ضرورت سے کہیں زیادہ اہمیت دینے اور اس کے مظاہر تمدن اور طرز معاشرت کی تعظیم کرنے اور اسی کی تقلید کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا، جس نے اس مشرق کو مغرب کا دریوزہ گر بنا دیا وہ زندگی کی ہر منزل میں اس کو قابل تقلید نمونہ سمجھنے لگا، اور زندگی میں پس خوردہ کھانے والی اور قافلہ کے پیچھے پیچھے چلنے والوں کی صف میں آ گیا، اس بات نے مغرب کو ایسا موقع نہیں دیا کہ وہ مشرق کو مساوات واحترام کی نگاہ سے دیکھتا، چہ جائیکہ اس کو عظمت وقدر دانی کی نظر سے دیکھتا یا اس سے رہنمائی یا ہدایت کی توقع کرتا یا اس سے تخلیقی کارناموں کی امید کرتا، جب کہ خود مشرق ہی قریب قریب اپنا وجود مغرب کے اندر فنا کر چکا تھا۔

قومی عصبیت:

اس کے بعد مشرقی قوموں پر قومیت کے نظریہ نے یلغار کی وہ نظریہ جس کو مغرب نے عارضی طور پر ایک آسان حل کے طور پر قبول کیا تھا، جو اس کی اندر دینی جوش پیدا کرتا تھا، پھر خود ہی مغرب نے اس نظریہ کی خرابیوں کو سمجھا اور اس کو خیر باد کہا، بہر حال اس نظریہ قومیت نے ان مشرقی قوموں کو جو آسمانی پیغام اور عالمی دعوت رکھتی تھیں، اس کا موقع نہیں دیا کہ وہ مغرب کی طرف پھر ایک بار مدد اور دوستی کا ہاتھ بڑھا سکیں، اور پھر انسانیت کی مدد کے لئے اس طرح بڑھتیں جس طرح ہر مصیبت کے وقت پہلے بڑھا کرتی تھیں، اور انسانیت کو ایک نئی زندگی نیا خیال اور پر مسرت زندگی کی نئی بنیادیں فراہم کر سکتیں بلکہ یہ قومیں خود ہی اپنی ذات، اپنے مسائل اور قومی مفاد کے معاملات میں الجھ کر رہ گئیں، اور اپنے آپ کو نسلی یا لسانی یا جغرافیہ کی تنگنائی میں محدود کر لیا اور اس طرح وہ قوت وزندگی سے بھرپور، صاف وشفاف، قدیم ورواں سرچشمہ ہاتھ سے نکل گیا، جو دنیا

بھر کے لئے روشنی کا منار تھا اور تاریخ کے ہر دور میں دینی ہدایت کا ذریعہ تھا۔

مستشرقین کی تحریک:

دوستو اس کے بعد مغرب میں مستشرقین اور تحریک استشراق کا دور آیا، اور امید ہو چلی تھی کہ یہ حضرات مشرق و مغرب کے درمیان منصفانہ نہج کے ایک پل ثابت ہوں گے اور اس وسیع و عریض خلیج کو پاٹ دیں گے، جو انسانیت کے دو خاندانوں کے درمیان قائم ہو گئی ہے اور اس بے رخی کو دور کر دیں گے جسے ناواقفیت اور دوری نے پیدا کر رکھا ہے، اور وہ مشرق کی بہترین ثروت یعنی تعلیمات رسالت، بنیادی اخلاق، انبیاء اور دینی شخصیات کی سیرتیں نیز مشرق کی شاندار میراث اور اس کے بہترین تخلیقی سرمائے اور حیرت ناک دستوری کارنامے منتقل کر سکیں گے اور بلاشبہ انہوں نے اس سلسلہ میں بہت کچھ کیا، صدیوں کی ذخیرہ شدہ قلمی کتابیں جن کو سورج کی روشنی نہیں لگی تھی، ان مستشرقین نے انہیں زندہ کیا، ان کی تصحیح پر محنت صرف کی ان کو اصل ماخذ سے ملایا اور پھر شائع کیا، اسی طرح ایسی کتابیں مرتب کیں جن کی قدر و اہمیت کا انکار ممکن نہیں اور کوئی شخص بھی جس میں ذرہ برابر انصاف کا مادہ اور علمی ذوق ہے، ان کی علمی روح کا انکار نہیں کر سکتا، انہوں نے اس راہ میں جو مشقتیں برداشت کیں اور اپنی کوشش میں وہ جس طرح سرگرداں رہے، پھر ان کا عالمانہ طرز باریک بینی اور گہرائی کوئی بات بھی ان میں سے قابل فراموش نہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں کا احساس ہے کہ ان میں سے اکثر مستشرقین پر علمی جذبۂ خدمت سے زیادہ مذہبی رجحان غالب رہا، اس لئے علم دوست اور حقیقت پسند طبقہ اس بات کا منتظر تھا کہ یہ حضرات مذہبی جذبات اور گذشتہ صدیوں کے تلخ اثرات سے کچھ زیادہ محفوظ نظر آتے، ان میں حقیقت پسندی، سچائی کی جستجو اور اس کے اعتراف کا زیادہ حوصلہ ہوتا، بہرحال یہ استشراق بھی باوجود اپنی قابل قدر خوبیوں اور گوناگوں کارناموں کے اس خلاء کو پر نہ کر سکا اور اس مغرب کو جہاں محققین کی کمی نہیں وہ چیز نہ دے سکا جو مشرقی ممالک سے اٹھنے والے عموماً تمام مذاہب اور خصوصاً

اسلام کی سچی اور تابناک تصویر تھی، جس کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ ایک آخری، آسمانی اور ہمیشہ باقی رہنے والا دین ہے، جس کے اندر تمام نبوتوں کی تعلیمات اور آسمانی ہدایتیں اپنی آخری اور جدید شکل میں موجود ہیں، اور اس زمانے کے عین مطابق ہیں، جو تمدن کو پیچھے لے جانے کی دعوت نہیں دیتا جیسا کہ بعض دوسرے مذاہب میں معلوم ہوتا ہے بلکہ اس تمدن کو اسلام آگے بڑھانے کا داعی ہے، اور اس کا خواہش مند ہے کہ اس کی انتہا پسندی اور جمود یا مبالغہ آمیزی سے پاک کر کے نئے انداز میں ڈھال دیا جائے، جو اپنی قوت و زندگی میں نئی سوسائٹی کی ضروریات کا پورا پورا کفیل ہو۔

بہر حال جو بھی اسباب رہے ہوں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ مغرب و مشرق اپنے پیغام اور اپنی ذات کی انفرادیت کے ساتھ الگ تھلگ رہے، ان دونوں کا سامنا اگر ہوا تو شکوک و شبہات اور بغض و کینہ کے طوفان کے اندر ہی ہوا، یہ دونوں انسانیت کے مفاد مشترک اور مثالی تمدن کی تعمیر کی خاطر کبھی یکجا نہیں ہو سکے، یہ دونوں انسانی علوم اور قدرت کی بخشی ہوئی اندرونی صلاحیتوں اور فطری جوہر اور علم و فلسفہ کے میدان میں پشتوں کی کاوش کے باہم تبادلہ پر شاذ و نادر کبھی راضی ہوئے بھی تو محدود دائرے میں راضی ہوئے۔

مشرق کا امتیاز:

مشرق اپنے قدرتی، ماحول میں کام کرتا رہا اس کا خمیر مذہب کے ساتھ اٹھایا گیا اسے قابل عظمت نبوت یکے بعد دیگرے بیدار کرتی رہی، دینی دعوتوں، طاقتور روحانی شخصیتوں نے اس کو غذا دی اس کا موضوع اور میدان عمل انسان تھا، وہ انسان کے گرد و پیش...... ''انسان سازی'' میں لگا رہا، اس کے لئے اس نے اپنی فطری صلاحیتیں صرف کیں، اپنی ذہانتوں اور قوت ارادہ کو نذر کر دیا، اس نے کوشش کی کہ انسان...... اس گہرائی کا پتہ لگائے جس کی کوئی تہہ نہیں ہے، اس کے اسرار کا سراغ لگائے، جس کی کوئی آخری حد نہیں، اس کی اندرونی صلاحیتوں کے سوتوں کو ابھارے اور اس کی اس قوت کو بیدار کرے جس کا مقابلہ کسی دوسری قوت سے نہیں کیا جا سکتا، اس کے جذبات و رجحانات کو

ایک رخ پر لگائے اوراس کے اخلاق واطوار کوسنوارے جن کے بغیر وہ اپنے صحیح مرکز پر نہیں آسکتا۔

نبوت کی چارہ سازی:

انبیاء کرام علیہم السلام اوران سب کے بعد نبی امی محمد عربی ﷺ تشریف لائے جنہوں نے اس انسان کی تربیت کواپنا اول وآخر موضوع بنایا۔

میرے بھائیو! انسان کے اندر کی پوشیدہ طاقت کے سرچشمہ کوابھارا، اس کی چھپی اور پوشیدہ صلاحیت کو بیدار کیا، اوراس کے دل کی وہ آنکھ کھول دی جس کے ذریعہ وہ اپنے خالق اوراس عظیم کائنات کے مالک کودیکھ سکےاوراس کے ذریعہ روشنی وحرارت ،زندگی ،محبت ،اعتماد،عزم ،قلبی سکون اوراطمینان حاصل کر سکےاور جس کے ذریعہ اس کائنات میں وہ زندگی ،قوت اور تعظیم کے اصل سرچشمہ سے واقف ہو سکےاور وہ مرکز پاسکے،جس سے اس دنیا کی منتشر اکائیوں کوایک وحدیت میں پرویا جاسکتا ہے،اس کے لئے کائنات ایک ایسی اکائی (UNIT) بن جائے جس میں نہ کوئی انتشار ہے نہ تضاد، نہ انارکی

اورنہ یہ دنیااس چھوٹی چھوٹی خودمختاراور بے لگام ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے،جس کے آپس میں جنگ وجدال کا سلسلہ قائم رہتا ہے بلکہ یہ پوری کائنات ایک مملکت بن جاتی ہے،جس کوایک طاقتوراور رحم دل ارادہ چلارہا ہے،جس کے یہاں مشرق ومغرب کی کوئی تفریق نہیں۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا.

(المزمل. ۹)

وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے کوئی معبود اس کے سوانہیں ہے،اس کوکارساز ٹھہراؤ۔

انسانیت کا نیا تصور:

اس طرح انسان بت پرستی، دیوپرستی، اوہام وخرافات، من گھڑت کہانیوں، فرسودہ انسانوں اور رسم پرستی کے تمام بندھنوں سے آزاد ہوجاتا ہے اس طرح وہ خالق اور مدبر

کائنات کے علاوہ کسی کے آگے بھی سرنگوں ہونے کی ذلت سے نجات پاجاتا ہے، خواہ وہ پتھر ہو یا درخت، دریا ہو یا نہر، آفتاب ہو یا ماہتاب، فرشتہ ہو یا انسان مرد ہو یا عورت۔

دل کی آنکھ جس کو انبیاء علیہم السلام کھول دیتے ہیں، اس سے انسان جب اپنی طرف اور اپنی نوع کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس عالم میں اللہ کا خلیفہ پاتا ہے، جس کے اندر خالق کائنات نے اپنی روح پھونکی ہے، اور اس کو اپنا امین اور راز داں بنایا ہے، اس کو بہترین تناسب اعضاء کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور اس کی عزت افزائی کی، دنیا کی تولیت اور انتظام کا ذمہ دار ٹھہرایا، امامت و رہبری کا تاج پہنایا، دنیا کی ہر شئے اس کی خاطر پیدا کی اور اس کو اپنے لئے پیدا کیا، اس کے آگے فرشتوں سے سجدہ کروایا، اور اس طرح اس کے لئے حرام کر دیا کہ وہ کسی مخلوق کے آگے سرنگوں ہو۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ. (التین ۔ ۴)

(ترجمہ) ہم نے انسان کو بہترین و متناسب اعضاء کے ساتھ پیدا کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۝

(ترجمہ) ہم نے بنی آدم کو اعزاز بخشا اور ان کو بر و بحر میں سواری پر بٹھایا، ان کو پاکیزہ رزق دیا، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

پھر اس انسان نے اس نبوت کی بخشی ہوئی چشم دل سے جب اپنے ہم جنس انسانوں اور اس انسانی خاندان کو جو روئے زمین پر مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے دیکھا تو اس کو ایک خاندان نظر آیا، جو ایک ہی سا وجود رکھتا ہے، ایک ماں اور ایک باپ کی سب اولاد ہیں، اس کو تعلیمات نبوی کی روشنی میں خدا کا کنبہ (عیال اللہ) باور کیا اور یقین کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگا، جو اس خدائی کنبہ کے لئے سب سے زیادہ مفید و کارآمد ثابت ہوگا اور محسوس کرے گا کہ جس طرح وہ جان اور احساس رکھتا ہے، اسی طرح خاندان بشریت کا ہر فرد زندگی اور حس رکھتا ہے، اور ہر فرد کو اسی طرح درد و الم محسوس ہوتا ہے، جس طرح وہ محسوس کرتا ہے، لہذا ایک خاندان کے افراد کے

درمیان، رنگ، ونسل، قومیت و وطنیت دولت وافلاس کی بنا پر تفریق وتمیز دور جاہلیت کی یادگار ہے، اس انسان نے نبی کریمؐ کو ایک طرف رات کی تاریکی اور تنہائی میں خدا کے سامنے ان الفاظ میں گواہی دیتے ہوئے سنا۔

انا شهيد العباد كلهم اخوة.

(ترجمہ) میں گواہ ہوں تیرے سب بندے بھائی ہیں۔

دوسری طرف دن کی روشنی میں ایک بڑے مجمع کے سامنے یہ اعلان کرتے ہوئے سنا۔

يا ايها الناس كلكم من ادم و ادم من تراب لا فضل لعربی على عجمی ولا لعجمی على عربی ولا ابيض على اسود ولا اسود على ابيض الا بالتقوى.

(ترجمہ) اے لوگو! تم سب لوگ اولاد آدم ہو، اور آدم خاک سے پیدا کئے گئے تھے، نہ عرب کو غیر عرب پر اور نہ غیر عربوں کو عرب پر کوئی فضیلت یا ترجیح حاصل ہے، نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر، بڑائی صرف پرہیزگاری سے ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ. (الحجرات ۱۳)

(ترجمہ) اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو قبیلوں اور قوموں میں اس لئے بانٹ دیا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانا جا سکے، تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

انبیاء کی دعوت اور طریقۂ کار:

انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم نے اپنے اپنے دور میں اور اپنے اپنے حلقۂ دعوت میں اور نبی عربی امی ﷺ نے ان سب کے بعد اس انسان کی تربیت پر ساری توجہ مرکوز فرمائی اور یہی کوشش کی کہ انسان کی فطری استعداد و قابلیت کو ابھار دیں جس کا کوئی فلسفہ یا علم

النفس (سائیکلوجی) ابھی تک سراغ نہیں لگا سکا، اور نہ اس کی تہہ تک پہنچ سکا ہے، پھر ان صلاحیتوں کو منظم کر کے اس کی ذاتی اور پوری انسانیت کی اصلاح و درستی کی طرف موڑ دے، انسان کے اندر خدا کو راضی کرنے کی عجیب و غریب محیر العقول تڑپ پیدا کر دی، اس کی طاعت میں مر مٹنے کا جذبہ پیدا کر دیا، اس کی مخلوق کی خدمت کو اس کا نصب العین بنا دیا، انسانوں کے قلوب کو خوش کرنا اور ان کو مصائب سے دور رکھنا اس کا مقصد زندگی بن گیا، اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دینے اور اپنی ذات کا بڑی گہرائی اور باریک بینی کے ساتھ محاسبہ کرنے کا شوق پیدا کیا، اخلاص و اخلاق کی وہ باریکیاں اس کے اندر پیدا کر دیں، جہاں بڑے بڑے ذہین انسانوں کی ذہانتیں نہیں پہنچ سکتیں، اور جس کی تہہ کو اہل علم کا علم نہیں پا سکتا، جس کی باریکیاں ادبی مضامین اور شاعرانہ تخیلات سے زیادہ نازک ہیں جنہیں کسی چھوٹی سی چھوٹی خوردبین سے نہ دیکھا جا سکتا ہے اور نہ کسی کیمرے سے ان کی تصویر گرفت میں آ سکتی ہے، غرض پیغمبرانہ تعلیم نے انسان کے اندر احساس کی نزاکت، روح کی صفائی اخلاق کی بلندی، عزت نفس، خود پسندی سے نجات، قدرت رکھتے ہوئے دنیا کی لبھانے والی چیزوں سے بے رغبتی حوصلہ و فکر کی بلندی، خدا سے ملنے کی تڑپ پیدا کی ان کے یقین میں قوت عطا کی، ذات و صفات کا وہ گہرا علم بخشا جس کا تصور صرف وہی انسان کر سکتا ہے، جس نے ان افراد کی سیرتوں کا صحیح طور پر اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہو، خلاصہ یہ کہ نبوت کا سب سے بڑا کارنامہ انسان ہے اور یہی انسان انبیاء کرام کا محور عمل ہے، ان کی کھیتی ہے، جس میں انہوں نے تخم ریزی کی جوان کی کاوش جگر سے لہلہا اٹھی اور برگ و بار لائی۔

محض وسائل کافی نہیں:

حضرات! مشرق میں انبیاء نے اپنا میدان عمل یہ نہیں بنایا کہ وہ صرف اس کائنات کی پوشیدہ قوتوں کا انکشاف ہی کریں، اس کو قابو میں لائیں اس سے کام لیں، وہ آلات کے موجد تو نہ تھے، لیکن اچھے ارادہ، اچھی نیت اور اچھے مقاصد کے موجد ضرور تھے، جہاں

تک قدرتی دولت وصنعت کا تعلق ہے، آپ کو معلوم ہے کہ یہ چیزیں ہمیشہ سے ارادۂ انسانی کی تابع اور اس کی رہین منت رہی ہیں، لہذا جب بھی انسان کا ارادہ اچھا ارادہ اس کا مقصد پاکیزہ مقصد ہو تو وہ اپنی محدود طاقت و دولت، معمولی آلات اور کمزور محدود وسائل سے بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے جو اس دور کا ترقی یافتہ تمدن انجام نہیں دے سکتا ہے، اور اس کے ذریعہ وہ انسان اور بنی نوع انسان کی وہ خدمت کر سکتا ہے، جو وہ لوگ انجام نہیں دے سکتے جن کے پاس وسائل و آلات کا بڑا ذخیرہ ہے، کیونکہ جب بھی کسی چیز کے انجام دینے کا عزم راسخ پیدا ہوگا تو نظر سے اوجھل طاقت سامنے آجائے گی، وسائل بھی پیدا ہونے لگیں گے، مشکلات پر قابو بھی حاصل ہوگا، اور وہ عزم قوی اپنا راستہ پہاڑوں اور سمندروں کا جگر پار کر کے نکال لے گا، اور اگر حسن نیت اور عزم راسخ ہی حاصل نہیں ہے تو وسائل بیکار، آلات بے سود ہیں، اور موجدوں کی ایجادیں ضائع ہیں، بھوک اور پیاس کی شدت، ماں کی ممتا، محبت کی بے تابی اور شوق کی فراوانی کبھی اور کسی زمانہ میں بھی زیادہ علم یا آلات کی محتاج نہیں رہی ہے، ہر زمانہ اور ہر دور میں وہ اپنی ضرورت پوری کرتی رہی ہے، اس کو معلوم ہے کہ کس طرح اپنا مقصد حاصل کرے انبیاء کرام نے اپنی اعلیٰ کردار اور حسن تربیت سے انسان کے اندر ایک ایسا ارادہ پیدا کر دیا جس کی وجہ سے وہ مکارم اخلاق کو اپنانے اور ان کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے کی اسی طرح تڑپ محسوس کرنے لگا، جس طرح کوئی بھوک اور پیاس کا مارا محبت کرنے والی ماں، یا عاشق بے تاب محسوس کرتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی راہ خود آسان ہوگئی، اور وسائل خود بخود حاصل ہونے لگے، جو اس زمانے کے اعتبار سے کافی تھے، اور اس طرح وہ تمدن وجود میں آیا جس میں انسان نے امن و راحت اور سر بلندی و سرفرازی کا زیادہ سے زیادہ حصہ پایا، وہ تمدن بلاشبہ محدود اور سادہ تھا، اس میں کوئی پیچیدگی نہ تھی، نہ کوئی فلسفیت تھی، مگر اس کے اندر مستقبل میں ٹھوس اور صحیح بنیادوں پر ترقی پذیر ہونے اور وسعت پانے کی پوری گنجائش تھی۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ:

حضرات! اس کے بعد مغرب کی سرگرمی عمل ایجادات اور نشاۃ ثانیہ کا دور آیا مگر اس وقت مذہبی پیشواؤں کی بہت عرصے تک غلط نمائندگی اور ناجائز مذہبی اجارہ داری کے سبب اس کا رشتہ اخلاق و مذہب سے کمزور پڑ چکا تھا، اس گہرے تعلق کے کمزور پڑ جانے کی وجہ سے نیز اقتصادی دباؤ، سیاسی حالات اور یورپ کے محدود رقبے میں تنازع للبقاء، کی کشمکش کی شدت کی وجہ سے مغرب کی توجہ "انسان" کے بجائے انسانی ماحول اور انسان کی گردوپیش کی دنیا پر مرکوز ہوگئی، اس نے ذات انسانی کو چھوڑ کر، عالم "انفس" کو چھوڑ کر، آفاق اور قلب کو چھوڑ کر نظام قدرت کو اپنا محور عمل بنایا، اسنے معدنیات، علم الکیمیا، کیمسٹری، طبیعات (فزکس) ٹیکنالوجی، ریاضی اور دیگر علوم وفنون کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کیا، اور ناقابل انکار کامیابیاں حاصل کیں، اور یہ بھی نظام الٰہی ہے کہ انسان جس شئے کی جستجو کرتا ہے، اور اس کے لئے سرگرداں ہوتا ہے، وہ اس کو مل جاتی ہے، اور اس پر قابو حاصل ہو جاتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ، وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ، ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ. (النجم ۳۹۔۴۱)

آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا اور یہ کہ اس کی کمائی اس کو دکھانی ضرور ہے پھر ان کو بدلہ دینا ہے اس کا پورا بدلہ۔

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:۔

كُلًّا نُمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا (بنی اسرائیل ۲۰)

ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں، ان کو اور ان کو تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی۔

یورپ کی مادی فتوحات:

لہذا مغرب نے کائنات، صنعت وحرفت، ریاضی وانجینئر نگ کے علوم میں کامیابی کی اعلیٰ منزلیں طے کیں، ایجادوں پر ایجادیں کرتا رہا فتوحات پر فتوحات اسے حاصل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ آج اس منزل پر پہنچ چکا ہے، جس کا گذشتہ صدیوں میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، اور جس کی تفصیل کی یہاں حاجت نہیں اور نہ مثالوں کی ضرورت ہے، کیونکہ بلاشبہ یہ ملک علوم جدیدہ کا ایک ممتاز ترین علم بردار ہے، مغربی تمدن کا یہ ایک ممتاز مرکز ودارالحکومت ہے، خود یہ عظیم مرکز علمی (لندن یونیورسٹی) جس میں مجھے اس خطاب کا شرف حاصل ہورہا ہے، اس تمدن کی ترقی وتعمیر میں اپنی دوسری ہم مشرب درس گاہوں کے ساتھ علوم وفنون کی سرپرستی کرنے میں نمایاں حصہ لیتا رہا ہے، اور ان اداروں نے وہ اسباب فراہم کیے ہیں، جن کے مظاہر سائنس اور صنعت کے میدان میں نظر آتے ہیں، لہذا اس موضوع پر زیادہ تفصیل بے سود اور اضاعت وقت کے مرادف ہوگی۔

بلاشبہ یہ اسباب ووسائل فراہم ہوگئے اور یہ اللہ کی نعمت ہے جس کی ناقدری نہیں کی جاسکتی، ان اسباب ووسائل کا ایک انبار آج نگاہوں کے سامنے ہے، ان کا مقصد وجود یہ ہے کہ کسی کام کا یہ وسیلہ اور آلہ ثابت ہوں بے پایاں قوت، حیرت ناک سرعت کے ساتھ مقصد براری کے وسائل جو آج حاصل ہیں، ان سے بہت کم درجہ کی چیزیں بھی پوری انسانیت کی خوشحالی کا باعث ہوسکتی تھیں، ان سے بہت کم اسباب و وسائل کے ذریعہ انسان کو پرمسرت زندگی بخشی جاسکتی تھی، عالمی امن اور سکون خاطر بھی حاصل ہوسکتا تھا، یہ ممکن تھا کہ ان کے ذریعہ محبت و الفت کی فضا دنیا میں قائم ہوجاتی......لوگ ایک دوسرے کو سمجھتے اور تعاون کرتے، انسانیت کے مشرق ومغرب میں پھیلے ہوئے خاندان کی شاخیں آپس میں مصنوعی دیواریں منہدم کرسکتیں، آج دنیا کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا انسان دنیا کے دوسرے کنارے کے بسنے والے انسان کی مدد کرسکتا ہے، اس کے دل کی دھڑکنیں سن سکتا ہے اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے، ظالم کو ظلم سے روک سکتا اور مظلوم کی مدد کر

سکتا ہے، پریشان حال کی فریاد پر پہنچ سکتا اور ننگے بھوکے اور بیمار کی مدد کر سکتا ہے، کیونکہ جہالت اور انسانی کمزوری کی بنا پر جو معذوریاں تھیں، وہ ختم ہوگئیں، جس کا شکوہ گزشتہ نسلیں کر سکتی تھیں، اب وہ آلات و وسائل موجود ہیں جن سے انسان پلک جھپکتے اپنی ہر خواہش پوری کر لیتا ہے، اب تو بھلائی کا کام کرنے والے کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا، انسانیت کے بہی خواہ، امن کے رہنما کس چیز کی کمی کا گلہ کر سکتے ہیں؟ کوئی فرد ہو یا حکومت یا سوسائٹی۔

وسائل کی ناکامی:

حضرات! یہ آلات و وسائل تو اس کام کے لئے بالکل کافی تھے کہ مصائب خطرات سے گھری اور زخموں سے چور انسانی دنیا کو ''جنت ارضی'' میں تبدیلی کر دیتے، جہاں نہ کوئی مصیبت ہو نہ مشقت، نہ مستقبل کا خوف نہ ماضی کا غم، نہ آپس کی جنگیں ہوں نہ دلوں کی کدورتیں، نہ افلاس ہو نہ مرض، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان میں سے کوئی انسانی غرض پوری ہوئی، کیا دنیا سے خوف واضطراب کا وجود مٹ گیا، کیا افلاس و پریشانی کے بادل چھٹ گئے؟ کیا اب انسانوں پر ظلم و زیادتی نہیں ہوتی، کیا امن و سلامتی دنیا کو حاصل ہوگئی، کیا لوگوں میں اعتماد پیدا ہوگیا؟ اور آخر میں کیا جنگ کا بھیانک اور خوفناک سایہ ہمیشہ کے لئے دور ہوگیا اور اس کا ''دیو سرکش'' آخری موت مر گیا، مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ ان سوالات کے لئے آپ کے جواب کا انتظار کروں کیونکہ یہ عظیم الشان شہرت وتباہ کن وجہاں سوز جنگوں کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا اور اس کی بربادیاں اور تباہ کاریوں کا نشانہ بن چکا ہے اور آج ہم سب ایٹمی دور سے گزر رہے ہیں، اس ملک کے مفکروں اور مصنفوں نے خود ایسی کتابوں سے ایک عظیم الشان کتب خانہ تیار کر لیا ہے، جس میں اس تمدن کی لائی ہوئی مصیبتوں کی بڑی باریک بینی سے تصویر کشی کی گئی ہے، اس سوسائٹی کی مصیبت و بربادیوں کا رونا رویا ہے، اخلاقی انا رکی خاندانوں کی پراگندگی، بے چینی واضطراب کا عام ہونا، خوف ودہشت کا چھا جانا ان لکھنے والوں کا موضوع بن گیا

ہے، یہ لوگ جو لکھ چکے ہیں اور لکھ رہے ہیں یہ اپنی جگہ بالکل کافی اور بہت مدلل ہے۔

غلطی کہاں ہو رہی ہے:

آخر یہ نتائج ان آلات و وسائل سے کیونکر برآمد ہو رہے ہیں؟ حالانکہ آلات و وسائل تو گونگے، بہرے ہیں، ان کے اندر کوئی ارادہ نہیں ہوتا، یہ تو خدمت خلق اور نفع رسانی میں استعمال کئے جانے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، اس سوال کا جواب کسی راز کا انکشاف نہیں ہے، اور نہ کسی پہیلی کا سمجھنا ہے، نہ اس میں کسی غیر معمولی ذہانت اور قوت فکریہ کی ضرورت ہے، سادہ سی بات ہے کہ جس قدر انسانی علوم وفنون نے ترقی کی، اس قدر خود انسان نے ترقی نہیں کی، آلات اور ادارے تو بہت ترقی کر گئے، لیکن انسانی رجحانات اور انسانی ارادوں میں کوئی بہتری اور سدھار پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ علوم وفنون نے اخلاق وانسان کا حق مار کر ترقی کی منزلیں طے کر لیں، قلب وروح کا حق مار کر ترقی کی منزلیں طے کر لیں، قلب وروح کا حق مار کر کارخانوں اور فیکٹریوں نے بلندی حاصل کر لی۔

آج انسانیت کا دماغ زندہ ہے لیکن دل مردہ ہے:

اس کا سبب یہ ہے اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مغرب نے اپنی سرگرمی، عمل ذہانت، قوت ارادی کا دائرہ انسان کے باہر کی دنیا کو بنایا اور اس عالم خارجی پر اپنی ساری جدوجہد قربان کر دی، اور انسان کو نظر انداز کر ڈالا، وہ انسان جو اس دنیا کا گل سرسبد ہے مقصد وجود ہے۔ اور دست قدرت کا سب سے اعلیٰ شاہکار ہے، وہی اس ترقی سے محروم رہا، اگر نفسیات وطبعیات وعلم الحیاۃ (بیالوجی) نے کبھی اس پر توجہ بھی کی تو انتہائی محدود اور مادی انداز میں، اس انسان کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی گئی اور اس کی فطرت کو بے نقاب نہیں کیا جا سکا، اس کی خصوصیات ایمان وعقیدہ اور اخلاق کو سنوارنے کی کبھی فکر نہیں کی گئی۔

انسانیت کا قفل صرف ایمان کی کنجی سے کھلتا ہے:

ان ماہرین فن کے ہاتھ وہ سرا نہیں آیا، جہاں سے انسان کا رخ موڑا اور صحیح جگہ

سے جوڑا جا سکتا ہے، شر و فساد سے روکا اور بھلائیوں کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے وہ سرا "قلب" ہے کہ جب وہ ٹھیک ہو تو انسان ٹھیک ہو جائے، اور اگر وہ بگڑا تو پورا انسان ہی بگڑ گیا، مگر افسوس کہ مغرب اگر چاہے بھی تو اس دل کی دنیا کا سراغ نہیں لگا سکتا، اس سے فائدہ اٹھانا اور انسانیت کو راہ راست پر لگانا تو اور بھی ناممکن ہے، کیونکہ ہر قفل اسی چابی سے کھلتا ہے جو اس کے لئے بنائی گئی ہے، اس دل کے خزانے کا بھی ایک قفل ہے جس کی چابی ان دیو پیکر کارخانوں اور محیر العقول دانش کدوں میں تیار نہیں ہو سکتی، اس کو دنیا کے بڑے سے بڑے جینیس سائنسداں نہیں ڈھال سکتے، نہ اس کا ثنی بنا سکتے ہیں، اور نہ اس قفل ہی کو توڑ سکتے ہیں، کیونکہ یہ انسان کا قفل ہے، بینکوں اور کارخانوں کا قفل نہیں ہے، یہ تو صرف ایمان ہی کی چابی سے کھل سکتا ہے، جو صرف نبوت کا تحفہ ہی تھا، مگر وہ آج کھویا ہوا ہے، نئے تمدن کی کہنہ دیواروں اور عبادت گاہوں کے ملبوں کے نیچے کہیں یہ چابی دبی پڑی ہے۔

بنیادی خرابی کیا ہے؟:

میرے بھائیو! انسانیت کی مصیبت مغرب کے مشرق سے جدا ہونے میں ہے، علم کو ایمان سے علیحدہ کر دینے میں ہے، کارخانوں کے صحیح مقاصد اور بہتر ارادوں کے تہی مایہ ہونے میں ہے، اس علیحدگی اور دوری نے ہمارے تمدن کو ہر طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا ہے، مشرق میں ایمان بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا، مغرب میں سائنس بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا ایمان کو علم کی رفاقت کی ضرورت ہے، اور علم کو ایمان کی سرپرستی اور نگرانی کی حاجت، اور انسانیت ان دونوں کی رفاقت اور تعاون کی طالب اور منتظر ہے کہ ایک نئی سوسائٹی کی تعمیر ہو، نئی تخلیق پائے، امن عالم اور سلامتی کی توقع اس "قران السعدین" کے بعد ہی کی جا سکتی ہے۔

مشرق کی سوغات:

مشرق کی دولت وہ پیٹرول نہیں ہے، جسے لوگ "زر سیاہ" کہنے لگے ہیں، اور جو

آپ اپنے بڑے بڑے شہروں میں منتقل کرتے ہیں اور جو ہوائی جہازوں کو اڑاتا ہے اور موٹروں کو چلاتا ہے، مشرق کا عطیہ اور ہدیہ اس کی سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا ایک حصہ آپ نے عیسوی جنتری کی ابتدا میں حاصل کیا تھا، پھر آپ کے عیسوی کیلنڈر کے حساب سے چھٹی صدی میں اس کا چشمہ ایسے جوش و طاقت کے ساتھ ابلا جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں، یہ چشمہ جزیرۃ العرب کے ایک دور دراز گوشے سے ابلا تھا، لیکن پھر ساری دنیا میں اس طرح پھیل گیا، کہ بقول شاعر ع

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

جواب بھی آپ کے لئے سہل الحصول ہے، بشرطیکہ اخلاقی جرأت اور عزم صادق ہو، اور وہ اب بھی اس کی پوری صلاحیت رکھتا ہے کہ ان تمام مصائب کو دور کرے جس سے یہ تمدن دوچار ہے، اس سرچشمہ میں آج بھی یہ قدرت ہے کہ اپنی بے پایاں طاقت اور اتھاہ نشاط زندگی سے زندگی کی ایک نئی اور شاندار قسط عطا کر سکے اور جس کے ذریعہ انسانی فلاح و ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوسکتا ہے، اور ایک نئی سوسائٹی وجود میں آسکتی ہے ،اس کار عظیم کی ذمہ داری آپ پر سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ آپ ہی اس تمدن کے سب سے بڑے علم بردار اور ایک عرصے تک مشرق میں بھی اس کے پیغام و روح کے حامل رہ چکے ہیں، آپ کے اندر اب بھی وہ بڑی طاقت اور زندگی پوشیدہ ہے، جس سے آپ ایک نیا دور شروع کر سکتے اور تاریخ کو نئی راہ پر لگا سکتے ہیں قرآن مجید آج بھی آپ کو آواز دے رہا ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ الآية.

اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو دین الٰہی کی صحیح سمجھ بوجھ عطا فرمائے! وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصل مقصد زندگی اللہ کی بندگی

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعی بدعوتھم الی یوم الدین اما بعد فاعوذ باللہ الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قال اللہ تعالی یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ○ (سورۃ العنکبوت ۵۶)

اے میرے ایماندار بندو میری زمین فراخ ہے، سو خاص میری ہی عبادت کرو۔

ذرائع اور مقاصد:

میرے بھائیو اور بہنو! اللہ تعالیٰ کے یہاں انسان کی زندگی کا مقصد بندگی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا اور آخرت کے لئے کوشش اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور اس کے رسول ﷺ کے طریقے پر چل کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اصل مقصد ہے اس کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں سب وسائل اور ذرائع ہیں۔ مقصد اور ذریعہ کا مطلب آپ سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے قرب کے ذرائع کو تلاش کرنا ،مناسب ماحول تیار کرنا، قوت نافذہ حاصل کرنا تا کہ اللہ تعالیٰ کے حکمتوں پر عمل آسان ہو جائے اور کوئی مجبوری کی شکایت نہ کر سکے اور کوئی دوسری طاقت اور دوسرا اقتدار اس میں خلل اندازی نہ کر سکے اور اس کے مقابل دوسری کوئی متوازی دعوت نہ دے سکے۔ اس کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ الفاظ میں بیان کیا ہے۔

حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ (الانفال ۳۹)

(اور تم ان کفار عرب سے) اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور

دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے۔

یہاں تک کہ کشمکش جاتی رہے یعنی دو طاقتوں کے درمیان جو تصادم ٹکراؤ (CLASH) ہوتا ہے وہ جاتا رہے جس کی وجہ سے لوگ خواہ مخواہ انتشار میں (CONFOSION) کا شکار ہوں کوئی کہے ادھر چلو کوئی کہے ادھر چلو۔

ویکون الدین کلہ للہ ۔

اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے۔

یعنی طاقت وفرمانبرداری صرف اللہ تعالیٰ کی ہو اسی کے لئے دعوت کا کام ہے اسی کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ ضرورت ہو اور وقت آئے تو جہاد ہے اسی کے لئے اسلام کو ایسی طاقت مہیا کرنا اور اقتدار پر لانا ہے کہ کمزور لوگوں کو بھی خدا کے بتائے ہوئے راستے اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ایسا مشکل نہ ہو جائے کہ وہ کہیں کہ:

لاَ یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَھَا (البقرہ ۲۸۶)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلّف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو۔

اصل مقصد اللہ کی بندگی

ان تمام ذرائع کا مقصد اللہ کی بندگی ہے۔

وما خلقتُ الْجِنَّ والْاِنس اِلاَّ لِیَعْبُدُوْنِ O (الذٰریٰت ۵۶)

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔

اس کے بارے میں ذہن تو پورے طور پر صاف کر لینا چاہئے میں نے یہاں یورپ میں پڑھے لکھے لوگوں کے ذہن میں اچھا خاصا الجھاؤ پایا کہ وہ ذرائع اور مقاصد کے درمیان فرق نہیں کر پاتے، مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے، صلاحیتیں دی ہیں انہیں ہم ایسے کاموں میں استعمال کریں

کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو اور زندگی کا مقصد پورا ہو آخرت میں اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو اور ہمیں اپنا قرب عطا فرمائے اور ہم اس کے سامنے سرخرو اور جنت میں ہمیں اونچے سے اونچا مقام حاصل ہو یہ اصل مقصد ہے۔ یہ مقصد اگر کہیں پورا ہو رہا ہے تو بہت مبارک ہے اور اگر یہ مقصد خاص اپنے وطن میں پورا نہ ہو تو اسے خیر باد کہنا چاہئے وطن جہاں آدمی پیدا ہوا ہے اور اس کے ذرہ ذرہ سے اسے محبت ہے اور جہاں آدمی پیدا ہوا ہے

ع خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر

وہ چیزیں جو فطری طور پر آدمی کو محبوب ہوتی ہیں وہ ساری وطن میں موجود ہوتی ہیں لیکن مجھے یہ کہنا ہے کہ اگر وطن میں خدا کی بندگی نہ ہو سکے اور خدا کے احکام پر نہ چل سکے تو وطن کو دور سے سلام کرنا چاہئے کہ خدا حافظ۔

حضورا کی ہجرت

میرے بھائیو! حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین کہ جس کے اندر قدرتی طور پر ایسی محبوبیت اور دل آویزی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىٓ اِلَيْهِمْ (ابراھیم۔ ۳۷)

(ترجمہ) تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے۔

اے اللہ لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ جیسے مقناطیس سے لوہا کھینچتا ہے ایسے یہ لوگ کھنچتے رہیں۔

محبوبیت حرم شریف اور اس میں بیت اللہ، آب زمزم، اس میں صفا اور مروہ پھر اس کے نزدیک منیٰ اور عرفات لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ یہاں مسلمانوں کے لئے خدا کی بندگی مشکل ہو رہی ہے تو فرمایا حبشہ چلے جاؤ۔ یہ کیوں فرمایا؟ دین پر قائم رہنے کے لئے فرمایا کہ یہاں نماز نہیں پڑھ سکتے، خدا کی عبادت نہیں کر سکتے ان کا سر زبردستی بتوں کے سامنے جھکا دیا جاتا ہے، ان کے سامنے خدا کی توہین کی جاتی ہے، زبردستی ان سے کفر کرانے کی کوشش کی جاتی ہے تو فرمایا کہ حبشہ چلے جاؤ۔ دو مرتبہ حبشہ کو

ہجرت ہوئی۔ آخر میں خود آپ کو حکم ہوا کہ مکہ چھوڑ دو اور مدینے چلے جاؤ اللہ کے نام پر مکہ جیسا شہر چھوڑا جا سکتا ہے تا کہ خدا کی عبادت آزادی کے ساتھ ہو سکے تو دنیا کے اور شہر کس شمار و قطار میں ہیں۔ نیویارک و لندن ہو یا ٹورنٹو اور شکاگو ہو، دہلی ہو، لکھنو ہو، کوفہ ہو، بصرہ ہو، اندلس و قرطبہ ہو یا قاہرہ و دمشق ہو۔ اصل یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کیا جا سکتا ہو وہ جگہ محبوب ہے اور رہنے کے قابل ہے۔

میرے بھائیو! مجھے کہنا یہ ہے کہ میں یہاں آیا، میں نے یہاں بہت سے شہر دیکھے اور یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ کے اپنے بھائیوں کا قریب سے جائزہ لیا ہے، اب آپ کے یہاں کنیڈا آیا ہوں۔

ایک طرف تو مجھے مختلف ممالک کے مسلمانوں کو دیکھ کر خوشی ہوئی فطری بات ہے کہ آدمی کو اپنے ہم جنس اور ہم مذہب لوگ ملتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے لیکن دوسری طرف میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کیا آپ کو یہاں پورے طور پر اسلامی زندگی گذارنے کا موقع ہے اور کیا آپ کی آئندہ نسلیں اسلام پر قائم رہیں گی؟ آپ کی نظر میں جو اسلامی جذبہ تھا کیا وہ ویسا ہی روشن اور فروزاں رہے گا؟ یہ بات سوچنے کی ہے، آپ برا نہ مانیں یہاں ہمارے اکثر بھائی مادی اغراض سے آئے ہیں۔ ہمارے ایک بھائی نے کہہ بھی دیا تھا کہ ''صاحب ہم تو یہاں کمانے کھانے کے لئے آئے ہیں۔''

یہ کوئی حرام بات نہیں ہے، کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، لیکن جہاں خالص مادیت کی زندگی اور غفلت کا دور دورہ ہو وہاں جانے میں تو خیر حرج نہیں لیکن وہاں رہنے کا فیصلہ کرنا یہ بات سوچنے کی ہے۔ میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو یہ اطمینان ہے کہ آپ یہاں اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق گذار سکتے ہیں اور دعوت کے کام میں مشغول ہیں اور یہاں آپ کے رہنے سے دین کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور اس بات پر آپ کا دل گواہی دے کہ آپ اپنا ایمان بھی بچا رہے ہیں اور دوسروں کے ایمان کی فکر بھی کر رہے ہیں اور بقدر ضرورت معاشی جدوجہد میں مشغول ہیں تب تو ٹھیک ہے میں بھی کہوں گا کہ آپ کا یہاں رہنا مبارک ہے۔ شاید آپ کے ذریعہ سے اللہ یہاں ہدایت عام

کرے اور اسلام کی روشنی پھیلائے اور یہ خطہ بھی اسلام کی دولت و سعادت سے ہمکنار
ہو جائے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ملک عرب کے سوداگر جب مشرق بعید، انڈونیشیا،
ملیشیا اور بحر ہند کے جزیروں پر پہنچے تو جزیرے کے جزیرے مسلمان ہو گئے اور وہاں
آج مسلمانوں کی کھلی ہوئی اکثریت ہے۔ آپ تحقیق و مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ
اسلام زیادہ تر عرب تاجروں کے ذریعہ پھیلا، یا پھر صوفیاء کرام کی ذریعہ پھیلا۔

ہمارے برصغیر میں بھی سندھ وغیرہ کے علاقوں میں یا مسلم اکثریت کی علاقے مثلاً
کشمیر و مشرق بنگال صرف صوفیاء کرام کے شرمندہ احسان ہیں یہاں رہنے کے بعد اپنے
ایمان اور اپنی آئندہ نسلوں کے اسلام کی حفاظت کا انتظام اور اطمینان آپ نے کرلیا ہے
اور یہاں رہ کر آپ دعوت کا کام کرتے ہیں جو دوسروں کے لئے کشش کا باعث ہو تو آپ
کے یہاں رہنے کا جواز ہی نہیں بلکہ یہ بہت بڑا اجہاد ہے اور بہت بڑی خدمت ہے۔

اگر ایسا نہیں ہے اور آپ کا مطمع نظر صرف کھانا کمانا ہے تو یہ مقصد مسلمانوں کے
مقام اور مقصد حیات سے میل نہیں کھاتا، صرف کھانے کمانے کے لئے اتنے دور دراز کی
مسافت طے کرنا کسی مسلمان کی شیان شان نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رزاقی، جغرافیائی حد بندی کی پابند نہیں، میں یہ سراسر عملی باتیں کر رہا
ہوں، علمی نکات اور موشگافیاں کسی اور موقع پر کوئی عالم بتائیں گے۔ میں نے جو کچھ
یہاں دیکھا اس کی روشنی میں یہ چند عملی باتیں بے تکلف عرض کر رہا ہوں۔ اگر آپ کی
زندگی اور آپ کا یہاں قیام اسلام کے لئے مفید ہے اور اس کی راہ ہموار کرنا ہے تو میں یہ
فتویٰ دیتا ہوں کہ آپ کا یہاں رہنا نہ صرف جائز بلکہ ایک عبادت ہے، اگر اپنے ایمان
اور بچوں کی دینی زندگی کی طرف سے اطمینان نہیں تو مجھے اس سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے
کہ نہ جانے یہاں کس حالت میں موت آئے۔ ہم خدا کو کیا جواب دیں گے کہ صرف
کھانے کمانے کے لئے وہاں گئے تھے یہ نہ اسلامی کردار ہے، نہ مسلمان کی شان ہے۔
ں اگر آپ نے یہ انتظام کرلیا کہ آپ کے ایمان پر ذرہ برابر آنچ نہ آئے، آپ کسی دینی
ت اور اسلام کی تبلیغ کرنے والی تنظیم میں شریک ہیں، آپ نے ماحول بنایا ہے، کوئی

ایسا حلقہ بنایا جس میں دینی باتیں ہوتی ہیں اور تذکیر ہوتی ہے، آخرت کی فکر ہوتی ہے۔ آپ یہاں غیر مسلموں کے سامنے ایسی زندگی پیش کررہے ہیں جس میں CHARM ہے، کشش ہے اور آپ نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کرلیا ہے یہ بہت اہم بات ہے قیامت کے دن بچوں سے جب پوچھا جائے گا کہ تم کیسے اس حالت میں آئے ہو کہ نہ ہمارا نام جانتے ہو نہ ہمارے رسول کا نام جانتے ہو، نہ نماز جانتے ہو تو وہ کہیں کہ ہمارے پروردگار ہم نے اپنے بڑوں کی بات مانی، انہوں نے جس راستے پر لگایا اس راستے پر ہم لگ گئے۔ انہوں نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا۔ (الاحزاب ۶۷)

اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تھا سو انہوں نے ہم کو (سیدھے) راستے سے گمراہ کیا تھا۔

آپ کے بچے بے شک اسکول جاتے ہوں گے لیکن کیا آپ نے ان کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے جس میں توحید ورسالت اور دین کی تعلیم حاصل کریں؟ جس کے بغیر آدمی مسلمان ہو نہیں سکتا اور آپ انہیں بتائیں۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم ۶)

اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ۔

خبردار اسلام کے علاوہ کسی اور راستے پر مرنا حرام ہے۔ کسی مسلمان بچے کی دینی تعلیم وتربیت کے بغیر زندگی سے اس کی موت بہتر ہے۔

ولا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ O (آل عمران ۱۰۲)

اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔

اس صاف گوئی پر مجھے معاف کریں لیکن یہ عملی چیزیں جنہیں یہاں رہ کر آپ کو برتنا ضروری ہے، بچوں کی تعلیم اور یہاں اسلامی ماحول بنانے میں اگر آپ تھوڑا سا وقت دیتے ہیں تو آپ یہاں رہنے، شاید اللہ تعالیٰ نے اسی کے لئے آپ کو یہاں بھیجا ہو۔

ہندوستان و پاکستان اور ایشیائی ممالک سے ذہین نوجوانوں کی جوار بھاٹا کی طرح

کی جو لہریں چلی آرہی ہیں وہ یہاں کا رخ کررہے ہیں تاکہ اپنا دامن اور جھولی بھر لیں تو ان ملکوں کا کیا ہوگا جہاں سے اچھے تعلیم یافتہ اور ذہین لوگ مادی منافع کے خاطر اپنے ملکوں کو چھوڑ دیں، میں ان لوگوں کا یہاں رہنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے اپنے ایمان کی حفاظت اور غیر مسلموں میں دینی دعوت کو اپنا مقصد بنایا ہے۔

چند عبرت انگریز واقعات

میرے عزیزو! ورنہ یہاں تو یہ حال ہے کہ یہاں بوسٹن میں مقیم ہمارے ایک عزیز مولوی مدثر ندوی نے کہا کہ یہاں ایک حاجی صاحب کا انتقال ہوگیا تو انہیں فون آیا کہ آخری رسوم میں شریک ہوں۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ لاش کو تابوت میں رکھا ہے، سوٹ پہنایا ہوا ہے، ٹائی لگی ہے، سونے کی انگوٹھی پہنائی ہوئی ہے، عیسائی مرد عورتیں آرہے ہیں اور KISS کررہے ہیں، تابوت پر پھول ہار وغیرہ ڈال رکھے ہیں اللہ تعالیٰ اس نوجوان کی عمر میں برکت دے، آخر عربی مدرسوں میں پڑھنے سے فائدہ ہی ہوتا ہے۔ اس نے ان مرحوم کے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ میں جاتا ہوں، انہوں نے پوچھا کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ میں جو کچھ کہوں گا آپ کریں گے نہیں۔

ان صاحب نے کہا کہ ہم نے آپ کو بلایا ہے، ہم آپ کی بات مانیں گے مولوی مدثر نے کہا کہ پہلے تو ان کا سوٹ اتار دیجیے، لوگوں کو یہاں سے علیحدہ کیجیے، ہم ان کو شرعی طریقہ سے غسل دیں گے، کفن پہنائیں گے یہ انگوٹھی بھی نکال دیجیے۔ ان صاحب نے کہا انگوٹھی نہ اتاریئے گا ورنہ ہماری والدہ کا ہارٹ فیل ہوجائے گا انہوں نے کہا کہ ہم انگوٹھی ضرور علیحدہ کریں گے۔ اگر آپ کی والدہ کے ہارٹ فیل کا خطرہ ہو تو انہیں نہ بتایئے۔ خیر وہ راضی ہوئے۔

وہ تو اتفاق تھا کہ ہمارے یہاں کا پڑھا ہوا بچہ وہاں پہنچ گیا ورنہ خدا جانے کتنے مسلمان اس ملک میں ایسے دفن ہوگئے ہوں گے۔ ایک اور واقعہ سنا جس سے بڑی عبرت ہوئی کہ ایک مصری عالم کا انتقال ہوا جن کی بیگم امریکن تھی، مسلمانوں کا قبرستان ذرا دور تھا

تو عیسائیوں کے قبرستان میں انہیں دفن کردیا گیا۔ یہ چیزیں وہ ہیں کہ جنہیں ایک مسلمان خواب میں دیکھ لے تو چیخ اٹھے کہ یا اللہ خیر فرمایا تو ہی حفاظت فرما چہ جائیکہ یہ واقعات عام ہو جائیں اور ہم سن کر اپنی کوئی فکر نہ کریں۔

دوہرا خطرہ

بھائیو! اپنی فکر کرو، اپنی اولاد کے اسلام پر قائم رہنے کا بندوبست کرو ورنہ آپ لوگوں کا یہاں رہنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک تو تم خطرے میں ہو، دوسرے تمہارا ملک خطرے میں ہے۔ ہندوستان و پاکستان کے جو تعلیم یافتہ نوجوان یہاں آرہے ہیں، اگر وہاں رہتے تو جو دس بیس آدمی ان کے ماتحت کام کرتے ان کو تقویت ہوتی، ان کے والدین اور ہم قوم افراد کی تقویت ہوتی ۔عرب ممالک کے نوجوان کثرت سے یہاں ہیں، اگر یہ اپنے وطن میں ہوتے تو اسے منظم بناتے، طاقتور بناتے اور اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچاتے۔ محض تنخواہ کی زیادتی اچھے مکان اور بہتر خورد و نوش کے لئے یہاں آنا یہ بات بہت سوچنے کی ہے۔ آپ کو مجھ سے یہ توقع ہوگی کہ میں آپ کے لئے دل خوش کن باتیں کرتا، میں نے وہ باتیں کہیں جس سے آپ کے دل کو چوٹ لگے اور آپ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں۔ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے آپ سے اجازت چاہوں گا۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے راہ عمل

الحمدللہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، امّا بعد

محترم حضرات! اس وقت پورا عالم اسلام خاص طور پر ہمارا ملک ہندوستان (جو صدیوں تک اسلامی اقتدار، عزت وشرف اور اسلامی علوم وفنون کا مرکز رہا ہے، اور جہاں ایسی زبردست اصلاحی تحریکیں، مصلحین اور علمائے ربانیین پیدا ہوئے جن کی دعوت واثرات عالم اسلام کے دور دراز ملکوں تک پہنچے) ایک ایسے آزمائشی دور سے گذر رہا ہے جس کی نظیر گذشتہ تاریخ میں صدیوں تک نہیں ملتی۔

اس دور آزمائش میں مسلمانوں کا صرف ملی تشخص، دین کی دعوت وتبلیغ کے مواقع و امکانات اور ملک ومعاشرہ کو صحیح راستہ پر لگانے اور اس کائنات کے خالق او مالک کی صحیح معرفت اور عبادت اور دین صحیح کی طرف رہنمائی کی صلاحیت اور استطاعت تو بڑی چیز ہے کم سے کم اس ملک ہندوستان میں ان کی زندگی کا تسلسل، جسمانی وجود، عزت و آبرو، مساجد ومدارس، اور صدیوں کا دینی وعلمی اثاثہ اور قیمتی سرمایہ بھی خطرہ میں پڑ گیا ہے۔

وہ نہ صرف دور دراز قصبات اور دیہاتوں میں بلکہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں ھی جہاں وہ بڑی تعداد میں بستے ہیں۔ اور ممتاز صلاحیتوں، ذہنی امتیازات اور مہارتوں کے مالک ہیں۔ کچھ عرصہ سے خوف وہراس کی زندگی گذار رہے ہیں اور کہیں کہیں اس ا نقشہ بعینہٖ وہ ہوگیا ہے جس کی تصویر قرآن مجید نے اپنے بلیغ ومعجزانہ الفاظ میں اس رح کھینچی ہے:۔

وضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم

(سورہ توبہ آیت ۱۱۸)

’’زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں۔‘‘

اس صورت حال کی اگر کوئی مثال پچھلی تاریخ میں مل سکتی ہے تو وہ ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) میں تاتاریوں کا ترکستان، ایران وعراق پر حملہ ہے جس نے شہر کے شہر بے چراغ اور تودۂ خاک بنادیئے تھے اور عالم اسلام کی چولیں ہل کر رہ گئی تھیں لیکن وہ ایک نیم وحشی قوم کی فوجی یلغار تھی جس کے ساتھ کوئی دعوت، تہذیب، فلسفہ، مذہبی نفرت وتعصب اور جسمانی ومعنوی نسل کشی (CULTURAL GENDCIDE) کا منصوبہ یا ارادہ نہ تھا، اور نہ ہی وہ کسی متوازی تہذیب وفلسفہ کے حامی تھے، اس وقت خوش نصیبی سے وہ اہل دل، صاحب روحانیت، دین کے مخلص اور صاحب تاثیر مبلغ وداعی موجود تھے جن کے اثر وصحبت سے پوری تاتاری قوم (جو لاکھوں کی تعداد میں تھی) اسلام کے حلقہ بگوش ہی نہیں دین حق کی محافظ وعلمبردار بن گئی۔

اور اس نے متعدد و وسیع و زبردست اسلامی سلطنتیں قائم کیں مشہور مورخ پروفیسر (T.W. ARNOLD) اپنی کتاب دعوت اسلام (PREACHING OF ISLAM) میں لکھتا ہے:

’’لیکن اسلام اپنی گذشتہ شان وشوکت کے خاکستر سے پھر اٹھا اور واعظین اسلام نے انہیں وحشی مغلوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم اٹھا نہ رکھا تھا، مسلمان کرلیا۔‘‘ (۱)

آج کی صورت حال خاص طور پر جن ملکوں میں مسلمان عددی اقلیت میں ہیں اور ماضی میں وہ حکومت واقتدار کے منصب پر فائز رہ چکے ہیں، دوسرے اسلامی ممالک سے مختلف اور زیادہ نازک ہے۔ یہاں ان کی تاریخ (ایک علمی اور سیاسی سازش کے تحت) اس طرح مرتب اور پیش کی گئی ہے کہ وہ اکثریت میں بغض ونفرت اور انتقامی جذبہ پیدا

(۱) T.W. ARNOLD , THE PREACHING OF ISLAM (LONDON, 1935, P.227)

کرنے کی بھر پور صلاحیت رکھتی ہے۔

پھر بعض اوقات ان ملکوں کی سیاسی قیادتوں یا وقتی پیش آمدہ مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی ونمائندگی کرنے والی تنظیموں اور جماعتوں نے غیر معتدل جذباتیت، ناعاقبت اندیشی اور نام ونمود حاصل کرنے کے شوق میں ہنگامہ خیزی سے کام لینے کی غلطی کی، وہاں مسلمان شدید مذہبی منافرت و تعصب، تہذیبی و ثقافتی محاذ آرائی (CONFRON TRATION) کا شکار ہوئے۔ پھر نصاب تعلیم، صحافت (PRESS) اور ابلاغ عامہ (PUBLIC MEDIA) کے ذریعہ مسلمانوں کی آئندہ نسل کو اولاً تہذیبی و ثقافتی ارتداد کا شکار بنانے کا منصوبہ بنایا گیا اور اس کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ یہ حالات یقیناً نہ صرف ایمانی و مذہبی غیرت اور پختہ دینی شعور رکھنے والوں کے لئے بلکہ حالات پر سطحی نظر رکھنے والے عام مسلمان کے لئے بھی جو گردو پیش کے حالات کو دیکھتا، اخبارات پڑھتا اور خبریں سنتا ہے سخت تشویش انگیز ہیں۔ وہ کبھی مایوسی اور بعض اوقات حالات کے سامنے سپر انداز ہوجانے پر بھی آمادہ کرتے ہیں۔

لیکن اس خدائے واحد پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے لئے جس کے ہاتھ میں اس کارخانۂ عالم کی ڈور ہے اپنے دین کا محافظ، حق کا حامی، مظلوم کی مدد کرنے والا، پامال اور خستہ حال کو اٹھانے والا، اور سرکش و متکبر کو نیچا دکھانے والا اور جس کی شان ہے کہ الا لہ الخلق والامر (دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے) کوئی انقلاب اور تغیر حال ناممکن نہیں۔ اس خدائے واحد کے بارے میں مسلمان شہادت دیتا ہے کہ:۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (سورة آل عمران آیت نمبر ۲۶، ۲۷)

'' کہو اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جسکو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔''

ایک ایسے موقع پر جب ایک مفتوح و مغلوب قوم کے غالب آنے اور ایک فاتح اور غالب ملک کے بارے میں مغلوب ہونے کی نہ کوئی امید تھی نہ کوئی پیشن گوئی کی جرأت کر سکتا تھا۔

قرآن مجید میں صاف فرمایا گیا!

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ. بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ. (سورہ روم آیت نمبر ۴،۵)

'' پہلے بھی اور پیچھے بھی خدا ہی کا حکم ہے اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے خدا کی مدد سے وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب اور مہربان ہے۔''

ساتویں صدی مسیحی کے آغاز میں ساسانی مملکت '' ایران کے بازنطینی سلطنت روم وشام مصر اور مشرقی یورپ پر مکمل غلبہ پانے کے بعد اس کی پسپائی اور شکست اور رومیوں کے غلبے کی طرف اشارہ ہے بعثت نبوی اور ۶۱۶ء میں رومۃ الکبریٰ کی عین اس حالت نزع میں قرآن نے پیش گوئی کی کہ رومی نو سال کے اندر غالب ہو جائیں گے اور ایسا ہی ہوا یورپین مورک ایڈورڈ گیبن (EDOWARD GIBBOIN) لکھتا ہے:

'' محمد (ﷺ) نے ایرانی فتوحات کے عین شباب میں پیشن گوئی کی کہ چند سال کے اندر اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے۔ جب یہ پیشن گوئی کی گئی تھی اس سے زیادہ بعید از قیاس کوئی بات نہیں کہی جا سکتی تھی کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بارہ سال سلطنت روما کی قریبی تباہی اور خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے۔''

M;PIRE)(DECLINE AND FALL OF THEROMAN

تاریخ زوال عروج ۳ص ۴۰۴، مطبوعہ ۱۸۹۰ء

حضرات! لیکن اس تبدیلی حال اور اس خطرہ سے بچنے کے لئے جواب مشاہدہ و تجربہ کی شکل میں آ گیا ہے کچھ خدائی قانون، اس کے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر انسانیت کی تعلیمات اور خود اس کا اسوہ اور سنت اور اس کے تربیت یافتہ اصحاب کاملین کا نمونہ و عمل ہے۔

حضرات میں قرآن وحدیث، سیرۃ نبویؐ اور اسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں چند شرائط وھدایات پیش کرتا ہوں

(۱)...... اس وقت دنیا کے تمام مسلمانوں اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض اور ضروری کام رجوع الی اللہ انابت، توبہ واستغفار اور دعا وابتہال (گریہ وزاری) ہے۔ قرآن مجید کی صریح آیت ہے۔

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ O

''اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''

ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ O

''بھلا کون بیقرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور (کون اس کی) تکلیف دور کرتا ہے اور (کون) تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے''

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ. (سورۂ تحریم : آیت ۸)

''اے ایمان والو! اللہ کے آگے سچی توبہ کرو عجب کیا کہ تمہارے پروردگار (اسی سے)

تمہارے گناہ تم سے دور کردے"

خود رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ ذرا بھی کوئی پریشانی کی بات پیش آتی تو فوراً نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے اور دعا میں مشغول ہوجاتے۔

حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حزبہ امر صلی .
(ابو دائود)

"رسول اللہ ﷺ کو جب پریشانی کی بات پیش آتی تو آپ نماز شروع کردیتے۔"

حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت ہے:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان لیلۃ ریح شدیدۃ کان مفزعۃ الی المسجد حتی تسکن الریح واذا حدث فی السماء حدث من خسوف شمس او قمر کان مفزعۃ الی الصلاۃ حتی ینجلی . (الطبرانی فی الکبیر)

رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب تیز ہوا والی رات ہوتی تو آپ کی پناہ گاہ مسجد ہوتی۔ آپ وہاں اس وقت تک تشریف رکھتے کہ ہوا ٹھہر جاتی۔ اگر آسمان میں سورج یا چاند کو گہن پڑتا تو نماز ہی کی طرف آپ کا رجوع ہوتا اور آپ اس وقت تک اس میں مشغول رہتے کہ گہن ختم ہوجاتا۔"

اس بنا پر اس وقت دعا و مناجات، تلاوت قرآن پاک، خاص طور پر ان آیات اور سورتوں کی تلاوت کا اہتمام کیا جانا چاہئے جن میں امن و امان اور فتح و نصرت کا مضمون آیا ہے مثلاً الم ترکیف...... لا یلف قریش ...... اور آیت کریمہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظّٰلمین O
(تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اور بے شک میں قصوروار ہوں)

(۲)...... دوسری شرط اور ضروری اور فوری قدم یہ ہے کہ معصیتوں سے توبہ کی جائے گناہوں سے اجتناب اور احتراز برتا جائے۔ حقوق کی ادائیگی ہو اس سلسلہ میں خلیفہ

راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) کے اس ایک فرمان کا حوالہ دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے جو انہوں نے اپنی افواج کے ایک قائد کو بھیجا۔

وہ تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ کے بندہ امیر المومنین عمر کا یہ ہدایت نامہ منصور ابن غالب کے نام جبکہ امیر المومنین نے ان کو اہل حرب سے اور ان اہل صلح سے جو مقابلہ میں آئیں جنگ کرنے کے لئے بھیجا ہے امیر المومنین نے ان کو حکم دیا ہے کہ ہر حال میں تقویٰ اختیار کریں۔ کیونکہ اللہ کا تقویٰ بہترین سامان، موثر ترین تدبیر اور حقیقی طاقت ہے۔ امیر المومنین ان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے دشمن سے زیادہ اللہ کی معصیت سے ڈریں۔ کیونکہ گناہ دشمن کی تدبیروں سے بھی زیادہ انسان کے لئے خطرناک ہے۔ ہم اپنے دشمن سے جنگ کرتے ہیں اور ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر غالب آجاتے ہیں۔ اگر ہم اور وہ دونوں معصیت میں برابر ہو جائیں تو وہ قوت اور تعداد میں ہم سے بڑھ کر ثابت ہوں گے۔ اپنے گناہوں سے زیادہ کسی کی دشمنی سے چوکنا نہ ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو اپنے گناہوں سے زیادہ کسی چیز کی فکر نہ کریں۔'' (۱)

(۳)...... غیر مسلموں کو اسلام سے متعارف کرانے کی کوشش کریں، اور ایسے کسی موقع کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں، ہمارے پاس سب سے بڑی طاقت وہ فطری، معقول، پرکشش اور دل و دماغ کو تسخیر کرنے والا دین قرآن مجید کا اعجازی صحیفہ اور نبی آخر الزمان کی دلکش اور دلآویز سیرت اور اسلام کی قابل فہم اور قابل عمل اور عقل سلیم کو متاثر کرنے والی تعلیمات ہیں جو اگر کھلے دماغ اور صاف ذہن سے پڑھی جائیں تو اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اور ان ہی نے دنیا کے وسیع ترین رقبہ اور متمدن و ذہین قوموں کو اپنا عاشق اور اپنے اوپر کاربند بنالیا۔ اور ملک کے ملک (جو اپنی صدہا سال کی تہذیبیں، فلسفے اور حکومتیں رکھتے تھے ان کے حلقہ بگوش اور ان کے داعی و مبلغ بن گئے۔

(۱) (سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن عبدالحکیم ترجمہ ماخوذ از دعوت وعزیمت حصہ اول ص ۴۵، ۴۶۔)

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک میں اس فرض کی ادائیگی میں اور اپنی اس ذمہ داری کے احساس وشعور میں بڑی کوتاہی کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں کی اکثریت اسلام کی ان روز مرہ کی خصوصیات، نشانیوں اور اذان ونماز (جو شہروں، دیہاتوں اور محلوں میں پنج وقتہ ہوتی ہے) کے بارے میں بعض اوقات ایسے سوالات کرتے ہیں کہ بجائے ان پر ہنسی آنے کے اپنی کوتاہی پر رونا آنا چاہئے۔

حضرات! وہ ان کے مفہوم ومطلب سے اتنے ناواقف ہیں جن کا قیاس میں آنا مشکل ہے۔ ان کے سلسلے میں ایسے تجربے کثرت سے سفر کرنے والوں اور غیر مسلموں سے میل جول رکھنے والوں کو دن رات پیش آتے ہیں۔(۱) اس مقصد کے لئے اردو انگریزی اور ہندی میں اسلام کے تعارف میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان سے کام لیا جاسکتا ہے۔(۲)

اور انسانی جان اور عزت وآبرو کے تحفظ اور انسان کے احترام اور اس سے محبت کی تبلیغ اور تلقین ضروری ہے جو اس ملک کی فضا کو مستقل طور پر معتدل اور پر سکون بلکہ پر راحت رکھنے کی ضامن ہے اور جس کے بغیر اس ملک کی (جس کے لئے مختلف مذاہب اور تہذیبوں کا مرکز۔ اور دیس ہونا مقدر ہو چکا ہے) ترقی اور نیک نامی الگ رہی امن وامان اور سکون واطمینان کے ساتھ باقی رہنا بھی مشکل ہے۔

یہ تحریک ''پیام انسانیت'' کے نام سے کئی سال پہلے شروع کی گئی اور ہندوستان کے تقریباً تمام مرکزی شہروں میں اس کے بڑے بڑے جلسے ہوئے۔ جن میں خاصی تعداد میں غیر مسلم دانشور، فضلاء، سیاسی کارکن اور رہنما بھی شریک ہوئے۔

---

(۱) راقم نے اپنی کتاب ''ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں'' اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس پر اظہار تعجب وشکوہ۔

(۲) مثال کے طور پر ''اسلام کیا ہے'' (از مولانا منظور نعمانی) ''ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں'' (از راقم) ''رحمت عالم'' اور ''رسالہ وحدت'' (از مولانا سید سلیمان ندوی) ''محسن عالم ﷺ'' (از راقم) ان سب کے ہندی، انگریزی ترجمے ہو چکے ہیں۔ ''رحمۃ للعالمین'' (از قاضی محمد سلیمان منصور پوری) <INTRODUCTION TO ISLAM> (از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآبادی مقیم پیرس) ان کے علاوہ دوسری مفید کتابیں اور رسائل۔

اس کے تعارف اور اس کی ضرورت کی تشریح اور اس کے پیام پر خاص لٹریچر اردو، ہندی اور انگریزی میں تیار ہو چکا ہے اور اہل شوق کو آسانی کے ساتھ دستیاب ہو سکتا ہے۔ (۱)

(۵) میرے بھائیو، دوستو! ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں (خاص طور پر جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وہاں خطرات اور آزمائشوں کا امکان ہے۔) صلح پسندی، صبر و تحمل بلکہ ایثار و فیاضی کے ساتھ عزم و ہمت، صبر و ثبات شجاعت و دلیری کی صفت، راہ خدا میں مصائب برداشت کرنے اور اس پر اللہ کے اجر و ثواب کی طمع اور جنت اور لقائے رب کا شوق اور شہادت فی سبیل اللہ کے فضائل کا استحضار بھی موجود و زندہ رہنا چاہئے۔

اس کے لئے ان کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات اور داعیان اسلام کے کارناموں کا مطالعہ اور ان کا سننا سنانا جاری رکھنا چاہئے۔ جنہوں نے راہ خدا میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور قربانیاں دیں اور اس کو افضل اعمال اور قرب خداوندی اور حصول جنت کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا۔

کچھ عرصہ پہلے پڑھے لکھے اور دیندار گھرانوں میں واقدی کی ''فتوح الشام'' کا منظوم اردو ترجمہ ''صمصام الاسلام'' (۲) گھروں اور مجلسوں میں پڑھا جاتا تھا اور اس کا بڑا اثر پڑتا تھا۔ اب بھی ''حکایات صحابہ'' (از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ) ''شاہنامۂ اسلام'' (از حفیظ جالندھری) اور راقم سطور کی کتاب ''جب ایمان کی بہار آئی'' سے یہ کام لیا جا سکتا ہے ان کے مسجدوں، گھروں اور مجلسوں میں پڑھنے کا رواج ڈالنا چاہئے۔

(۶)...... بڑی ضروری اور آخری بات یہ ہے کہ اس وقت ہر گھر کے ذمہ داروں، بچوں کے والدین اور موجودہ نسل کی لوگوں کو اپنے بچوں اور اپنی آئندہ نسل کو دین کی

---

(۱) دفتر ''پیام انسانیت'' پوسٹ بکس نمبر ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے یہ رسائل اور مضامین مل سکتے ہیں۔

(۲) یہ منشی سید عبدالرزاق صاحب کلامی کی تصنیف ہے۔ جو تیرہویں صدی ہجری کے عظیم مجاہد و مصلح حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ مرتبہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے چھپ کر شائع ہوئی۔ ضرورت ہے کہ پھر اسکی طباعت و اشاعت ہو اور وہ گھروں اور مجلسوں میں پڑھ کر سنائی جائے۔

ضروریات سے ، اسلامی عقائد ، دینی فرائض اور اسلامی اخلاق سے واقف کرانے اور بنیادی تعلیم دینے کی ذمہ داری خود قبول کرنا ہے اولاً ان پر لازم ہے کہ اس کو اپنا ایسا ہی انسانی واسلامی فرض سمجھیں جیسا بچوں کی خوراک وغذا ولباس و پوشاک صحت اور بیماری کے علاج کی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں اور اس کا انتظام کرتے ہیں بلکہ حقیقت میں دین کی ضرورت ، عقائد کی تعلیم اور صحیح اسلامی عقیدہ کی حفاظت اور تقویت کا کام ان جسمانی وطبعی ضروریات کی تکمیل اور ان کے انتظام سے بھی زیادہ ضروری ہے اور اس سے غفلت انسانی وجسمانی ضروریات کی تکمیل سے غفلت برتنے اور اس کے بارے میں سہل انکاری سے کام لینے سے زیادہ خطرناک اور برے دائمی نتائج کا سبب ہے۔

اس لئے کہ دینی تعلیم وتربیت اور صحیح اسلام عقائد کا معاملہ ایک لافانی وابدی زندگی (حیات بعد الموت) کے انجام اور اچھے برے نتائج سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِیْكُمْ نَارًا .(۱)

''اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے''

اور صحیح حدیث میں آتا ہے:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته

تم میں سے ہر ایک ، ایک حاکم اور زبردست اور زیر فرماں لوگوں کے ذمہ دار کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر ایک سے اس کی اپنی اس رعیت (زیر اثر لوگوں) کے بارے میں سوال کیا جائے گا اس لئے گھر گھر ، محلہ محلہ ، مسجد مسجد اور مکتب مکتب اور مدرسہ مدرسہ بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام ہونا چاہئے اور ہر عاقل وبالغ مسلمان اور عیال دار آدمی کو یہ ذمہ داری قبول کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں پر عمل کی توفیق بخشے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

---

(۱) سورۂ تحریم، آیت: ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک وملت دونوں خطرہ میں

ذیل کی تقریر حضرت مولانا کا وہ فکر انگیز خطبہ افتتاحیہ ہے جو اتحاد ملت کانفرنس بمبئی ہندوستان منعقدہ ۲۳، ۲۴ مئی کے موقع پر پڑھا گیا تھا!

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

میرے دوستو، بھائیو اور عزیزو! اس وقت ہمارا ملک اور ہماری ملت دونوں ایسے خطرات ومصائب اور ایک ایسی صورت حال سے دوچار ہیں، جو ملکوں اور ملتوں کی زندگی اور تاریخ میں بعض اوقات صد ہا برس کے بعد اور بعض اوقات اس سے بھی زائد عرصہ کے بعد پیش آتی ہے اگر اس کی جلد خبر نہ لی گئی، تو پہلے یہ ملت اپنے تشخص اپنی مذہبی آزادی، اپنی ثقافت وتہذیب اور اپنے عزیز سرمایہ (معابد ومدارس) علمی ذخیرہ اور زبان وادب) سے محروم ہوگی، پھر یہ وسیع اور شاندار ملک مکمل طریقہ پر تباہ ہوکر رہ جائے گا، بغض وعناد، بدگمانی اور بے اعتمادی کی فضا، انسانی جان اور عزت وآبرو کی بے وقعتی مردم آزادی وآدم بیزاری، عقل پر جذبات کی حکمرانی دور اندیشی پر کوتاہ اندیشی کا غلبہ، ملکی مفاد پر ذاتی اغراض کی ترجیح، جذبات کے پیچھے بہہ جانے، اور کھوکھلے نعروں کے پیچھے دیوانہ بن جانے کی عادت، ایک ایسا زہر ہے جو بڑی سے بڑی قوم اور ملک کی ہستی کا خاتمہ کر دیتا ہے، اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، فرقہ وارانہ فسادات، تنگ نظری، مفاد پرستی، حد سے بڑھا ہوا احساس برتری، جذبات سے مغلوب ہو جانے، روئی کی طرح جلد آگ پکڑ لینے اور بارود کی طرح، بھک سے اڑ جانے کی صلاحیت کسی ایک میدان میں محدود اور کسی ایک فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں رہ سکتی، نفرت واقتدار کی بڑھی ہوئی ہوس کی آگ کو اگر

جلانے کے لئے ایندھن نہ ملے تو وہ خود کھانے لگتی ہے، دور جاہلیت کے ایک حقیقت پسند عرب شاعر نے عرصہ ہوا کہا تھا

والنار تاکل نفسہ
ان لم تجد ما تاکل

(آگ اپنے کو کھانے لگتی ہے اگر اس کو کچھ اور کھانے کو نہ ملے)

ملک کی سیاسی جماعتیں ہر مسئلہ کو سیاسی نقطہ نظر سے دیکھنے، جماعتی نفع ونقصان اور انتخابات میں ہار جیت کے پیمانے سے ناپنے کی عادی اور پابند ہو چکی ہیں، وہ تخریب میں اپنی تعمیر، تفریق میں اپنا اتحاد اور دوسروں کے نقصان ومصیبت میں اپنا فائدہ اور اپنی ترقی سمجھتی ہیں، جس ملک میں انسانی جان اتنی ارزاں ہو کہ موہوم سیاسی مقاصد، محدود ذاتی اغراض، اور عارضی اور مشکوک اقتدار کی خاطر سینکڑوں ہزاروں ہم وطنوں کی جان لی جاسکتی ہو، جہاں ایک نعرہ، ایک تقریر اور ایک اشتہار پر دیکھتے دیکھتے بیسیوں گھر بے چراغ اور سینکڑوں بچے اور عورتیں لاوارث کی جاسکتی ہوں، تنگ نظر اور مفاد پرست فرقہ وارانہ قیادت، احیاء پرستی کے جذبہ، غلط تاریخ اور غلط تعلیم تربیت، غیر دیانت دار اور وطن دشمن صحافت (پریس) روزانہ نفرت وعداوت کے زہر کی ایک بڑی مقدار اس ملک کے علاقوں، کروڑوں باشندوں کے دل ودماغ میں اتارتی رہتی ہے، اس نے تصویر کا صرف ایک ہی رخ پیش کرنے کی قسم کھائی ہے، اس نے ہماری نئی نسل کے دماغوں کو اتنا مسموم کر دیا ہے اور اس کو اتنا بے برداشت، غضبناک اور زود رنج بنا دیا ہے اور اس میں مشتعل ہو جانے کی ایسی صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ سارا ملک بارود کی ایک سرنگ کی طرح ہو گیا ہے جس کو ایک ذرا سے اشارے سے ہر وقت اڑایا جاسکتا ہے۔

میرے دوستو! اسی سلسلہ کی چند ہندو احیائیت HINDU REIRIVALISAM کی تحریک ہے، سینکڑوں اور ہزاروں برس کی سوئی ہوئی بلکہ مری ہوئی تاریخ کو، دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا، جو تبدیلیاں صدیوں پہلے (اچھی یا بری) ہوئیں اور ان کو اس ملک کے حقیقت پسند، فراخ دل، اور غیرت مند شہریوں نے صدیوں گوارہ کیا، ان کے سفر کو پہلے

قدم سے شروع کرنا اوران کی تلافی کی کوشش اس ملک کو نئے مسائل ومشکلات سے دوچار کرے گی، جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت، اوراسی طرح حکومت انتظامیہ اور دانشور طبقہ کی توانائی بے محل صرف ہوگی۔جس کی ملک کو اپنے تعمیری کاموں بسالمیت اوراستحکام میں ضرورت ہے، تاریخ ایک سویا ہوا شیر ہے، اس کو جگانا نہیں چاہئے اس کی پاس سے خاموشی سے نکل جانا چاہئے، تاریخ کوالٹا سفر کرانا اور ماضی کے گڑے ہوئے مردوں کو اکھاڑنے کی کوشش کرنا (عبادت گاہوں کی تبدیلی وغیرہ) کوئی عاقلانہ فعل نہیں ہے اوراس وقت ملک کو جن حقائق اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس میں اس کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے، اس سے ملک نئی نئی مشکلات اور غیر ضروری نزاعات میں پڑ جائے گا اور وہ ترقی پذیر زمانے کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔

انگریزوں نے (چونکہ وہ سات سمندر پار آکر اس ملک پر حکومت کررہے تھے جن کا ان کو کوئی استحقاق نہ تھا، اور وہ اپنی حکومت کو صرف خوف ورعب کے ذریعے ہی قائم رکھ سکتے ہیں، پولیس کی شکل میں ایک ایجنسی قائم کی جو لوگوں پر حکومت کا خوف ورعب قائم کرسکے اور وہ ہمیشہ اس سے لرزہ براندام رہیں اوراپنی عزت وعافیت کے خیر منائیں، انہوں نے نہ صرف اس میں کام کرنے والوں کی اخلاقی تربیت سے اعتراض کیا، بلکہ اس کواس کے برعکس ایسی تعلیم دی۔ اوراس کواس کی کامیابی کا معیار قرار دیا، جس سے ہر شریف آدمی اور باعزت انسان ڈرتا ہے۔

پولیس والوں کی تربیت

حضرات! جب خود ہندوستانی اوراہل ملک، ملک کی حکومت اور انتظامیہ پر فائز ہیں تو ان کو پولیس کی انسانی واخلاقی تربیت کرنی چاہئے۔ان میں خدمت واعانت اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے اور پولیس کو ایک ایسے شریفانہ ادارہ اور ہمدرد انسان اوراپنے ہم وطنوں کے خادم کی شکل میں تبدیل کردینے کی کوشش کرنا چاہئے کہ لوگوں کا ان کے بارے میں تصور وتاثر بدلے اور وہ ان کے بارے میں محافظ ومعاون سمجھیں، ان کے دائرہ اثر میں کوئی فرقہ کسی فرقہ کے ساتھ کوئی فرد کسی فرد کے ساتھ زیادتی نہ کرسکے، اور وہ فرقہ وارانہ فسادات اور ظلم وتعدی کے راستے میں (خواہ وہ کسی فریق کی طرف سے ہو) سد

سکندری بن جائیں۔

آخر میں لیکن پوری وضاحت وصراحت اور اہمیت وتاکید کے ساتھ یہ حقیقت پسندانہ اور خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت اور کسی ایسے اقدام اور تعاون سازی سے مطلقا پرہیز واحتیاط کی جائے۔ جس کو مسلمان اپنے دین میں مداخلت اور دستور ہند کی دی ہوئی آزادی کی تنسیخ کا مرادف سمجھیں دنیا کے بہت سے ان ملکوں سے جہاں مسلمانوں کی اکثریت پائی جاتی ہے، یہاں مختلف اسباب کی بناء پر (جن سے بحث کرنا بے سود اور واقعات کی منطق کے خلاف ہے) زیادہ مذہبیت اور دینی ،احساس واہمیت پائی جاتی ہے اس لئے یہاں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے اور ملک کی اس عظیم ترین اقلیت کی (جس کو ملت کہنا زیادہ صحیح ہوگا) مذہبی آزادی میں (جو جارحانہ OF ENSIVE اور امن عامہ کے خلاف نہیں) اس کے پرسنل لا میں جو اس کے مذہب کا جز ہے، اس کی مذہبی تعلیم اور اس کے مرکزوں اور اداروں میں جو ملک کے لئے مضر ہونے کے بجائے تعلیم وتہذیب پھیلانے اور دوسرے ملکوں میں اس ملک کا نام بلند کرنے کا ذریعہ ہیں۔ کسی نام یا کسی انتظامی قانون کی بناء پر مداخلت کرنا اس اقلیت کے دل ودماغ میں (جو بعض ملکوں کی پوری پوری آبادی سے زیادہ تعداد میں ہے) بے اطمینانی و بے چینی پیدا کرنے کا باعث ہوگا اور ملک کی تعمیر وترقی اور اس کے حصول کے لئے مخلصانہ جدوجہد اور تعاون پر اثر انداز ہوگا۔

اس ملک کا اخلاقی انحطاط اپنے آخری نقطہ کو پہنچ گیا ہے، دولت پیدا کرنے کے جذبے نے اور تھوڑے سے تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ کما لینے کے شوق نے جنون کی شکل اور سرسام HYSTERIA کی کیفیت اختیار کر لی ہے اور سب پر دولت کمانے اور زیادہ سے زیادہ منفعت حاصل کرنے کا بھوت سوار ہوگیا ہے، یہ جذبہ ملک کے ہر مفاد اور ہر ملکی وسیاسی مصلحت سے بے پرواہ اور بے نیاز ہے، وہ مذہب واخلاقیات، شرافت و معقولیت، شہریت اور آئین سب کے حدود پھلانگ گیا ہے، ہر محکمہ میں سخت بدنظمی، ہر شعبہ میں سخت ابتری، ہر موڑ پر لاقانونیت کا دور دورہ اور رشوت ستانی کی گرم بازاری ہے،

انتہا یہ ہے کہ لوگ عاجز آ کر انگریزوں کے دور کی باقاعدگی اور زندگی کی سہولتوں کو یاد کرنے لگے ہیں اور بعض اوقات اس دور غلامی کو اس دور آزادی پر ترجیح دینے لگتے ہیں یہ کسی ملک کے لئے ننگ وعار کا آخری درجہ اور صاحب اقتدار جماعت کی ناکامی اور نااہلی کی آخری دلیل ہے، کہ لوگ بدیسی حکمرانوں اور ملک کی عزت کو خاک میں ملانے والوں کو یاد کرنے لگیں۔

ملک ومعاشرہ کی موجودہ صورت حال کی (دل پر ہاتھ رکھ کر) یہ تاریک لیکن مطابق واقعہ تصویر سامنے لانے کے بعد (جو اس موقر مجلس کے لئے اگرچہ ضروری نہ تھی لیکن افادیت سے خالی بھی نہ تھی، تاکہ اس ملت کو جس کی اپنے پیغام کار منصبی اور اپنے تشخص وخصوصیات کے تحفظ کے سوا، اپنے معاشرہ اور ماحول اور اپنے مسکن ووطن کی خدمت وحفاظت [illegible] دے جس میں صلاحیتوں کو صرف کرنے اور اپنی حب الوطنی انسان دوستی اور شرافت کا ثبوت دینے کا موقعہ ہو۔

پھر یہ امت ہے جس کے متعلق (قرآن وحدیث کی روشنی میں) کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ ......ع

ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کائنات

اور اس احتساب کے ماسوا، دنیا کی تعمیر نو کی بھی ہر زمانہ میں اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لئے اسی شاعر کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ ......ع

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

آنحضرت ﷺ نے معاشرہ کے افراد کو ایک کشتی کے سواروں سے تشبیہ دی ہے، جس میں پست حال مکینوں اور مرفہ الحال بالانشینوں کی کوئی تفریق نہیں، اگر اس کشتی میں کسی مسافر کی ناعاقبت اندیشی سوراخ کردے اور پانی آنے لگے، تو پھر اس کشتی کا کوئی مسافر بچ نہیں سکتا، اور وہ کشتی ڈوبے گی تو سب ڈوبیں گے، ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں، لیکن اس سوراخ کا بند کرنا ہماری حب الوطنی اور حقیقت پسندی کا بھی تقاضہ ہے اور ہمارے اس منصب احتساب اور فلاح انسانیت کے فکر کا بھی جو ہمارے مذہب نے ہم پر

عائد کی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ، شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ.

''اے ایمان والو! کھڑے ہوجایا کرو اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو انصاف کی۔''

اللہ تعالیٰ نے اس قلیل التعداد و مختصر جماعت مہاجرین کو جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئی تھی، اور چند سو سے زیادہ اس کی تعداد نہیں تھی، قعر مذلت وضلالت میں گرتی ہوئی دنیا اور جاں بلب انسانیت کی چارہ سازی اور سچائی پر مامور فرمایا اور دعوت وہدایت کا کام کرنے اور اصلاح واستقامت کا نمونہ بننے اور اتحاد وتعاون کی تاکید فرمائی اور ان لفظوں سے اس کو خطاب کیا، جو تاریخ انسانی بالخصوص ساتویں صدی مسیحی کی تاریخ پڑھنے والے کو عالم حیرت میں پہنچا دیتے ہیں۔

اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ.

اگر تم اس پر عمل نہ کروگے تو دنیا میں بڑا فتنہ برپا ہوگا اور بڑا فساد پھیلے گا۔

اس شاخ پر تبصرہ کرنے کی بعد جس پر تقدیر وحکمت الٰہی سے اس ملت کا نشیمن واقع ہے، اوران خطرات کی نشاندہی کے بعد جو واقعہ اور حقائق کی شکل میں اس کو درپیش ہیں، ہم اس نشیمن کو درپیش خطرات کے بارے میں بھی کچھ عرض کریں گے جو قیاسات نہیں، مشاہدات وتجربات کی شکل میں دیکھنے والوں کے سامنے ہے۔

(۱) اس ملت کے لئے واسطہ جس کے لئے خدائی تعلیم اور ایک مقبول ومتعین دین پر صرف جینا اور مرنا ضروری بلکہ اپنی اولاد ونسل کے بارے میں بھی یہ انتظام اور اطمینان ضروری ہے کہ وہ بھی اسی خدائی تعلیم اور مقبول ومتعین دین پر زندگی گذارے گی اور سفر آخرت اختیار کرے گی، اس لئے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ.

اور نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ (آل عمران)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا. (التحریم)

اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔

ایسی ملت کی ذمہ داری اس ملک میں بہت بڑھ جاتی ہے جہاں لازمی طور پر کوئی ایسا نظام اور نصاب تعلیم جاری ہو، جو اسلام کے بالمقابل عقائد کی تعلیم دیتا ہو، اور جس کے مضامین اور مندرجات توحید ورسالت کے بنیادی اسلامی عقائد کے منافی اور شرک وثنیت کے اعلانیہ داعی اور مبلغ ہوں جہاں مسلمان بچے بھی کسی دوسری مذہبی قوم کی دیو مالا، MYTHOLOGY پڑھنے پر مجبور ہوں، جس کا یقین کرنے سے کوئی مسلمان (تاویل اور تکلیف کے ساتھ بھی) مسلمان نہیں رہ سکتا، جہاں نصاب تعلیم، طرز تعلیم، رسوم ومظاہرات، لٹریچر، پریس، ذرائع ابلاغ، (ریڈیو اور ٹی وی) کے ذریعے نہ صرف ذہنی اور ثقافتی نسل کشی کی کوشش کی جارہی ہے بلکہ مذہبی واعتقادی نسل کشی کی بھی، اس لئے مسلمانوں کو اپنی آئندہ نسل اور اولاد کو اعتقادی، ایمانی اور ذہنی طور پر مسلمان رہنے کا انتظام کرنا ہوگا، اور ان کی بنیادی دینی تعلیم کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی اور اس کے لئے ان کی صحت اور ضرورت کے وقت علاج، لباس اور عام تعلیم سے زیادہ اس کی فکر اور اہتمام کرنا ہوگا، اور خدا کے ایک برگزیدہ پیغمبر اور پیغمبر زادہ حضرت یعقوبؑ کی طرح ان کو اپنی اولاد کے بارے میں وہی اطمینان حاصل کرنا ہوگا جو خدا کے اس پیغمبر نے اپنے فرزندوں کے بارے میں (جو تین تین پیغمبروں کی اولاد تھی) یہ کہہ کر حاصل کیا تھا کہ

"مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِی" (تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟) اور انہوں نے جواب دیا تھا کہ "نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ آبَائِكَ اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمَاعِيلَ وَاِسْحَاقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ."

(ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسماعیل واسحاقؑ کے معبودوں کی عبادت کریں گے، جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔) (الانعام)

اس کے لئے ہندوستان کی ملت اسلامی کو اپنی اولاد اور اپنی نئی نسل کی بنیادی دینی تعلیم کی ذمہ داری، غذا اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے برابر بلکہ (نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے) ان سے زیادہ ہی قبول کرنی ہوگی، اس کے لئے آزاد مکاتب اور مدارس کا قیام، گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے، خواتین ومستورات (ماؤں اور بہنوں اور

بزرگ بیبیوں اور مربیات) کے ذریعہ بنیادی عقائد سے واقف اور پیغمبروں اور خصوصیت کے ساتھ خاتم الرسل اور سید المرسلین ﷺ کی شخصیت اور سیرت سے نہ صرف آشنا اور متعارف بلکہ گرویدہ اور معتقد بنانے کی کوشش کرنے اور ایمان و توحید کی محبت اور کفر و شرک سے وحشت اور دہشت کو گھٹی میں اتار دینے کی بھی ضرورت ہوگی۔

میرے دوستو اور بھائیو! دوسری طرف ان کی اردو کی تعلیم کا بھی انتظام کرنا ہوگا اور اس میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہوگی جس میں وہ دینی، علمی و ثقافتی سرمایہ اور ذخیرہ ہے جو عربی زبان کے بعد کسی مسلمان ملک کی زبان میں نہیں ہے (اور بعض حیثیتوں سے وہ بعض شعبوں میں اس سے بھی فائق ہے) اس زبان سے مسلمان نسل کا یکسر ناآشنا ہو جانا اور اس میں لکھنے پڑھنے ہی نہیں اس کے سمجھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو جانا ایک ذہنی و لسانی نسل کشی کے مترادف ہے، جو اس کو اپنے ماضی سے، اپنے تمدن اور تہذیب سے یکسر ناآشنا بنا دے گا، اسی سلسلہ میں رسم الخط کا مسئلہ بھی آتا ہے، اس کی تبدیلی بھی کسی قوم کے اپنے قدیمی علمی و تہذیبی سرمایہ اور اپنے اسلاف کی محنتوں اور، اپنے ماضی سے رشتہ کاٹ لینے کی مرادف ہے، اور جیسا کہ فلسفی مورخ، OYANBEE نے لکھا ہے کہ:

"کتب خانۂ اسکندریہ کے مسلمان عرب فاتحین کے نذر آتش کر دینے کی روایات صحیح ہو یا غلط، اب ایسے کسی ذخیرہ کو نذر آتش کرنے اور برباد کر دینے کی قطعاً ضرورت نہیں رسم الخط SCRIPT بدل دینا کافی ہے۔"

اس لئے اردو رسم الخط کے قائم اور باقی رہنے پر اصرار و استحکام، اس کے باقی رکھنے کی جد و جہد کی بھی ضرورت ہے، اور اس کی تعلیم کے بندوبست اور اس کے مراکز قائم کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ کا جزو ہے کہ ان کا عائلی قانون FAMILY LAW اسی خدا کا بنا ہوا ہے جس نے قرآن اتارا اور عقائد و عبادات کا قانون عطا کیا، سارا قرآن مجید تصریحات سے بھرا ہوا ہے مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لانے پر مجبور ہیں، اور اس کے بغیر

وہ مسلمان نہیں رہ سکتے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائے علیم خبیر کا بنایا ہوا ہے، جو انسان کا بھی خالق ہے اور اس کائنات کا بھی، اس کی فطری ضرورتوں اور کمزوریوں، دونوں سے واقف ہے، وہ فرماتا ہے:

الا یعلم من خلق O وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ.

کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بین اور (پورا) باخبر ہے۔

اسی طرح وہ زمانہ کا بھی خالق ہے ہمارے لحاظ سے ماضی، حال و مستقبل کی تقسیم کتنی ہی صحیح اور ضروری ہو، اس کے لحاظ سے سب ماضی ہی ماضی ہے، اس لئے ایک بار یہ مان لینے کے بعد کہ وہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے، جو ایک زندہ جاوید امت اور ایک عالمگیری اور دائمی شریعت کے لئے بنایا گیا ہے، تو ترمیم اور تبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ ایک کھلے منطقی تضاد (اور جہاں تک مسلمان کہلانے والے اشخاص کا تعلق ہے) ایک اعتقادی و عملی نفاق کے سوا کچھ نہیں۔

پھر معاملہ صرف ایمان بالغیب اور مذہبی عقیدت اور عصبیت کا نہیں، اس قانون کے مکمل، متوازن، اور عادل ہونے اور زمان و مکان کی تبدیلی پر حاوی ہونے کی عقلی و علمی شواہد اور مسلم و غیر مسلم مشرقی و مغربی فضلاء، اور جری و انصاف پسند مقننین کے واضح اعترافات اور علمی تجربے اتنے ہیں کہ کوئی ''شپرہ چشم'' ہی ان سے انکار کر سکتا ہے، اس موضوع پر متعدد نامور فضلاء نے قلم اٹھایا ہے، اور بڑا قیمتی مواد جمع کر دیا ہے۔

ہندوستان میں جب یہ مسئلہ اٹھا اور دیکھنے والوں کو یہ نظر آیا کہ افق پر خطرہ کی علامتیں نمایاں ہوگئی ہیں، اور یہ بادل جو ابھی کسی وقت گرجتا ہے کسی وقت ضرور برسے گا، تو انہوں نے ''مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کے نام سے، دسمبر ۱۹۷۲ء میں اسی بمبئی میں ایک متحدہ پلیٹ فارم بنایا، جس سے وقتاً فوقتاً قانون سازی کی نوعیت اور اس کے رخ کا جائزہ لیا جاتا رہا، تا کہ اچانک ان پر یہ، یا کوئی دوسرا مسئلہ ''شبخون'' نہ مارنے پائے، یہ ایک ایسا نمائندہ بورڈ تھا جس کی مثال اپنی وسعت اور عمومیت اور مختلف مکاتب خیال کی نمائندگی

کے لحاظ سے تحریک خلافت کی بعد نہیں ملتی، ۱۹۴۷ء کے بعد اتنے بڑے اجتماعات دیکھنے میں نہیں آئے، اس بورڈ کی تشکیل اور اس کے ان، شاندار اور بے نظیر جلسوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ حکومت اور مسلم پرسنل لاء میں اصلاح و ترمیم کی آواز بلند کرنے والے حضرات کو ہوا کا رخ معلوم ہو گیا، اور اتنا ثابت ہو گیا کہ مسلمان اس مسئلہ پر صد فی صد متفق ہیں، اس لئے دانش مندی حقیقت پسندی، اور انتخابی سیاست کا بھی تقاضہ ہے کہ اس مسئلہ کو اٹھانے میں احتیاط کی جائے لیکن ذہنیتوں اور نیتوں کا مطالعہ فرقہ وارانہ اور سیاسی جماعتوں کا مشاہدہ اور مجالس آئین ساز کا تجربہ بتاتا ہے کہ اس کے بارے، میں کلی اور دائمی طور پر مطمئن ہونے کا جواز نہیں، ایسے مسائل کے بارے میں ہمیشہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے ع

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

آخر میں اصلاح معاشرہ کا نمبر آتا ہے، ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے گھر اور خاندانوں کے ماحول میں اللہ تعالیٰ کی بتائے ہوئے اور اللہ کے رسول کے برتے اور سکھائے ہوئے عائلی قانون (رشتہ داروں کے حقوق و فرائض، تقسیم میراث، نکاح وطلاق، اور شادی بیاہ کی طریقوں) کے بارے میں سخت خودرائی، انحراف، رسم ورواج کی پابندی اور ہمسایہ قوم کی پیروی ونقالی سے کام لیا ہے، شادی میں حد درجہ کا اسراف وفضول خرچی، نمود ونمائش، حدود شرعیہ سے تجاوز اور آخر میں لڑکی والوں سے بڑے چڑھے جہیز کا مطالبہ رواج پاچکا ہے (جس کو کہیں تک، اور کہیں "گھوڑا جوڑا" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے) یہ رسم ورواج غیر اسلامی اور غیر شرعی ہی نہیں بلکہ "جاہلیت حاضرہ" کی پیروی، غیر مسلموں کی اندھی تقلید اور دولت پرستی اور پیسہ کی حد سے بڑھی، ہوئی لالچ کا وہ مظاہرہ ہے جو نہ صرف بے برکتی کا باعث بلکہ بہت جگہ قابل نکاح لڑکیوں کے بیٹھے رہنے اور ان کے والدین اور سرپرستوں کی اس پریشانی کا سبب جو بعض اوقات اور بعض مقامات پر خودکشی کر لینے اور زہر کھا لینے تک پہنچا دیتا ہے۔

اس صورت حال کے خلاف ایک مؤثر ملک گیر اصلاح معاشرہ کی مہم چلانے کی

ضرورت ہے جو مساجد سے شروع ہو کر انجمنوں، شہروں، قصبات اور محلہ محلہ پھیلے، اور وہ مسلمانوں کی زندگی اور معاشرہ، اقدار و معیار، عزت و شرافت، اور احساس وشعور میں انقلاب برپا کردے، اور وہ ان رسوم جاہلیت، تقابل اور تفاخر کے غیر اسلامی طریقوں اور مظاہروں سے توبہ کرکے دین حنیف اور صحیح اسلامی ونبوی منہج حیات کو اختیار کریں۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

ملت کے بارہ میں ہم اس محدود اور قیمتی وقت میں انہیں چند نکات اور پہلوؤں پر اکتفا کرتے ہیں، اور حاضرین با تمکین سے جو نہ صرف صاحب فکر و مطالعہ ہیں۔ بلکہ اصلاحی و اجتماعی، دعوتی وفکری، میدانوں سے تعلق رکھتے ہیں، یہ کہہ کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

لیکن پھر ایک بار دل پر ہاتھ رکھ کر اور جگر تھام کر کہنا پڑتا ہے، کہ ملک کو تباہی سے بچانے اور اس کے معاصر دنیا اور تاریخ میں وہ مقام حاصل کرنے کے لئے جو اس کی وسعت، کثرت آبادی، وسائل و ذخائر، شاندار تاریخ اور ایک ایسی ملت اور دین کی موجودگی میں شایان شان ہے، جس کی بناء پر اس کو خیر امت اور جس کے دین کو نعمت خداوندی اور آخری پیغام آسمانی کہا گیا ہے کہ۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا. (المائدۃ)

آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا دین، اور پورا کیا تم پر میں نے اپنا احسان اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

اگر یہ ملت ملک کو بچانے کی جدو جہد کرنا تو الگ رہا، اپنے مسائل کو بھی مؤثر طریقہ پر پیش کرنے ملک کی اکثریت اور صاحب اقتدار جماعت کو ان حقائق سے آشنا، اور ان ضروریات اور کاموں کی تکمیل کے لئے آمادہ کرنے سے بھی قاصر رہی، اور اس سے بھی بڑھ چڑھ کر وہ ابلاغ عامہ کے ذرائع اور پریس تک بھی اپنی ضروریات، احساسات، اور

جذبات کو نہیں پہنچا سکی، جو ایک شہری، اور اس سے زیادہ اتنی بڑی اقلیت، کا حق ہے جو ملک کے پورے سیاسی، انتظامی، فکری و اخلاقی، ڈھانچہ کو (اگر اس میں اتحاد، عزم اور علم و سلیقہ ہو) متاثر کرسکتی، اور اس کو بنا اور بگاڑ سکتی ہے، تو اس کو کسی معنی و مفہوم میں آزاد اور ایک جمہوری و نانذہبی (سیکولر) ملک کی باعزت اکائی نہیں کہا جاسکتا۔اس کی بڑی وجہ ایک ایسے متحدہ پلیٹ فارم، وفاق مجلس، اور پوری ملت کی نمائندہ قیادت کا فقدان ہے، جس کی آواز ملت کی آواز سمجھی جائے، اور جس کو پوری ملت کا اعتماد اور تعاون حاصل ہے اور جو گروہی عصبیتوں، فرقہ وارانہ اختلافات یا طرز فکر، کسی مکتب خیال، ادارہ، مدرسہ، فقہی مسلک، خاندان، سلسلہ یا شخصیت کی مقبولیت و نامقبولیت، نیک نامی و بدنامی، کامیابی و ناکامی، تعریف و تنقید کے امکانات و مواقع سے بے نیاز و بالاتر ہو کر دھڑکتے ہوئے دل کی آواز، حقائق کی تصویر کشی، بیماری اور تکلیف کی اصل جگہ پر انگلی رکھ دینے اور ایسے اظہار حقیقت کا فرض انجام دے جس میں نہ کسی گروہ و انجمن اور مکتب خیال کی رورعایت ہو، نہ کسی تنظیم اور انجمن کی پاسداری، اور دور کا یہ خیال بھی کہ اس کا فائدہ فلاں قیادت یا فلاں مرکز کو پہنچے گا اور اس کو ملت میں دوسری قیادتوں اور مرکزوں پر تفوق اور، بالاتری حاصل ہوگی، اس کے پیش نظر صرف یہ ہو کہ ملک و ملت کے یہ مسائل، ضروریات اور وقت کے حقائق اور صداقتیں ایک متحدہ پلیٹ فارم سے ایک متحدہ آواز میں صاحب اقتدار جماعت، حکومت اور محب وطن حقیقت پسند اور صاحب ضمیر تنظیموں اور افراد اور پریس و ذرائع ابلاغ تک پہنچ جائے اور اس سے تغافل برتنا ہی نہیں بلکہ صرف نظر انداز بھی صاحب اقتدار و اختیار جماعت کے لئے اگر ناممکن نہیں تو دشوار ہو جائے یقین مانئے کہ اگر ملت کا ایسا متحدہ پلیٹ فارم اور ایسی اجتماعی مواحد قیادت (جس کیلئے ضروری نہیں کہ وہ شخص واحد کی شکل میں ہو، وہ مختلف جماعتوں، گروہوں، تنظیموں، اور پلیٹ فارموں کے نمائندوں کا مجموعہ بھی ہوسکتی ہے) وجود میں آجائے اور یہ بات ہر حال میں ملک کی حقیقت پسند اور باخبر آبادی، صاحب اقتدار جماعت اور ذرائع ابلاغ پر اچھی طرح واضح ہو کہ یہ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کے منتخب نمائندے، معتمد و محترم قائد ہیں اور یہ ایک ملی

وفاق ہے کہ پوری ملت کا ترجمان اور وکیل ہے، اس کی آواز ملت ہی نہیں ملک کی آواز ہے، اور یہ اس کا ضمیر اور اسکی زبان ہے، آپ یقین فرمائیں کہ اس کے بعد اس کی طرف سے ملک وملت کی جو ترجمانی اور دونوں کے درپیش مسائل کی جو وکالت اور اس کی نمائندگی اور ترجمانی ہوگی، وہ ایک آزاد جمہوری ملک میں (جہاں کسی قابل لحاظ تعداد اور موثر عنصر اور آبادی کے کسی معتد بہ حصہ کے مطالبے، شکایت اور حقیقی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا) وہ ضائع نہیں جائے گی، اپنا اثر کرے گی اور ملک کو تباہی اور ملت کو دینی، تہذیبی، لسانی اور ثقافتی نسل کشی سے بچائے گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موت کے بعد زندگی

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد

قال اللہ تعالیٰ منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اُخرىٰ صدق اللہ العظیم۔

محترم حضرات! اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علم کے بعد دوسرا بڑا علم جو انبیاء دنیا کو عطا کرتے ہیں اور جو ان کے بغیر کسی اور ماخذ سے قطعاً حاصل نہیں ہوسکتا، وہ یہ علم ہے کہ انسان مر کر دوبارہ زندہ ہوگا اور یہ عالم ٹوٹ پھوٹ کر دوبارہ بنے گا۔ اس دوسری زندگی میں انسان کو اپنی پہلی زندگی کا حساب و کتاب دینا ہوگا۔ اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ کیا ہے وہ اس کے سامنے آئے گا،

انسان کے پاس اس علم کے حصول کے لئے انبیاء کے سوا کوئی ذریعہ نہیں، انسان کے پاس علم کے اخذ کرنے کی جو طاقتیں ہیں، ان سے نہ یہ علم ابتداءً حاصل کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی تردید کی جاسکتی ہے۔ حواس، عقل، تجربہ اور ان کے علاوہ انسان کی مخفی طاقتیں (حواس باطنی) اور اشراق و روحانیت میں سے کوئی قوت اور ماخذ ایسا نہیں ہے جس سے اس عالم کی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کے وجود اور اس کی تفصیلات کو ثابت کیا جاسکے اور نہ کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ اس زندگی میں عالم آخرت کا مشاہدہ کیا جاسکے، یہ معلومات سب غیب سے تعلق رکھتی ہیں اور غیب کا ادراک انسان خود نہیں کرسکتا، اس کے علوم اور اس کی عقل اس کے حاصل کرنے میں انسان کی کوئی مدد نہیں کرسکتی، ان علوم اور عقل کے ذریعہ نہ اس کو ثابت کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کی تردید کی جاسکتی ہے۔

انسان کے لئے دو ہی باتیں باقی رہ جاتی ہیں یا انبیاء پر اعتماد کر کے اور ان کے دعویٰ کی صداقت کے شواہد و قرائن کو دیکھ کر ان کے بیان کی تصدیق یا بغیر کسی علمی ثبوت اور دلیل کے اس کا انکار۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے

''آپ کہہ دیجئے کہ جو مخلوقات بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں ان میں سے کسی کو بھی غیب کا علم نہیں سوا اللہ کے (اور اسی لئے) انہیں معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے بلکہ آخرت کے بارے میں ان کی سمجھ بالکل عاجز ہوگئی ہے بلکہ وہ اس کے بارے میں دھوکے میں ہیں بلکہ وہ اس سے بالکل اندھے ہیں۔'' (النمل ع ۵)

لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے اس پیش آنے والی حقیقت کے شواہد (آیات) اور اس کے وجود کے امکانات اس دنیا میں اور اس زندگی میں ملتے ہیں جن سے انسان یہ قیاس کر سکتا ہے کہ یہ واقعہ ہر طرح ممکن ہے اور اس میں کوئی عقلی اشکال نہیں ہے۔

اس کا ایک بڑا قرینہ اور اس کا ایک شاہد خود انسان کی پیدائش اور اس کی زندگی ہے۔ اس نے عدم سے وجود تک، پھر وجود کے بعد تکمیل وجود تک کتنے منازل طے کئے ہیں۔ اسنے مٹی سے نطفے، نطفے سے جمے ہوئے خون کی یا جونک کی شکل اختیار کی، پھر ایک مشکل یا غیر مشکل گوشت کا ٹکڑا بنا، پھر ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا، پھر اس کو گوشت کا جامہ پہنایا گیا، پھر وہ ایک دوسری مخلوق بن کر نمودار ہوا پر اس پیٹ کی اندھیری کوٹھڑی سے نکلنے کے بعد وہ کچھ مدت تک طفولیت کے گہوارہ میں رہا، پھر جوانی کے سیر سبز میدان میں قدم رکھا، پھر یا تو اس کا دوسرا قدم موت کی چوکھٹ پر پڑا، یا اس کو اتنی مہلت ملی کہ زندگی کی اس بہار کو دیکھ کر اس نے بڑھاپے کی فصل خزاں بھی دیکھی اور زندگی کا الٹا سفر شروع کیا، یعنی جوانی کے بعد بڑھاپے میں پھر اس پر بچپنے کی کیفیتیں طاری ہونے لگیں، اس کی قوتوں نے ایک ایک کر کے جواب دیا، ذہن اور حافظہ نے ساتھ چھوڑا، وہ بچے کی طرح بے بس، دوسروں کی دستگیری اور خبر گیری کا محتاج ہوا۔ اس پر خود فراموشی طاری رہنے لگی، اس کے لئے ہر جانی پہچانی چیز انجانی ہوگئی۔

اس منزل پر سفر کا ایک حصہ ختم ہو گیا لیکن اس کا سفر ختم نہیں ہوا، صرف سفر کی ایک

درمیانی منزل پیش آئی جس کا نام موت اور عالم برزخ ہے

موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

پس جس کو انسان کی اصل وحقیقت (مٹی اور پانی) اور پھر اس کا آغاز اور اس کی خلقت معلوم ہے، اس کے نزدیک مر کر زندہ ہونے میں کون سا عقلی اشکال ہے اور جس نے انسان میں اتنے انقلابات کا مشاہدہ کیا اس کے لئے ایک آخری انقلاب کو ممکن ماننے میں کیا دشواری ہے۔

زندگی بعد موت کا دوسرا کھلا ہوا نمونہ زمین کی دوبارہ زندگی کے مناظر ہیں جو بار بار آنکھوں کے سامنے آتے رہتے ہیں، یہ زمین جس کے سینہ میں ہزاروں پیدا ہونے والے انسان اور زندہ ہونے والے حیوانات کی زندگی کی امانتیں اور خزانے ہیں، وہ خود مردہ پڑی ہوتی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر سوکھ کر پپڑیاں جم جاتی ہیں۔ وہ مٹی کا ایک بے حس و بے جان لاشہ ہوتا ہے جس میں نہ خود زندگی ہوتی ہے اور نہ کسی اور چیز کے لئے زندگی کا سامان، لیکن جب اس کے ہونٹوں پر آسمانی آب حیات کے قطرے گرتے ہیں اور اس کا حلق تر کرتے ہوئے سینہ تک پہنچ جاتے ہیں تو وہی زمین موت کی نیند سے دفعتاً بیدار ہو جاتی ہے۔ اس میں زندگی کی توانائی اور جوانی کی رعنائی دوڑ جاتی ہے۔ وہ گویا کہ جھومتی اور مست ہوتی ہے۔ اس کا دہانہ دولتوں، شادابیوں اور زندگی کا خزانہ اگل دیتا ہے، مہکتا ہوا سبزہ، لہلہاتی ہوئی کھیتی اور سطح زمین پر ابھرے ہوئے اور پھیل جانے والے کیڑے اور حشرات زمین کی اندرونی زندگی اور حیات بخشی کا پتہ دیتے ہیں، برسات اور بہار کے موسم میں زمین کی اس زندگی کا منظر کس نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا؟

زندگی بعد موت کے شواہد و مناظر ہر جگہ دیکھے جا سکتے ہیں اور ہر ایک ان کو دیکھ سکتا ہے۔ البتہ جو شخص تشریح اجسام اور زمین کے احوال وتغیرات سے زیادہ واقف ہے اور جس نے نباتات وحیوانات کے ظہور ونشو ونما کا مطالعہ کیا ہے اس کے لئے اس کی تصدیق

اور بعثت بعد الموت کے قیاس کا زیادہ موقع ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا ان دونوں حقیقتوں کو حیات بعد الممات کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے اور ان کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے۔

''اے لوگو! اگر تم کو قیامت کے بارے میں شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تم کو بنایا ہے مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر بندھے ہوئے خون سے پھر گوشت کے مشکل یا غیر مشکل ٹکڑے سے تا کہ ہم اپنی قدرت تمہارے لئے ظاہر کریں اور ہم ٹھہرا دیتے ہیں جس نطفہ کو چاہیں رحم میں ایک مقررہ مدت تک پھر نکالتے ہیں تم کو بچہ بنا کر تا کہ پھر تم پہنچو پوری جوانی کو اور بعضے تم میں وہ ہوتے ہیں جو اٹھالئے جاتے ہیں (جوانی ہی میں) اور بعضے وہ ہوتے ہیں جو پہنچائے جاتے ہیں (بڑھاپے والی) نکمی عمر تک (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ)علم وفہم حاصل کرنے کے بعد وہ پھر (سٹھیا کر) بے علم ہوکر رہ جاتا ہے (اور دوسری دلیل یہ ہے کہ) تم دیکھتے ہو زمین کو خشک پھر جب ہم نازل کرتے ہیں اس پر بارش تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور طرح طرح کے خوشنما سبزے اگاتی ہے۔ یہ سب اسی لئے ہے کہ اللہ کی ہستی ہی حق ہے اور وہ جلائے گا مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شخص نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ اٹھائیں گے قبر والوں کو۔'' (سورہ حج ع ۱)

دوسری جگہ فرمایا گیا:

''اور ہم نے بنایا انسان کو مٹی کے خلاصے سے، پھر رکھا ہم نے نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں (یعنی رحم مادر میں) پھر بنادیا ہم نے اس نطفہ کو منجمد خون پھر کر دیا ہم نے اس جمعے ہوئے خون کو گوشت کا ٹکڑا، پھر بنائی ہم نے اس مضغہ گوشت میں ہڈیاں، پھر جامہ پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت کا پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک نئی مخلوق بنادیا، پس بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔ پھر تم سب اس کے بعد یقیناً مرو گے اور پھر قیامت کے دن یقیناً زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔'' (مومنون ع ۱۰)

زمین کی زندگی اور پانی کی جاں نوازی کی کفیت قرآن نے اپنے معجزانہ الفاظ میں

جا بجا بیان کی ہے۔

''اللہ ایسا قادر و حکیم ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہوائیں، پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل پھر وہ اس کو پھیلا دیتا ہے فضائے آسمانی میں جیسے چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اس کو ٹکڑے ٹکڑے، پھر تم دیکھتے ہو مینہ کو، نکلتا ہے اس کے درمیان سے پس جب پہنچا دیتا ہے، وہ بارش اپنے بندوں میں جن کو چاہتا ہے تو وہ خوشی کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس بارش کے نزول سے پہلے وہ نا امید ہوتے ہیں سو اللہ کی رحمت کے آثار تو دیکھو وہ کیسے زندگی بخش دیتا ہے زمین کو اس کی مردگی کے بعد، بہ تحقیق یہی اللہ جلانے والا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (الروم ع ۵)

اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں

''اور اللہ ہی ہے جس نے بھیجی ہوائیں، پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو، پھر ہم ہانک دیتے ہیں اس کو کسی بے جان شہر کی طرف، پھر ہم اس کے ذریعہ زندہ کر دیتے ہیں زمین کو اس کی مردگی کے بعد۔ بس ایسے ہی ہوگا حشر نشر۔'' (فاطر ع ۲)

''اور اس کی کھلی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین کو بے جان خشک آثار حیات سے خالی، پھر جب ہم اس پر برسا دیتے ہیں پانی تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے، یقیناً وہی اللہ جس نے زمین مردہ کو یہ زندگی بخشی وہی دوبارہ زندہ کرے گا مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (فصلت ع ۵)

اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اور وہ اللہ جس نے برسایا آسمان سے پانی ایک خاص مقدار میں پھر اس کے ذریعہ زندگی بخشی کسی مردہ علاقہ کو، بس ایسے ہی تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔''

(زخرف ع ۱)

ان دو نشانیوں اور کھلے ہوئے دو نمونوں کے علاوہ بھی کائنات کی یہ عظیم و وسیع کارگاہ زندگی بعد الموت کے نمونے اور منظر دن رات پیش کرتی رہتی ہے۔ یہاں دمبدم بن کر چیزیں بگڑتی اور ٹوٹ پھوٹ کر بنتی رہتی ہیں، ایک بے جان و بے شعور چیز سے اچھی

خاصی، جیتی جاگتی ذی حیات ہستی اور ایک اچھی خاصی جاندار ہستی سے بالکل بے جان اور مردہ چیز برآمد ہوتی ہے۔ بہت سی اشیاء سے ان کے متضاد آثار ونتائج کا ظہور ہوتا ہے۔ بہت سی مخلوقات میں خلقت کا اعادہ اور زندگی کی بازگشت ہوتی رہتی ہے جس نے خالق کائنات کی اس لا انتہا قدرت، مخلوقات کی ابتدائی خلقات اور تکوین وتخلیق کی وسعت کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہے اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی حیات بعد الموت میں شک نہیں ہو سکتا اور اس کے لئے اس میں قطعاً کوئی عقلی اشکال نہیں ہے: اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے۔

''کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اول بار پیدا کرتا ہے مخلوق کو، پھر وہ ان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ یہ چیز اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ آپ ان سے کہئے کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے خلقت کو کس طرح پہلی دفعہ پیدا کیا ہے، پھر وہی اللہ آخری بار بھی پیدا کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (عنکبوت ع ۱)

''نکالتا ہے اللہ زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندگی بخشتا ہے زمین کو مردگی کے بعد پس ایسے ہی قیامت میں تم اٹھائے جاؤ گے۔'' (روم ع ۲)

اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے کسی چیز کو نیست سے ہست کرنا اور پھر اس کو دوبارہ زندگی بخشنا، دونوں یکساں طور پر آسان ہیں لیکن انسان کے لحاظ سے کسی چیز کا دوبارہ بنانا اس کے پہلی دفعہ بنانے سے بہر حال زیادہ آسان ہے اس نے جس نے ایک بار خدا کی صفت خلق کا اعتراف کیا اس کے لئے اس صفت کے دوبارہ ظہور کا اعتراف کرنا بالخصوص جب کہ وہ مخلوق بالکل معدوم نہ بھی ہوئی ہو کچھ مشکل نہیں ہے۔

''وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس کو زیادہ آسان ہے اور آسمان وزمین میں اس اس کی شان سب سے اعلیٰ ہے اور وہ زبردست (قادر مطلق) اور حکمت والا ہے۔'' (روم ع ۳)

''کیا قیامت کا انکار کرنے والا انسان اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ ہم نے اس کو ایک حقیر نطفہ سے بنایا ہے سو اب وہ کھل کر اعتراض کرنے لگا ہے۔ اس نے ہماری شان میں ایک

عجیب بات کہی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ کون زندہ کرے گا مردہ ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہو جائیں گی۔ آپ کہئے کہ جس نے ان کو پہلی دفعہ بنایا تھا وہی ان کو دوبارہ زندہ کردے گا اور وہ ہر طرح کی تخلیق کو خوب جانتا ہے وہی جو اپنی قدرت سے تمہارے ہرے درختوں سے آگ نکالتا ہے۔ پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔ تو کیا جس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے پھر پیدا کردے؟ کیوں نہیں، وہ تو بہت پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کا اختیار ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹو گے۔'' (یٰس ع۵)

''اور اللہ نے ایک خاص طور پر تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ پھر وہ تم کو بعد مرگ اسی زمین میں لے جاوے گا۔ پھر قیامت میں وہی تم کو اس سے باہر لے آوے گا۔'' (نوح ع۱)

قدرت اور حکمت کے عجائبات سے جو واقف ہے اس کے لئے یہ کیا عجیب چیز ہے۔

(ترجمہ) ''کیا ان لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں اور ان کی تخلیق سے وہ تھکا نہیں، وہ ضرور اس کی قدرت رکھتا ہے کہ مردوں کو زندہ کردے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (احقاف ع۴)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:

''کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی جانب آسمان کو نہیں دیکھا، ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے اور (روشن ستاروں سے) اس کو رونق بخشی ہے اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں ہے، اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور طرح طرح کے خوشنما سبزے اگائے۔ اس میں ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے بینائی اور دانائی کا سامان ہے اور ہم نے آسمان سے برکتوں والا پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ باغات اور کھیتی کا غلہ پیدا کیا، اور لمبی لمبی کھجوریں جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہیں، یہ سب بندوں کی روزی

کے لئے اور ہم نے اس کے ذریعہ مردہ شہر کو زندگی بخشی، بس ایسے ہی ہوگا حشر ونشر۔"

انسانی خلقت کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

"ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا، پھر تم (دوبارہ ہمارے پیدا کرنے کی) کیوں تصدیق نہیں کرتے اچھا تو یہ بتلاؤ کہ تم جو عورتوں کے رحم میں مادۂ تولید پہنچاتے ہو تو تم اس کو آدمی بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں۔ ہم نے تمہاری موت کے اوقات مقرر رکھے ہیں اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تم جیسے اور آدمی پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جس کو تم جانتے بھی نہیں اور جب تم کو اول پیدائش کا علم ہے پھر تم (اسی سے دوبارہ پیدائش کو) کیوں نہیں سمجھ لیتے۔ اچھا پھر یہ تو بتلاؤ کہ تم جو زمین میں تخم ڈالتے ہو تو تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں جس سے تم متحیر رہ رہ جاؤ اور کہنے لگو کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا، ہم تو بالکل محروم رہ گئے، اچھا یہ تو بتلاؤ کہ جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو بدلیوں سے اتارا ہے یا ہم اس کو برساتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں، سو تم شکر کیوں نہیں کرتے، اچھا یہ تو بتلاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔" (واقعہ ع ۳)

"معاد پر یقین نہ رکھنے والا انسان کیا یہ گمان کرتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (اور اس کا کوئی خاص مستقبل نہ ہوگا) کیا وہ پہلے ایک قطرۂ منی نہ تھا جو رحم مادر میں ٹپکایا گیا، پھر وہ منجمد خون ہو گیا، پھر اللہ نے اس پر صورت گری کی اور اس کے اعضاء درست کئے۔ پھر اس سے دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت تو کیا۔ جس اللہ نے یہ سب کچھ اپنی قدرت سے کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو پھر زندہ کرے۔" (قیامہ ع ۲)

میرے بھائیو اور دوستو! اس عالم پر تفکر کی نظر ڈالنے اور اس مجموعہ کائنات کو بحیثیت مجموعی اور اس کے اجزاء کو فرداً فرداً جچہ اور با مقصد پانے سے انسان کا اندرون اور اس کا وجدان سلیم خود شہادت دیتا ہے کہ اس عالم کے بعد ایک دوسرا عالم اور اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہونی چاہئے جو اس عالم اور زندگی کا تتمہ ہو جس میں اس زندگی کے اعمال کے نتائج ظاہر ہوں، اگر یہ عالم اور زندگی نہیں تو انسان کی خلقت ایک فعل عبث

اور یہ سارا کارخانہ بے مقصد اور بے غایت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت سلیم کو مخاطب کیا ہے اور فرمایا ہے:

(ترجمہ) ''کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یوں ہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔'' (قیامہ ع ۲)

''کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں فضول وعبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹو گے۔'' (مومنون)

زمین وآسمان سے متعلق فرمایا

''اور ہم نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی کائنات کو بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے اور ہم نے زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی کائنات کو کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا ہے۔'' (الدخان)

زمین وآسمان اور ان کے عجائبات پر غور کرنے سے انسان کا ضمیر خود شہادت دیتا ہے اور اس کی زبان خود اس کا اعتراف کرتی ہے۔

''آسمان وزمین کی تخلیق میں اور یکے بعد دیگرے دن رات کی تبدیلی میں ان عقل وخرد والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو کھڑے بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں اللہ کو یاد کرتے اور یاد رکھتے ہیں، اور زمین وآسمان کی تخلیق کے بارے میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے اس کارخانہ عالم کو عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے۔ تیری ذات پاک ہے۔ پس تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، تو نے جس کو دوزخ میں ڈالا اس کو رسوا ہی کر دیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔'' (آل عمران)

ایمان بالآخرت کے خواص:

ایک مستحکم اور راسخ عقیدہ، ایک صحیح اور بے عیب تخم کی طرح ہے جب دل کی زمین میں یہ تخم پڑ جائے اور زمین اس کو قبول کر لے اور پھر اس کی آبیاری اور خدمت بھی ہو تو اس سے ایک سرسبز پودا ظاہر ہوتا ہے، پھر وہ ایک درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو پوری زندگی کو اپنے سایہ میں لے لیتا ہے۔

ایمان بالآخرت بھی ایک تخم ہے جو اپنے ذاتی خواص رکھتا ہے۔ جب اس کا صحیح اور طبعی نشو ونما ہو جاتا ہے تو پھر اخلاق واعمال، سیرت وکردار، رفتار وگفتار کوئی چیز اس کے اثر سے خارج نہیں ہوتی، ایک معتقد آخرت اور منکر آخرت کی زندگی اور سیرت میں وہی فرق ہوتا ہے جو مختلف بیجوں سے پیدا ہونے والے درختوں کی شاخوں، پتوں اور پھولوں میں ہوتا ہے۔ معتقد آخرت کی نفسیت ومزاج، اس کی عقلیت، اس کے اخلاق، سب منکر آخرت سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ دو بالکل مختلف سانچے ہیں جن سے دو بالکل مختلف قسم کی ذہنیتیں ڈھل کر نکلتی ہیں۔

ان دونوں میں اصولی اور مرکزی فرق یہ ہوتا ہے کہ معتقد آخرت عاجل کے مقابلہ میں آجل، نقد کے مقابلہ میں قرض، مسرت فانی کے مقابلہ میں راحت جاودانی کا طلب گار ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اس اصولی فرق کو اپنی آیات میں بار بار واضح کیا ہے اور اہمیت کے ساتھ اس کو پیش کیا ہے، دنیا کو وہ عاجلہ کہتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی کو وہ آخرت کہتا ہے اور دونوں میں وہ انتخاب کی اجازت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

''جو شخص دنیا ہی کی نعمت چاہے تو ہم جتنا چاہیں گے اور جس کے واسطے چاہیں گے اس کو دنیا ہی میں فی الحال دے دیں گے اور پھر ہم اس کے واسطے تجویز کریں گے جہنم جس میں وہ بدحال اور راندۂ درگاہ ہو کر داخل ہوگا اور جو کوئی آخرت کا ثواب اور اس جہان کی خوش عیشی چاہے گا اور اس کے واسطے اس کی والی کوشش کرے گا اور شرط یہ ہے کہ وہ مومن بھی ہو تو ان کی کوشش مقبول ہوگی۔'' (بنی اسرائیل ع ۲)

یہ دو مختلف قسم کی کھیتیاں ہیں، ایک کھیتی جو ابھی بوئی جائے اور آخرت میں کاٹی جائے، دوسری جو فوراً بوئی جائے اور فوراً کاٹ لی جائے۔ قرآن مجید نے جہاں دونوں کھیتیوں کا ذکر کیا ہے۔ ہاں ایک بڑا لطیف فرق رکھا ہے، فرمایا ہے کہ جو آخرت کی کھیتی چاہے گا ہم اس میں برکت عطا فرمائیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہے گا ہم اس کو اس میں سے دے دیں گے، یعنی ایک کا نتیجہ فوراً ظاہر ہو جائے گا اور دوسرے کے نتیجہ کے لئے انتظار کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

''جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے گا تو ہم اس کی کھیتی میں برکت دیں گے اور جو دنیا ہی کی کھیتی کو مقصد بنائے گا، ہم اس کو اس میں سے کچھ نہ کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔'' (شوریٰ ع ۳)

منکر آخرت کی اس عاجلانہ اور مستعجلانہ ذہنیت کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے:

''ہرگز نہیں..... تم تو اس دنیا کو چاہتے ہو اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو۔'' (قیامہ ع ا)

''یقیناً یہ لوگ دنیا کے متوالے ہیں اور اپنے آگے آنے والے بڑے بھاری دن کا خیال چھوڑے ہوئے ہیں۔'' (دہر ع ۲)

انہیں لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے:

''پھر ان کے بعد ان کے وہ جانشین آئے جو کتاب (توراۃ) کے وارث ہوئے اور (اس کے ذریعہ) اس دنیائے فانی کی دولت حاصل کرنے لگے (یعنی کتاب اللہ کے علم کو انہوں نے دنیاوی کمائی کا ذریعہ بنایا) اور (اس کو معمولی گناہ سمجھتے ہوئے) انہوں نے کہا کہ ہماری بخشش ہو ہی جائے گی اور (درحقیقت ان کا حال یہ ہے کہ) اگر ان کو ایسی دولت (اللہ پر افترا پردازی کر کے بھی) حاصل ہو تو وہ اس کو لے لیں گے۔ کیا ان سے اس کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا ہے کہ اللہ کے متعلق بجز حق کے کچھ نہ کہیں اور انہوں نے اس کتاب کے احکام کو پڑھا بھی ہے اور آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے۔ کیا تم اس کو سمجھتے نہیں۔'' (اعراف)

دونوں کے منتہائے نظر اور مطلوب میں بھی فرق ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ

''اور بعضے آدمی ایسے ہی جو دعا کرتے ہیں کہ اے رب ہم کو دنیا ہی میں دے دے اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بعضے وہ ہیں جو یوں دعا کرتے ہیں کہ ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی اچھی زندگی دے اور آخرت میں بھی اچھی زندگی عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا۔'' (بقرہ ع ۲۵)

زندگی اور دنیا کے متعلق دونوں کا تخیل اور نقطۂ نظر ایک دوسرے سے اصولی طور پر مختلف ہوتا ہے، ایک کہتا ہے:

''اے میری قوم! یہ دنیا تو بس ایک کھیل تماشا ہے اور آخرت ہی اصل ٹھکانے کا گھر ہے۔''

دوسرا کہتا ہے:

''یہاں میرے لئے بس یہ دنیوی زندگی ہی ہے اور ہمیں اسی دنیا میں مرنا اور جینا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔'' (مومنون)

آخرت کے عقیدے کے ساتھ تکبر، ذاتی رفعت کا شوق اور زمین میں فتنہ وفساد اور تخریب کا جذبہ جمع نہیں ہوسکتا۔ ان مقاصد واخلاق کو اس عقیدے کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں، اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا ہے:

''آخرت کا یہ گھر (جنت اور اس کی نعمتیں) ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کرتے ہیں جو زمین میں اپنی بڑائی اور فساد انگیزی نہیں چاہتے اور اچھا انجام صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔'' (سورہ قصص پ ۲۰)

اسی لئے ایک معتقد آخرت کی زندگی میں ذاتی سربلندی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا، اس سے حکومت واقتدار کی حالت میں بھی بندگی اور نیازمندی کی خو نہیں جاتی۔ بلکہ جس قدر اس کی گردن فراز ہوتی ہے اسی قدر اس کا سر نیاز جھکتا ہے اس کو جب طاقت اور دولت حاصل ہوتی ہے تو وہ ایک منکر آخرت (قارون) کی طرح نہیں پکار اٹھتا کہ:

''مجھے یہ اپنے ہنر اور اپنی دانش سے حاصل ہوئی ہے۔'' (زمر پ ۲۴)

بلکہ ایک خداشناس اور معتقد آخرت بندے (سلیمان) کی طرح کہتا ہے:

''یہ میرے پروردگار کی بخشش ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔'' (النمل پ ۱۹)

وہ جب اپنے ہاتھوں کو کھلا ہوا اور اپنی سلطنت کو پھیلی ہوئی دیکھتا ہے تو وہ اس پر ایک خدافراموش بادشاہ (فرعون) کی طرح یہ نہیں کہہ اٹھتا:

''کیا ملک مصر اور اس پر حکومت میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے نیچے بہہ رہی ہیں۔''

(زخرف پ ۲۵)

''کون مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔'' (حم پ ۲۴)

بلکہ ایک پیغمبر بادشاہ کی طرح اس کا دل حمد سے لبریز اور اس کی زبان شکر سے زمزمہ سنج ہو جاتی ہے اور بے اختیار ہو کر کہتا ہے:

''خداوند! مجھے توفیق دے اور میرے لئے مقدر کر دے کہ میں تیرے ان انعامات کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہوں اور اپنی رحمت سے مجھے (اپنے نیک بندوں میں شامل کر۔

(سورۂ نمل پ ۱۹)

وہ دنیا کی اس حکومت پر مطمئن اور قانع نہیں ہوتا، وہ جانتا ہے کہ اصل عزت آخرت کی عزت ہے اور اصلی دولت خدا کی سچی غلامی کی دولت ہے۔ اس لئے وہ خدا کے انعامات کے شکر کے ساتھ جس آخری چیز کی خواہش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا سے ایک سچے فرماں بردار کی طرح اٹھے اور خدا کے نیک بندوں میں شامل ہو۔ حضرت یوسف کہتے ہیں:

''اے پروردگار تو نے مجھے بادشاہت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم اور اس کے ذریعہ حقائق فہمی بھی عطا فرمائی، زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ اب تو مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے اٹھا لے اور صالحین کے ساتھ شامل کر دے۔ (سورۂ یوسف پ ۱۳)

معتقد آخرت دنیا کی رسوائی کے مقابلہ میں آخرت اور میدان حشر کی رسوائی سے زیادہ ڈرتا ہے، وہ اس کے تصور سے لرزاں رہتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی دعا ہے:

''خداوند! مجھے اس دن رسوا نہ کرنا، جب کہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ جس دن کہ مال و اولاد کچھ کام نہ آویں گے اور بس وہی لوگ (اس دن کی رسوائی سے بچیں گے) جو قلب سلیم لے کر آئیں گے۔'' (پ ۱۹ سورہ شعراء)

اللہ تعالی ہماری آخرت سنوار دے آمین اسی دعا پر آپ سے اجازت چاہتا ہوں.

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آج دنیا پر خود غرضی اور بد اخلاقی کا مانسون چھایا ہوا ہے اسے چادروں سے روکا نہیں جاسکتا

یہ تقریر ۱۵ جنوری ۱۹۵۴ء کو جون پور کے ٹاؤن ہال میں کی گئی، شہر کا تعلیم یافتہ اور چیدہ مجمع تھا، کثیر تعداد میں غیر مسلم اصحاب اور مختلف سیاسی جماعتوں اور انتظامی اداروں کے لوگ بھی موجود تھے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعىٰ بدعو تهم الى يوم الدين اما بعد:

دوستو اور بھائیو! زمانہ کی ایک ریت ہے، وہ ایک لکیر سی بن گئی ہے، اس سے ہٹ کر کوئی کچھ کرے یا کہے تو تعجب ہوتا ہے، ہم اس زمانہ کے رواج کے خلاف آپ کے شہر میں آئے اور عام دستور کے خلاف یہ جلسہ کر رہے ہیں، اس کا نہ کوئی صدر ہے نہ کوئی تحریک، نہ کوئی تجویز، تعارفی تقریر بھی ہمارے دستور کے خلاف ہوئی، ہمارے عزیز دوست نے اپنی محبت سے ہمارے متعلق بہت کچھ کہا، ہمارے منہ پر ہماری تعریف کچھ کھلتی نہیں، یہ واقعہ ہے، ساتھ ہی ہمیں ان کی محبت کا اعتراف ہے، ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے، ہمارے ساتھ ہمارے ۷۰ ستر، اسی ۸۰ ساتھی اور بھی، ہم نے کوئی کمال کی بات نہیں کی، خود ہمارے اس ملک میں اور اس کے باہر لوگوں نے تن من دھن سے انسانیت کی خدمت کی ہے، ہمیں انسانیت کے ان محسنوں کی خدمات کو دیکھ کر شرم آتی ہے، جنہوں نے بے نام ونشان رہ کر بغیر کسی انجمن اور کمیٹی کے انسانیت کی ٹھوس خدمت کی، خدا بھلا کرے یورپ کا کہ اب انجمن اور کمیٹی صدر اور تعارف کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی کام کیا

جا سکتا ہے، ہم نے کیا کیا ... ؟ ہم یہاں محض مالک کی توفیق سے آئے اور مالک کی عطا کی ہوئی زبان سے ہم بول رہے ہیں۔

مجھے آپ سے بے تکلف بات کرنی ہے، مجھے یہ بھی اچھا نہیں لگتا کہ یہ میکروفون ہمارے آپ کے درمیان حائل ہو اور اس کا احسان لیا جائے، مگر مجبوری ہے، اور بیٹھ گیا ہوں، تاکہ اپنے بھائیوں کو اچھی طرح دیکھ سکوں، ورنہ میں اس وقت جو کہوں گا گھر کی سی بے تکلف بات ہوگی، آپ اس گھر کی بے تکلف مجلس ہی سمجھئے۔

آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے:

حضرات! مجھے آپ سے جس مسئلہ پر کچھ کہنا ہے، وہ ہمارا آپ کا مشترک مسئلہ ہے، مسائل بہت ہیں، ایک ایک مسئلہ کو الگ الگ پھٹکل سوچیں تو بہت دیر لگے گی اور بات بہت دور پہنچ جائے گی۔ یہ زندگی کا بڑا دردناک سانحہ ہے کہ یہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے، اس خرابی کی جڑ کیا ہے، اس پر ہاتھ رکھنا ہے۔

آپ میونسپلٹی کے واٹر ورکس (WATER WORKS) کے نظام سے واقف ہیں، اگر یہاں نلوں سے خراب پانی آنے لگے جو معدہ کو خراب کرے اور اس میں بیماریوں کے جراثیم ہوں تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر کے نل میں کپڑا باندھ لے، چھان کر پئے یا ابال کر پئے، لیکن ہوشیاری یہ ہے کہ واٹر ورکس کو صاف اور درست کرنے کی فکر کی جائے، شہر کے منتظم (ADMINISTRATOR) سے درخواست کی جائے کہ وہ اسے درست کرے، ہم اگر کپڑا باندھ کر یا چھان کر پی لیں گے تو بہت سے راستہ چلتے، ناواقف پیاسے ہوتے ہیں، منہ لگا دیتے ہیں، ان کی حفاظت کا کیا طریقہ ہے؟ آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اس میں کون سا طریقہ درست ہے؟

آج انسانیت کا واٹر ورکس خراب ہو گیا ہے، جہاں سے زندگی ابلتی ہے وہ دہانہ خراب ہو گیا ہے، زندگی کے بجلی گھر (POWER HOUSE) میں خرابی آ گئی، جہاں سے سارے شہر میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، انسانیت گھلتی پگھلتی جا رہی ہے، چور بازاری، رشوت

ستانی، دھوکہ بازی کا دور دورہ ہے، آج کا انسان ان سب گندگیوں میں مبتلا ہے، آج کے فکرمند انسان ان نتائج پر جھنجھلا رہے ہیں لیکن غصہ کس پر اتارا جائے، اور اس کا ذمہ دار کس کو سمجھا جائے؟

اصل مجرم کون ہے؟:

آپ تو انسان ہیں، جانور بھی اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ ان کا دشمن کون ہے؟ کتا بھی مارنے والے ہاتھ پر دوڑتا ہے، ڈھیلے سے نہیں الجھتا، گدے کی بے وقوفی ضرب المثل ہے، اسے ڈھیلا ماریئے تو وہ مارنے والے ہی کے پیچھے غصہ میں دوڑے گا، وہ سمجھتا ہے خرابی کی جڑ اور مصیبت کا سرچشمہ کہاں ہے، ہم آپ جانور سے بھی گئے گذرے، شیشے کے محل میں رہتے ہیں، چاروں طرف سے ڈھیلے برس رہے ہیں، ایک ہاتھ ہے جو برسا رہا ہے، ہمیں وہ ہاتھ نظر نہیں آتا، ڈھیلے پر غصہ اتار رہے ہیں، وہ ہاتھ مطمئن ہے کہ نظر سے اوجھل ہے اور دل کھول کر ڈھیلے برسا رہا ہے، بڑے بڑے لال بجھکڑ و ڈھیلوں میں الجھے ہوئے ہیں، انسانیت کے سدھار کے غور وفکر میں عام مفکرین (THINKERS) کا یہی حال ہے، ہر ایک کے سوچنے کا طریقہ (WAYOFTHINKING) ہوتا ہے۔

پیغمبروں کے سوچنے کا طریقہ:

میرے دوستو! ہمارے سوچنے کا طریقہ پیغمبروں کا طریقہ ہے، ہم پورے غور وفکر اور کافی تجربے کے بعد بالکل مطمئن (COONVINCE) ہوگئے ہیں کہ پیغمبر سسکتی ہوئی انسانیت کے مسائل کو جس انداز سے حل کرتے ہیں وہی صحیح طریقہ ہے، جب اس طرز پر، اس بنیاد پر کام ہوا، انسانیت کے دل کی پھانسیں نکل گئیں، آنکھوں کی سوئیاں خود بخود باہر ہوئیں، ایسی محبت کا زمانہ آیا کہ سب طرف آرام واطمینان ہوگیا، قرآن کہتا ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا راستہ بتلانے والے آئے، ان کی تعلیمات پر زمانہ کے پردے پڑ گئے، کچھ ہمیں علمی غرور بھی ہوگیا، ہم پڑھ لکھ گئے، اس لئے ہمیں ہزار دو ہزار برس پہلے کے طریقہ کار فرسودہ (OUT OF DATE) معلوم ہوتے ہیں اور اس طریقہ پر سوچنا ہمارے

لئے عارسا بن گیا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ سورج سب سے پرانا ہے، نئی روشنی والے پرانے سورج سے آنکھیں نہیں بند کر سکتے، ہم نے پیغمبروں کا طریقہ اپنایا ہم نے انسانیت کے سدھار کا مسئلہ ان سے سیکھا۔

خودغرضی اور بداخلاقی کا مانسون:

حضرات! وہ بتاتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک مادہ ہوتا ہے، اگر کسی چیز کا سلسلہ کوئی بند کرنا چاہے اور اس کے نتائج سے بچنا چاہے تو اس کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا مادہ ہی نہ پیدا ہونے پائے آپ کو ایک عام فہم مثال دوں، گرمیوں میں سمندر میں وہ ابخرات (VAPOURS) پیدا ہوتے ہیں، وہ ابخرات اٹھتے ہیں، گرمی سے وہ تحلیل ہوتے ہیں، پہاڑوں سے ٹکراتے ہیں، اور موسلادھار بارش بن کر برستے ہیں، ہم مانسون (MONSOON) کو چادر یا شامیانے سے نہیں روک سکتے، آج دنیا پر بداخلاقی کا مانسون چھایا ہوا ہے، یہ زرگری کا مانسون ہے، یہ خودغرضی کا مانسون ہے، نفس پرستی ہوس اور عیش پرستی کا مانسون ہے، دل کے سمندر سے خودغرضی کے ابخرات (VAPOURS) نفس پرستی کا شوق جب حد سے بڑھ جائے گا، عیش پرستی کی گرمی اسے گھلائے گی تو خودغرضی کا مانسون برسے گا، جو چادروں سے روکا نہیں جا سکتا۔

اس کا علاج:

دل کے مانسون کو روکنے کے لئے اللہ کا یقین، مرنے کے بعد اعمال کی جواب دہی کا یقین اور جزا و سزا کا یقین ضروری ہے، ایک ایسا شخص جوان بنیادوں کو نہیں مانتا، اپنے پیدا کرنے والے روزی دینے والے، خالق و رازق کو نہیں پہچانتا، وہ دنیا پر اقتدار حاصل کر کے اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھائے، وہ کمزوریوں کا کیوں لحاظ کرے، وہ جانتا ہے کہ کوششوں سے اسے ایک موقع (CHANCE) ملا ہے، وہ کہتا ہے زندگی کے پورے مزے لے لو، جو لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے اوپر آ گئے، وہ کیوں کسی کی بالادستی مانیں، کیوں کسی کے قانون کا احترام کریں اور آج کا عیش کل پر کیوں چھوڑ دیں،

اگر مجھے بھی یہ معلوم ہو کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں اور لے دے کر یہی زندگی ہے تو پھر اس دنیا کا عیش کس دن کے لئے اٹھا رکھوں، عرب کا ایک نوجوان شاعر بڑا حوصلہ مند (AMBITIOUS) اور صاف گو تھا، وہ کہتا ہے دو قبروں کے ڈھیر برابر ہیں، اچھا وہ رہا جو خوب عیش کے مزے اڑا کر گیا، اور بڑا نامراد وہ ہے جو تکلیفیں اٹھاتا رہا، جب مرنے کے بعد دونوں کو خاک ہونا ہے اور دونوں کا انجام ایک ہے تو میں کیوں اپنی حسرتوں کا خون کروں اور کس لئے ایثار کروں، جتنا زندگی کا لطف اٹھاؤں (ENJOY) کروں میرا حق ہے۔

دوستو! ایک پرانے شاعر کا جو خدا اور آخرت کا قائل نہ تھا، فلسفۂ زندگی ہے، آج ہمارے اس ترقی یافتہ دور کا بھی یہی فلسفۂ زندگی ہے، آج کا فلسفہ اور تعلیم بھی یہی ہے کہ کھاؤ پیو اور مست رہو (EAT DRINK AND BEMARRY) جب زندگی کا یہ نظریہ بن جائے تو اس سے یہی کردار (CHARACTER) تیار ہوگا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

موجودہ حالات قدرتی اور ہماری ذہنیت وتربیت کا نتیجہ ہیں:

انبیاء کہتے ہیں کہ جس میں یقین نہ ہوا، اس میں خواہشات کا جو مانسون اٹھے گا، وہ ضرور برسے گا، آج ساری دنیا پر خواہشات کے مانسون منڈلا رہے ہیں، دنیا کے لوگ کیسے عجیب ہیں، سمندر سے ابخرات اٹھے خاموش رہے، ہندوستان کی طرف بڑھے خاموش رہے، ہمالیہ سے ٹکرائے تو کچھ نہ بولے اب جب برس پڑے تو کپڑے بھیگنے کا گلہ ہے، آج ساری دنیا کے لال بجھکڑ امریکہ، یورپ اور روس سب اسی طرح کی بولی بولتے ہیں، دل کے بخارات کو پرورش کرتے ہیں اور جب خواہشات کے مانسون برستے ہیں تو اس پر غصہ کرتے ہیں، ہوس کے تالابوں کو برابر گراتے رہے، ساری عمر تم خواہشات کی تربیت کرتے رہے، اسی کی تعلیم دیتے رہے، تم نے برابر اسی کا استقبال و احترام کیا، جو مال و دولت میں تم سے بڑھا ہوا تھا، تمہارا (IDEAL) یہ ہے کہ جو جتنا مال دار ہے اتنا ہی اقبال مند اور قابل تعظیم ہے، تم برابر دولت کی تعریفیں کرتے رہے، تمہارا معیار شرافت مال داری ہے۔ میں کچھ عرصہ ہوا ایک صاحب سے ملنے گیا، وہ بڑی بے التفاتی

اور لا پرواہی سے باتیں کرتے رہے، اسی اثناء میں ایک صاحب آئے جن کو میں پہچانتا نہ تھا، وہ سرو قد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے، اور جب تک وہ رہے، ہاتھ جوڑ کر باتیں کرتے رہے، جب وہ چلے گئے تو کہنے لگے کہ یہ بتیس روپے فیس والے ڈاکٹر صاحب ہیں، شیخ سعدی نے اپنا واقعہ لکھا ہے کہ وہ ایک دعوت میں معمولی کپڑے پہنے ہوئے چلے گئے، کسی نے ان کی بات نہیں پوچھی دوسری دفعہ وہ اچھا لباس پہن کر گئے تو کھانے پر ان کو بڑے ادب اور تپاک سے بٹھایا گیا، وہ اپنے کپڑوں پر سالن ڈالتے رہے، جب پوچھا گیا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں تو فرمایا کہ دعوت تو ان کپڑوں کی ہے، انہیں کے طفیل میں کھا رہا ہوں، اس لئے انہیں کی خاطر کر رہا ہوں، میری ہوتی تو میں پہلے بھی میلے کپڑوں میں آچکا ہوں۔

آج دنیا میں یہی ہو رہا ہے، آپ نے بچہ کو کب بتلایا کہ اصل شرافت اخلاق اور کردار کیا ہے، اس نے جب سے ہوش سنبھالا، آپ کا یہی رویہ دیکھا کہ جو موٹر پر آیا اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا اور جو یکہ پر آیا (گھوڑا گاڑی) اس سے بے التفاتی برتی گئی، اس نے اگر معیار شرافت اخلاق اور انسانیت کے بجائے مالداری کو سمجھا تو کیا بے جا کیا۔

میرے بھائیو! اللہ کے پیغمبر اس کے برخلاف تقویٰ کو، اخلاق کو معیار شرافت بتلاتے ہیں، حضرت عمر سے عرب کے نامی سردار ملنے آئے، ان سے کہا گیا کہ انتظار کریں، اتنے میں غریب حبشی موذن حضرت بلالؓ آئے، وہ فوراً اندر بلا لئے گئے، مدینہ کے ایک اور غریب آئے بلا لئے گئے اور یہ اپنا اپنا کام بارگاہ خلافت سے پورا کرا کے واپس چلے، جیسے کوئی ابدی بات تھی، عرب کے سردار بادشاہوں کا سا دماغ رکھتے تھے، انہوں نے اسے بہت محسوس کیا، انہوں نے کہا خدا کی شان! ہمارے سامنے یہ فقیر و حقیر بلا لئے جائیں، اور ہم بیٹھے رہیں، عجب معاملہ ہے! ان میں سے ایک سمجھدار آدمی بولے عمر ترازو میں تول کر معاملہ کرتے ہیں، اس میں نہ ان غریبوں کا قصور ہے، نہ عمر کا، سب کو اللہ کے نام پر پکارا گیا تھا، یہ بڑھ گئے، تم بیٹھے رہ گئے، تم نے اللہ کے نام کی قدر نہیں کی، وہ آج عمر کے دربار میں تم سے زیادہ قدر والے ہیں، کل خدا کے یہاں بھی تم

سے پہلے پوچھے جائیں گے۔

جنگوں کا ذمہ دار کون ہے؟:

میرے دوستو! موجودہ طرز زندگی میں انسانیت کی بڑائی مالداری اور مادی عروج ہے، ہمارا لٹریچر، ہمارا آرٹ اور ہمارا ادب سب یہی تعلیم دیتے ہیں کہ جس کے پاس مادی وسائل زیادہ ہوں اور جو جتنا زیادہ مالدار ہو، اتنا ہی وہ شریف ہے، دولت مند ہی آدمی ہے، غریب آدمی ہی نہیں، آج دنیا میں سارا فساد اسی طرز فکر اور اسی معیار زندگی کا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص جلد سے جلد مالدار بننا چاہتا ہے اور اس کے لئے جائز و ناجائز سب طریقے اختیار کرتا ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ عزت دولت ہی سے ہے۔

گزشتہ دونوں جنگیں مال و دولت اور عزت اور وجاہت کی ہوس کا نتیجہ تھیں، میرا ٹرین میں ایک ہندو دوست سے تعارف کرایا گیا، وہ چھوٹتے ہی کہنے لگے کہ دنیا میں سارا فساد مولویوں اور پنڈتوں کا برپا کیا ہوا ہے، ان کا پیشہ ہی یہ ہے، میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، پہلی اور دوسری جنگ مولویوں اور پنڈتوں ہی کی برپا کی ہوئی تھی، اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ دنیا بھر کا خون پینے والے اور خون کی ہولی کھیلنے والے یہودی صفت کارکانہ دار تھے، ۱۹۱۴ء کی لڑائی میں یہودی کارخانہ داروں کا ہاتھ تھا، ان کے اسلحہ (AMMUNITIONS) کے بڑے بڑے کارخانے تھے، ان کو کھپانے کے لئے ان کو بڑی بڑی منڈیوں کی ضرورت تھی، ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت انہوں نے سازشیں کیں، وارداتیں کیں اور ملکوں اور قوموں کو لڑا دیا، ایک کارخانہ کو چلانے کے لئے انہوں نے اتنا بڑا فساد برپا کیا کہ جس میں لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں اور ملک کے ملک تباہ ہو گئے، بس آج قوموں کو ٹکرانے والا جذبہ یہ ہے کہ بس ہماری تجوری بھرے اور ہمارا بول بالا ہو اور ہمارا سکہ چلے، ہماری قوم سرفراز ہو، یہ بڑے پیمانہ کی خود غرضیاں سارے فتنہ وفساد کی جڑ ہیں، تہذیب یا کلچر یا زبان کا اختلاف فساد کا باعث نہیں ہوا۔ میں پوچھتا ہوں کیا ایک کلچر، ایک تہذیب اور ایک قومیت کے لوگ نہیں لڑے ہمارے یہاں

کوروپانڈے لڑے ہیں، جو ایک ہی خاندان کے لوگ تھے، عرب میں قبیلہ سے قبیلہ لڑا ہے، جس کی ایک ہی زبان اور ایک ہی کلچر تھا، افغانستان میں پٹھان پٹھان سے پاکستان میں مسلمان مسلمان سے اور یہاں ہندوستان میں ہندو ہندو سے لڑتا ہے، اس ٹکراؤ میں نفسانی اغراض کام کررہے ہیں، خودغرضیاں ٹکرا رہی ہیں، غرض کا مذہب ٹکرا رہا ہے۔

اندر کالاوا باہر کو پھونک رہا ہے:

پیغمبروں کا طریقہ یہ ہے کہ دل کی خرابی دور ہو، باہر جو بگاڑ ہے وہ اندر سے پھوٹ رہا ہے، اندر کالاوا باہر کو پھونک رہا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ باہر کی خرابی اندر گھس گئی ہے، اور باہر کے اصلاح میں لگ گئے جس طرح سارے جسم پر دل کی بیماری کا اثر پڑتا ہے، اسی طرح پورے نظام زندگی پر نیتوں کے فتور اور ذہنیت کی خرابی کا اثر پڑتا ہے، پرانے قصوں میں آتا ہے کہ ایک بادشاہ سیر و شکار میں اپنے ہمراہیوں سے جدا ہو گیا اور اس کو رات ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں گزارنا پڑی، بڑھیا نے دودھ دوہا وہ سیروں اترا، بادشاہ نے یہ ماجرا دیکھا تو اس پر ٹیکس لگانے کا ارادہ کیا، دوسرے وقت بکری کا دودھ کم ہو گیا، بادشاہ وہیں بیٹھا تھا، بڑھیا اس کو پہچانتی نہیں تھی، بڑھیا نے بڑے افسوس سے کہا کہ آج بکری کا دودھ کم ہو گیا، شاید بادشاہ کی نیت میں فتور آ گیا۔

میرے دوستو! انسان اس دنیا کا بادشاہ ہے، اس کی نیت میں فتور آ گیا، اس کا دل بگڑ گیا، اس لئے یہ سب فساد اور خرابی نظر آرہی ہے، پیغمبر کی نظر بہت گہری ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں دل کا پاپ دھو، دلوں کو ماجھو، دل ٹھیک کرو، دل کا بگاڑ ہی تو ہے کہ CONTROL OD ہوا، چور بازاری شروع ہوئی اور جب قیمتوں کا کنٹرول (PRICE CONTROL) تو سامان مفقود ہو گیا اور لوگ ضرورت کی چیزوں کو ترسنے لگے، جب تک انسان کا پاپی من درست نہیں ہوتا، کچھ نہیں ہوتا، کمیونزم (COMMUNISM) نے بھی اس حقیقت کو نظر انداز کیا کہ بگاڑ اندر سے شروع ہوتا ہے، وہاں بھی من کی کوئی فکر نہیں کی گئی۔ مزدور فاقہ مستی کررہے ہیں، وہ ان کے خون اور پسینہ پر عیش پرستی کررہے ہیں ان کی لاشوں پر شاندار

عمارتیں تیار کر رہے ہیں، انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ہر طرف من مانی ہو رہی ہے۔

نشہ بندی کی کوشش میں امریکہ کی ناکامی:

ہماری سوسائٹی پاپی ہوگئی ہے، اس میں ظلم کا رجحان پیدا ہوگیا ہے، صرف شکوہ گلہ سے دنیا کی اصلاح نہیں ہوسکتی، دل صرف خدا کے خوف سے سدھر سکتا ہے۔ وہ صرف پیغمبروں کے بتلائے ہوئے طریقہ سے درست ہوسکتا ہے، اگر محض علم وادب یا آرٹ اور سائنس سے درست ہوسکتا تو یورپ کا من پاپ سے بالکل پاک ہوتا، امریکہ میں نشہ بندی کا منصوبہ بنایا گیا، اس کے خلاف محاذ جنگ قائم ہوا، امریکہ نے کروڑوں روپے پانی کی طرح بہائے، ایک زبردست مہم (COMPAIGN) چلائی گئی اور ایڑی چوٹی کا زور شراب بندی پر لگا دیا گیا، اس کے خلاف اتنا زبردست اور وسیع لٹریچر تیار کیا گیا کہ اگر سب اخبارات، اشتہارات اور میگزینوں کو پھیلایا جائے تو کئی میل تک پھیل جائے، لیکن جتنی کوشش کی گئی امریکہ کی مہذب اور تعلیم یافتہ قوم کو اس کی اور زیادہ ضد ہوگئی، شراب کا استعمال پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوگیا، آخر حکومت نے عاجز آ کر قوم کے ارادہ اور ضد کے مقابلہ میں ہار مان لی اور قانون واپس لے لیا، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خارجی انتظامات اور دماغ کے راستہ سے جو کوششیں کی جاتی ہیں، وہ ناکام رہتی ہیں اور کوئی بڑا نتیجہ پیدا نہیں کرتیں، امریکہ کی پڑھی لکھی اور مہذب دنیا نے لٹریچر اور ادب کے معقول اور وزنی دلائل کی ذرا پرواہ نہیں کی اور اپنے نفس اور خواہش کا ساتھ دیا۔

ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ:

حضرات! اس ملک میں جو اخلاقی انارکی پھیلی ہوئی ہے، وہ یہاں کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے، افسانے اخلاق سوز باتیں پھیلا رہے ہیں۔ ہماری نئی نسلوں کو حیا سوز انجکشن دیئے جا رہے ہیں، سینما کے پردوں پر پاپ دکھایا جا رہا ہے، آنکھوں سے کانوں سے دل میں پاپ اتارا جا رہا ہے، اخبار اور رسالے پاپ کی کھلم کھلا تبلیغ کر رہے ہیں، اور

اس کا کوئی توڑ نہیں، ہم علی الاعلان کہتے ہیں، ہمیں آزادی ملی، اللہ کی بڑی نعمت ہے، لیکن اگر ہم اخلاق پر کنٹرول نہیں رکھ سکتے تو آزادی بھی قائم نہیں رہ سکتیں۔

یورپ اور ہندوستان کا فرق:

یورپ میں ہزاروں خرابیاں ہیں، لیکن وہ تھما ہوا ہے، کچھ شک نہیں مغربی زندگی میں بہت سے اخلاقی جرائم اور بداخلاقیاں پائی جاتی ہیں، لیکن وہ ذرا آراستہ (REFINED) قسم کی ہیں، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بااصول، پابند اور مہذب ہیں، ان میں گھٹیا قسم کی چھوٹی چھوٹی بے ایمانیاں نہیں پائی جاتیں، وہ ذمہ داری کا احساس رکھتے ہیں، اور ان کی شہری اور مجلسی زندگی زیادہ منظم اور باقاعدہ ہے، میرے ایک دوست نے بتلایا کہ وہ لندن میں برٹش میوزم میں کچھ علمی کام کر رہے تھے، لائبریری کے ساتھ وہاں رسٹورنٹ بھی ہوتے ہیں اور ان میں عموماً (GIRLS) کام کرتی ہیں، وہ کہتے تھے کہ میرا روزانہ کا معمول تھا کہ جب تھک جاتا تو ہوٹل میں جا کر مچھلی کے کباب کھایا کرتا اور جتنے پیسے مجھے بتائے گئے تھے اتنے روز دے آیا کرتا تھا، ایک دن جب میں پیسے دینے لگا تو وہاں کی منتظمہ نے مجھ سے کہا اچھا آپ ہی ہیں روزانہ دو پیسے زیادہ دے جایا کرتے ہیں، ہمارا حساب بڑھتا تھا اور ہم کئی روز سے اس شخص کی تلاش میں تھے جو زیادہ (PAYMENT) کر جاتا ہے۔ آپ کو غلطی سے دام زیادہ بتلادیئے گئے، یہ آپ کے پیسے ہیں جو الگ رکھ لئے گئے ہیں، یورپین لڑکی میں ایمانداری کا وصف خدا پرستی کے جذبہ سے نہیں پیدا ہوا، وہاں چرچ فیل ہو چکا ہے، ایمانی قدریں (VALUES) ضائع ہوگئیں تو انھوں نے خالص مادی نفع کے لئے تجارتی اخلاق وضع کر لئے اور ایسا ذہن بنالیا جو کامیاب تاجر کے لئے ضروری ہے۔

اخلاق کی دو قسمیں:

یورپ کے اخلاق میں توازن نہیں، ان کی مثال وہی ہے کہ گڑ کھائیں، اور گلگلوں سے پرہیز، افراد کے چھوٹے چھوٹے معاملوں میں وہ بڑی ایمان داری سے کام لیتے ہیں لیکن جب اپنی قوم کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے تو ایسے ایمان دار افراد قوموں کو نگل جاتے

ہیں۔انفرادی زندگی میں ان کا یہ حال ہے کہ اگر ۹ بج کر ۱۵ منٹ پر آنے کا وعدہ کریں تو ٹھیک اسی وقت پہنچیں، لیکن قومی معاملات میں دوسری قوموں کو دھوکا دینے میں انہیں ذرا تامل نہیں، عربوں کے ساتھ ان کی عہد شکنی ضرب المثل ہے، ہم خود ان کا یہاں تجربہ کر چکے ہیں، ان میں اخلاق خدا پرستی، اور آخرت کی جواب دہی کی بنیاد پر نہیں آئے، بلکہ نفع اندوزی اور مصلحت کے لئے انہیں اخلاقی ذہن بنانا پڑا، جب مصلحت کا تقاضا ہو تو بڑے بااخلاق، وعدے کے پکے اور جہاں ان کی مصلحت کا تقاضا کچھ اور ہو تو بڑی سے بڑی بد اخلاقی میں ان کو باک نہیں۔

پیغمبروں کے پیدا کئے ہوئے اخلاق:

میرے عزیزو! پیغمبروں کی تعلیم سے جو اخلاق بنتے ہیں وہ مستقل اور مصلحت اندیشی سے پاک ہوتے ہیں۔نفع ہو یا نقصان، جان جائے یا رہے، وہ اعلیٰ اخلاق کو نہیں چھوڑتے، آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے ایسا ذہن بنا تھا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز جو اس وقت متمدن دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا تھے، ایک رات حکومت کا کام کر رہے تھے، سرکاری چراغ جل رہا تھا، ایک ملنے والے آ گئے، وہ سلام کر کے مزاج پوچھنے لگے، انہوں نے جواب دینے سے پہلے چراغ بجھا دیا، پھر ٹمٹماتا ہوا دیا منگایا، آنے والے نے جب دریافت کیا تو کہا وہ بیت المال کا چراغ تھا، تم آپس کی باتیں کرنے لگے، اس لئے میں نے اس کو گل کر دیا کہ اگر اس کی روشنی میں گھریلو باتیں کروں گا تو اللہ کو کیا جواب دوں گا، ایسی احتیاط کے نمونے کہیں کریملن (KREMLIN) کی حدود میں نظر آ سکتے ہیں، یہ اخلاقی قدریں اور روحانی بلندیاں ان کے خیال میں نہیں آ سکتیں، وہ زیادہ سے زیادہ اتنا سوچ سکتے ہیں اور ان کے خیال کی پرواز یہیں تک محدود ہے کہ ہر انسان کو پیٹ بھر کھانا، دوا، اور رہنے کو مکان ہو، بیگار نہ لو، خواہشات کا احترام کرو وغیرہ وغیرہ۔

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ جو ایران اور رومن ایمپائر کے دو زبردست شہنشاہیوں کے زبردست فاتح تھے، ان کے زمانہ میں قحط پڑا تو اچھی غذا اپنے اوپر حرام کر لی، وہ سرخ و

سفید تھے، لیکن تیل کھاتے کھاتے ان کے چہرے کا رنگ سانولا ہو گیا۔

سب سے بڑی دوستی اور ملک کی وفاداری:

حضرات! ہم سیدھی سادی بات یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے راستہ کی دعوت دینے آئے ہیں، ہم اس بنیاد پر انسانوں کو انسانیت کی دعوت دینے آئے ہیں، ہم اس کو سب سے بڑی وطن دوستی اور مل کی وفاداری سمجھتے ہیں، ہم سے زیادہ کوئی اس کی خدمت نہیں کر سکتا، ہم مانتے ہیں کہ ملک کے لئے ایسے ادارے ضروری ہیں جن سے ملک ترقی کرلے ،ہم ان کی تحقیر نہیں کرتے، ملک کے لئے تعلیمی اداروں شفا خانوں، صفائی کے محکموں کی ضرورت ہے، ملک کو رسل ورسائل (COMMUNICATION) دفاع (DEFENCE) اور دوسرے محکموں کی ضرورت ہے، ان سب کے باوجود ملک میں ظلم اندھیرا اور دوسرے کے پیٹ کاٹنے کا جو طاعون پھیلتا جارہا ہے، اسے نہ روکا گیا تو اس کی عزت، اس کا وقار اس کی آزادی خاک میں مل جائے گی ہم سب سے کہتے ہیں کہ یہ ملک کی سب سے پہلی ضرورت ہے۔ وہ تمام ادارے جنہیں میں پہلے ضروری اور مفید کہہ چکا ہوں سب اس کے بعد آتے ہیں ہم اس حقیقت کے پرچار کے لئے گھر سے نکلے ہیں، کوئی اور اس کام کو کرتا ہوتا تو اس کے ساتھ تعاون کرتے۔

ہماری دعوت:

ہم علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں حصہ رسد بٹانے نہیں آئے تھے، ہم ان ملکوں کو چھوڑ کر جو خود دولت سے بھرے ہوئے تھے، یہاں کی دولت میں حصہ بٹانے نہیں آئے تھے، ہم ایک مشن، ایک خدمت پر آئے تھے، ہم یہاں خدا کے بندوں کو خدا کا بندہ بنانے آئے تھے، یہاں جو مسلمان آئے تھے، وہ اخلاق، محبت، خدا پرستی کا پیغام لے کر آئے تھے، انہوں نے اس ملک کو کچھ دیا، لیا نہیں، وہ یہاں سے کچھ لینے نہیں آئے تھے اس کو کچھ دینے آئے تھے، وہ رہنے آئے تھے، یہاں سے جانے کے لئے نہیں آئے تھے، اگر ایسا سوچتے تو تاتالہ کی ایسی شاندار و پائیدار مسجد نہ بناتے، وہ تو

خدا پرستی اور انسان دوستی کی دعوت دیتے تھے، کہاں کے عرب کہاں کے عجم، یہ سب ہماری بنائی ہوئی خود ساختہ حدیں ہیں، ساری دنیا کے پیدا کرنے والے خالق و مالک اور رازق اور ساری دنیا کو بغیر شرکت چلانے والے ایک اللہ کی طرف سے وہ یہ تعلیم لائے تھے ،انہوں نے دنیا سے لئے بغیر ساری دنیا کی خدمت کی ، انہوں نے سچے موتیوں سے انسانیت کی جھولی بھر دی اور اپنے ہاتھ خالی رکھے، اپنے بچوں کی مطلق فکر نہ کی اور اپنے کنبے کی طرف سے آنکھیں بند کر کے پیٹ پر پتھر باندھ باندھ کر لوگوں کی سیوا کی، ان کی تکلیفوں کو راحتوں سے بدلا، جو آیا غربا میں تقسیم کیا، ضرورت مندوں کی جھولیاں بھریں ،انہیں خادم اور ملازم دیئے اور اپنے بچوں کو بالکل محروم رکھا۔ ایک دفعہ جناب رسول اللہ ﷺ چٹائی پر لیٹے تھے، جسم پر نشانات پڑ گئے تھے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو کہا اللہ اکبر، آپ اللہ کے رسول ہو کر اس تکلیف میں رہیں اور دنیا کا خون چوسنے والے ظالم قالینوں اور مسہریوں پر آرام کریں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، عمر عیش تو آخرت کا عیش ہے۔

مسلمانوں کی غلطی:

میرے بھائیو ! ہم مسلمانوں سے کڑوی بات کہتے ہیں، ہم ان سے کہتے ہیں کہ تم نے ان باتوں کو مانا ہے، تمہارا ان پر ایمان ہے، تم ان اخلاق و کردار کو چھوڑ کر جانوروں کی سطح پر آ گئے، تم اپنے کردار اور عمل سے اسلام کو بدنام کرتے ہو، اس کے روشن نام کو بٹہ لگاتے ہو، تو تم دنیا کو اسلامی زندگی کی جو چلتی پھرتی فلم دکھلا رہے ہو، وہ بڑی افسوس ناک ہے، تم نے جو زندگانی کا نمونہ پیش کیا ہے اس میں کون سی جاذبیت (ATTRACTION) ہے، پہلے تم جس راہ سے گزر جاتے تھے نقش چھوڑ جاتے تھے، دیر تک تمہاری خوشبو محسوس ہوتی رہتی تھی ، جیسے نسیم کی خوشگواری محسوس ہوتی رہتی ہے، مسلمان جدھر سے گذر گئے گلی کوچے معطر کر گئے اور جہاں سے چلے آئے وہاں سے سفارشیں بھیجی گئیں کہ ہمارے ملک میں سب کچھ ہے، مسلمان نہیں ہیں جنہیں دیکھ کر لوگ اپنی زندگی درست کریں اور جو ان کے مقدمات و معاملات میں بے لاگ فیصلہ کریں، ان کی خواہش پر مسلمان بھیجے گئے،

افسوس اب تم ایسے بن گئے کہ تمہارے نہ ہونے سے ملک میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی، آج تک کسی نے اپنے ملک سے ماہرین فن، ڈاکٹروں اور دستکاروں کو نکالا ہے، مشرقی پنجاب میں لوہاروں کی ضرورت تھی تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ بسائے گئے، اگر تم میں اخلاقی برتری (MORAL SUPERIORITY) ہوتی تو اخلاقی ضرورت کا احساس مجبور کرتا کہ تمہیں ملک کی امانت سمجھ کر رکھا جائے، تمہارے دودھ والے پانی ملانے سے پرہیز کرتے، تمہارے درزی کپڑا بچانے کو عیب سمجھتے، تمہارے دستکار اور مزدور محنت سے پورا دن لگ کر کام کرتے، تمہارے حاکم رشوت کو حرام سمجھتے تو دنیا کا کوئی ملک تمہاری جدائی کو گوارا نہ کرتا۔

ایک کشتی کے سوار:

اپنے وطنی بھائیوں سے بھی مجھے دلی محبت ہے، ہمارا آپ کا مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔ آپ اچھے تو ہم بھی اچھے، آپ کی تکلیف ہماری تکلیف ہے، اللہ کے پیغمبر کسی خاص ملک کو نوازنے نہیں آئے، وہ سارے عالم کے لئے رحمت بن کر آئے، "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" خدا کے آخری نبی حضرت محمد عربی ﷺ نے آکر عربوں کے قومی غرور کو پاش پاش کر دیا، انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے نسلی غرور کو توڑ دیا ہے، میں انہیں اپنے قدموں سے روند رہا ہوں، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، نہ عجمی کو عربی پر، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں، کشتی میں ایک اوپر کا درجہ (STOREY) ہے اور ایک نیچے کا، نیچے والے اگر اس میں سوراخ کریں اور اوپر والے ان کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کشتی غرق ہو جائے گی۔ اور نیچے اوپر والے سب ڈوب جائیں گے، آج ہمارے ملک کی زندگی کے نچلے حصہ میں شگاف کیا جا رہا ہے، اسے روکنے کی فکر کریں، اس میں پاجامے اور دھوتی کی کوئی تمیز نہیں، کسی کلچر اور تہذیب کی کوئی قید نہیں، سمندر کسی کی رعایت نہیں کرتا، اللہ ہمیں سمجھ دے، سینوں کو روشن کرے، ہم انسانیت کا درد محسوس کریں، اپنے اس پیارے ملک کو جس پر ہمارا حق ہے

،جس کو ہم نے خون پسینہ سے سینچا ہے،ہم پیغمبروں کے راستے سے سنواریں،ہم اس کو ایک نمونہ کا ملک بنادیں۔،جس میں ایمان،یقین،اخلاق،انسانیت اور ہمدردی وایثار کی فضا ہو،اس کے لئے ایک جری قدم (BOLD STEP) کی ضرورت ہے،قدم اٹھایئے، میں نے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا،آپ اس کا وزن محسوس کریں،یہ بوجھ تنہا ہماری طاقت سے باہر ہے،اس کا پرچار کریں اور سنجیدگی سے اس کے لئے کچھ کرنے کا فیصلہ کریں۔اسی اکتفا پر کرتے ہوئے آپ سے اجازت چاھتا ہوں

اللہ تعالٰی ہم سبھوں کو دین پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین .

ایک مقدس وقف اور اس کا متولی

یہ مولانا مرحوم کا وہ یادگار تاریخی خطاب جو انہوں نے بنتھر اروڈ کے ایک مخلوط اجتماع میں پیش فرمایا تھا، جس میں ہندو مسلم حضرات کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔

الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الأنبیاء والمرسلین وعلی آله وصحبه اجمعین ومن تبعهم باحسان ودعیٰ بدعوتهم الی یوم الدین اما بعد !

میرے! دوستو! اور بھائیو! اس وقت ہمارے ملک میں جلسوں اور مجلسوں کا اچھا خاصا رواج ہے، لیکن یہ جلسے اور مجلسیں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک وہ جو بالکل ذاتی غرض اور مقصد کے لئے منعقد کی جاتی ہیں خواہ اس کے پیچھے کوئی جماعت اور سیاسی پارٹی کام کرتی ہو یا کسی جماعت یا پارٹی کا نام لیا جاتا ہو، اس کی روشن مثال الیکشن کے جلسے ہیں، الیکشن کی بدولت قصبے قصبے گاؤں گاؤں جلسے ہوتے ہیں اور اس کے لئے سخت جدوجہد کی جاتی ہے، وقت صرف کیا جاتا ہے اور روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے جو لوگ کسی نشست کے لئے کھڑے ہوتے ہیں وہ ووٹ دینے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ انتخاب کے لئے موزوں ترین اور لائق ترین آدمی ہیں۔ ان جلسوں میں زندگی کے اصول اور اخلاق اور اچھا شہری بننے کی تعلیم نہیں دی جاتی، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کو زیادہ سے زیادہ ووٹ دیئے جائیں، ان کے نزدیک وہی لوگ قابل تعریف ہیں اور انہیں کی زندگی کی قیمت ہے جو ان کی حمایت کریں اور ان کو ووٹ دیں، خواہ وہ اخلاقی حیثیت سے پست اور اصول وسیرت اور کردار کے لحاظ سے ادنیٰ درجہ کے انسان ہوں۔

دوسری قسم کے جلسے وہ ہوتے ہیں، جو مذہبی رسوم یا معاشرتی (سوشل) تقریبات

کے سلسلے میں منعقد ہوتے ہیں، اس طرح کے جلسے مسلمانوں میں بھی ہوتے ہیں اور ہندوؤں میں بھی، لیکن افسوس کی بات ہے کہ مذہبی جلسے جو کبھی قوموں میں زندگی پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوتے تھے اور اصلاح وانقلاب کا پیغام دیتے تھے، اب کوئی پیغام اور پروگرام نہیں رکھتے، اسی طرح سے وہ معاشرتی تقریبات جن سے کبھی اصلاح اور اجتماعیت کا کام لیا جاتا تھا، ایک طرح سے بے روح اور بے جان ہوگئی ہیں اور لگے بندھے نظام کے ماتحت ہونے لگی ہیں۔

ان جلسوں کی بے اثری:

ان جلسوں میں لوگ جو ذہن لے کر آتے ہیں، وہی ذہن لے کر جاتے ہیں، اس میں کوئی تغیر اور کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، بلکہ ان جلسوں کی شرکت سے ایک قسم کا اطمینان پیدا ہوتا ہے، ان میں شریک ہونے والا سمجھنے لگتا ہے کہ شرکت سے وہ ہلکا اور پاک ہوگیا اور اس نے جو پاپ کئے تھے وہ دھل گئے، آج مذہب سے انسانوں کے دل ودماغ پر چوٹ نہیں لگتی، مذہبی تقریبات کی شرکت سے اطمینان اور سکون بڑھ جاتا ہے۔

مذہب غلط زندگی کا حریف ہے:

حالانکہ مذہب غلط زندگی کا حریف ہے، اس کا سمجھوتہ خرابیوں، پاپ اور بد اخلاقیوں سے ناممکن ہے، پہلے قسم کی زندگی گزارنے والے ان جلسوں سے کتراتے تھے کہ کہیں مذہب ان کی حرکتوں پر تنقید نہ کرے، قرآن مجید میں حضرت شعیبؑ اور ان کی قوم کا مکالمہ نقل کیا گیا ہے، حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا، اے قوم! ناپ تول میں کمی نہ کرو، تم ڈنڈی مارتے اور کم تولتے ہو، گاہک سے زیادہ زیادہ لینے کی فکر میں رہتے ہو اور اس کو کم سے کم دینے کی کوشش کرتے ہو، یہ مہا پاپ (بڑا گناہ) ہے! قوم نے جواب دیا کہ کیا تمہاری نماز تم کو اس کی تعلیم دیتی ہے کہ تم ہمارے اس طرز عمل پر اعتراض کرو اور ہم کو اپنے مال میں آزادانہ کارروائی کرنے سے روکو؟ قوم نے تشخیص ٹھیک کی۔ یہ سب رکاوٹیں نماز ڈالتی ہے اور زندگی میں غلط اور صحیح کی تمیز کراتی ہے۔ ایک صحیح اور زندہ

مذہب زندگی میں غلطیوں اور گناہوں پر خاموش نہیں رہ سکتا۔

بھائیو! ہمارا یہ جلسہ نئے طرز کا ہے، نہ الیکشن کے جلسوں میں کا کوئی جلسہ ہے نہ مذہبی تقریبات میں سے کوئی تقریب ہے، ہم اس جلسہ میں کوشش کریں گے کہ بتائیں کہ زندگی کا صحیح راستہ کیا ہے اور انسان پستی میں کیوں گر گیا ہے؟

سب سے مقدم سوال:

آپ جب کوئی کام کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ طے کرتے ہیں کہ کس نیت سے کیا جائے، اور اس معاملہ میں آپ کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی تہہ میں یہ بنیادی حقیقت کام کر رہی ہے کہ انسان نے دنیا میں اپنے کو کیا سمجھا اور اس کو کیا کیا مقام اور پوزیشن حاصل ہے؟ اگر یہی بات صحیح سمجھ لی گئی تو ہر کام ٹھیک ہوگا اور اگر اسی منزل پر غلطی ہوگئی تو غلطی ہوتی ہی چلی جائے گی۔

انسان خدا کا نائب اور خلیفہ ہے:

دوستو! اسلام نے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ انسان دنیا میں خدا کا نائب، خلیفۃ اللہ اور دنیا کا (Trusty) ٹرسٹی ہے، دنیا ایک وقف ہے اور انسان اس کا متولی، اس کے ذمہ یہاں کا انتظام اور ہدایت کا کام ہے، دنیا میں چھوٹے بڑے بہت سے وقف ہوتے ہیں، یہ سارا عالم، یہ ساری کائنات، ایک عظیم الشان وقف (ٹرسٹ) ہے، یہ کسی کی ذاتی ملکیت، یا کسی کے باپ دادا کی جائیداد نہیں ہے کہ جس طرح چاہے کھائے اڑائے، اس وقف میں جانور، چرند، پرند، درخت، دریا، پہاڑ، سونا، چاندی، سامان خوراک اور دنیا کی تمام نعمتیں ہیں، یہ سب انسان کے حوالے کی گئی ہیں، کیونکہ وہ ان کے مزاج سے بھی واقف ہے اور ان کا ہمدرد بھی، انسان خود اسی ٹرسٹ کی مٹی سے بنا ہے اور اسی خاک کا ہے، اور منتظم کے لئے واقفیت وعلم اور ہمدردی وتعلق دونوں شرط ہیں، انسان دنیا کے نفع ونقصان سے بھی واقف ہے، اور اس کے اندر اس کی ضروریات بھی رکھی گئی ہیں، اس لئے وہ اچھا ٹرسٹی بن سکتا ہے۔

مثال کے طور پر لائبریری (کتب خانہ) کا انتظام وہی اچھا کر سکتا ہے جس کو علم کا شوق ہو اور کتابوں سے لگاؤ اور دلچسپی ہو، اگر کسی کتب خانہ کا انتظام کسی جاہل کے سپرد کر دیا گیا، چاہے وہ کتنا ہی شریف اور اچھا آدمی ہو، وہ بہترین لائبریرین نہیں بن سکتا۔ لیکن جس کو علم کا شوق ہوگا اور کتابوں سے مناسبت، وہ اس میں کافی وقت صرف کرے گا، اس کے ذخیرے میں معقول اضافہ کرے گا اور اس کو ترقی دے گا۔

اسی طرح انسان چونکہ اسی دنیا کا ہے، اس کو اس سے دلچسپی بھی ہے اور وہ اس کا ضرورت مند بھی ہے، اس سے واقف بھی ہے اور اس کا ہمدرد بھی، اس کو اسی میں رہنا بھی ہے اور اسی میں مرنا بھی، لہذا وہ اس کی پوری دیکھ بھال کرے گا اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو ٹھکانے لگائے گا یہ کام اس کے علاوہ اور کوئی اس خوبی سے انجام نہیں دے سکتا۔

دنیا کے انتظام کے لئے انسان ہی موزوں ہے:

دوستو! جب حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور زمین میں اپنا نائب بنایا، فرشتے جو پاک اور روحانی مخلوق ہیں، جو نہ گناہ کرتے ہیں نہ گناہ کی خواہش رکھتے ہیں، بولے کہ اے مالک! آپ ایسے کو اپنا نائب بنا رہے ہیں جو دنیا میں خون خرابہ کرے گا، ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں، اور تیری عبادت میں مشغول رہتے ہیں، یہ منصب ہم کو عطا فرما، خدا نے جواب دیا، تم اس بات کو نہیں جانتے ہو، خدا نے آدم اور فرشتوں کا امتحان لیا، چونکہ آدم اسی خاک کے تھے، ان کو دنیا استعمال کرنی تھی، ان کی فطرت کو اس سے مناسبت تھی، اس لئے وہ اس کی ایک ایک چیز سے واقف تھے، انہوں نے ٹھیک ٹھیک جواب دیا۔ فرشتوں کو ان چیزوں سے واسطہ نہ تھا، اس لئے جواب نہ دے سکے، اس طرح خدا نے دکھا دیا کہ دنیا کے انتظام اور اس وقف کی تولیت کے لئے اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود انسان ہی موزوں ہے، بلکہ یہ کمزوریاں اور ضرورتیں ہی اس کو اس منصب کا اہل ثابت کرتی ہیں، اگر اس دنیا میں فرشتے ہوتے تو دنیا کی اکثر نعمتیں بیکار ہی ثابت ہوتیں اور ان کی وہ ترقی ہرگز نہ ہوتی جو انسان نے اپنی ضرورت اور خواہش کی بنا پر

دی۔

کامیاب قائم مقام:

لیکن یہ بھی آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ نائب اور قائم مقام کا فرض ہے کہ قائم مقام بنانے والے کی پوری پوری پیروی کرے، وہ اس کے اخلاق کا نمونہ اور پرتو ہو، اگر میں یہاں کسی کا قائم مقام ہوں تو کامیاب اور وفادار قائم مقام اسی وقت کہلاؤں گا جب اپنی بساط بھر اس کی نقل کروں اور اپنے اندر اس کے اخلاق پیدا کروں، خدا کی نیابت یہ ہے کہ اپنے اندر اس کے اخلاق پیدا کئے جائیں اور اس کی صفات سے مناسبت ہو، ہمیں بتلایا گیا ہے کہ اس کی صفات واخلاق میں علم، رحمت، شکر، احسان، انتظام، پاکبازی، عفوودرگذر، بخشش وعطا، عدل وانصاف، حفاظت ونگرانی، محبت، جلال وجمال، مجرمین سے گرفت وانتقام، جامعیت ووسعت ہے۔

اخلاق خداوندی کا مظاہرہ:

میرے دوستو! خدا کے پیغمبر محمد ﷺ نے انسان کو تعلیم دی کہ خدا کے اخلاق اختیار کرو (تخلقوا باخلاق اللہ) انسان اپنے محدود انسانی دائرے میں اور اپنی تمام بشری کمزوریوں کے ساتھ ان اخلاق خداوندی اور ان صفات اللہ کا پرتو اپنے اندر پیدا کرسکتا ہے وہ کبھی خدا نہیں ہوسکتا، لیکن دنیا میں خدا کے اخلاق کا مظاہرہ کرسکتا ہے، اور یہی ایک سچے نائب کا کام ہے، آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اگر انسان حقیقی طور پر اپنے کو خدا کا نائب سمجھنے لگے اور اخلاق خداوندی کو اپنی زندگی کا معیار بنائے تو خود اس کی ترقی و بلندی اور اس کے دور خلافت ونیابت میں دنیا کی خوش حالی اور سرسبزی کا کیا حال ہوگا؟ مذہب انسان کا بلندترین اور معتدل ترین تصور بخشتا ہے، وہ انسان کو خدا کا نائب اور اس زمین کے انتظام میں اس کا قائم مقام اور اس عظیم الشان وقف کا اس کو متولی قرار دیتا ہے، اس سے بڑھ کر انسان کا اعزاز اور انسانیت کی معراج نہیں ہوسکتی۔

دو متضاد تصور:

مگر انسانوں نے خود متضاد تصور قائم کئے، کہیں تو انسان کو خدا بنایا گیا اور اس کی عبادت ہونے لگی اور کہیں جانور سے بدتر سمجھ لیا گیا، اور اس کو گائے بیل کی طرح ہنکایا جانے لگا، بعض انسان خود خدا بن بیٹھے اور بعض اپنے کو جانور سے بدتر سمجھنے لگے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو صرف پیٹ سے کام ہے، اور صرف نفس دیا گیا ہے، یہ دونوں تصور غلط ہیں، بلکہ صریح ظلم ہے، نہ انسان خدا ہے نہ جانور، انسان، انسان ہی ہے، لیکن نائب خدا، ساری دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ خدا کے لئے، ساری دنیا اس کے سامنے جواب دہ ہے اور وہ خدا کے سامنے، یہ زمین، یہ دنیا، کسی کی ذاتی جائیداد نہیں، ایک وقف ہے، اور انسان اس کا متولی، اس تصور اور اس عقیدے کے بغیر دنیا کی چھول ٹھیک نہیں بیٹھ سکتی، تاریخ کی شہادت ہے کہ جب انسان اس راہ راست سے ہٹا اور اپنی حد سے بڑھا اور خدا بننے کی کوشش کی اور اپنے کو دنیا کا حقیقی مالک سمجھا یا اپنے مرتبے سے گرا اور اپنے کو جانور سمجھا یا دنیا کے انتظام اور تولیت سے دست بردار ہوا اور زندگی کی ذمہ داریوں اور فرائض سے اس نے گریز کیا تو خود بھی برباد ہوا اور یہ دنیا بھی تباہ ہوئی۔

انسان کا جماداتی تصور:

آج یورپ جس کے ہاتھ میں دنیا کی باگ ڈور ہے، اور وہ انسانیت کا لیڈر بنا ہوا ہے، اس نے حیوانیت کے درجہ سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا، اس نے انسان کا جماداتی تصور پیش کیا، وہ کہتا ہے کہ انسان روپیہ ڈھالنے کی مشین اور ایک کامیاب ٹیکسٹائل ہے، البتہ اس کے اندر خواہشات ہیں، لیکن سراسر حیوانی، کاش کہ وہ انسان کو صرف ایک مشین ہی رہنے دیتا جس کے اندر اپنی کوئی خواہش اور ارادہ نہیں ہوتا ستم بالائے ستم یہ ہے کہ وہ مشین بھی ہے اور خود غرض بھی اور مردم آزار بھی، یورپ کے اس دور قیادت میں سارا عالم ایک بے جان فیکٹری بنتا جاتا ہے، جس میں کبھی کبھی بڑا خطرناک ٹکراؤ ہو جاتا ہے، اس مشینی دور میں لطیف انسانی جذبات و احساسات، انسان

سے ہمدردی، دل کا گداز ڈھونڈنے سے نہیں ملتا، اس ٹیکسٹائل میں کہیں خدا کا نام نہیں، اس کی سچی طلب، دل سوزی نہیں، نہ آنکھوں میں نمی ہے، نہ دل میں گرمی، نہ انسانیت کی لطافت، نہ قلب وروح کی حرارت، حالانکہ جس دل میں محبت اور معرفت نہیں وہ انسان کا دل نہیں، پتھر کی سل ہے، جس آنکھ میں کبھی آنسو نہ آئے وہ انسان کی آنکھ نہیں، نرگس کی آنکھ ہے۔

معاشی مسئلہ یا لطف وتفریح:

اب سوائے روپیہ، پیٹ اور اغراض کے کچھ نہیں۔ میں اپنے شہر میں صبح نکلتا ہوں تو مختلف پارٹیوں اور دوستوں کی ٹولیوں کے پاس سے گذرنا ہوتا ہے، ادھر سے دو آدمی گذرے، ادھر سے چار آدمی آئے لیکن سوائے اس کے اور کچھ سننے میں نہیں آتا کہ آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟ آپ کی بالائی آمدنی کیا ہوجاتی ہے؟ آپ کا تبادلہ کہاں ہورہا ہے. فلاں افسر بدمزاج ہے، فلاں افسر بہت اچھا ہے، بیٹے کی شادی میں اتنا خرچ ہوا، بیٹی کو اتنا جہیز دیا ہمارا فنڈ اتنا جمع ہے. فلاں کا بینک میں اتنا حساب ہے، اوراب تو کرکٹ کا دور دورہ ہے ہر جگہ کرکٹ کا تذکرہ، ہر جگہ کھیلنے والوں پر تبصرہ! میں کھیل کا مخالف نہیں، خود بھی کھیلا ہوں اور اس کا ذوق رکھتا ہوں، ورزشوں اور مردانہ کھیلوں کو مفید اور ضروری سمجھتا ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہی زندگی کا ایک موضوع بن کر رہ جائے اور صبح سے شام تک اس کے تذکرہ سے فرصت نہ ہو، آپ نے سنا ہوگا کہ پاکستان میں اس خبر سے ایک صاحب کا ہارٹ فیل ہوگیا کہ ایک کھلاڑی ۹۹ رنز بنا کر آؤٹ ہوگیا اور سنچری نہ بنا سکا، میں نے بعض سفروں میں دیکھا ہے کہ دو دو تین تین گھنٹے تک مسلسل کرکٹ کی ٹیم اور اس کے کھیل پر تبصرہ ہوتا رہا، ایک منٹ کے لئے بھی موضوع نہ بدلا، انسانو! تم نے دنیا کو کلب بنایا، ٹیکسٹائل بنایا، کارخانہ بنایا، جنگ کا میدان بنایا مگر آدمیوں کی بستی نہ بنائی!

دل کی سچی پیاس:

پہلے ہر گاؤں، ہر قصبے میں اللہ کے ایسے بندے ہوتے تھے جن سے دل کی پیاس

بجھتی تھی، جس طرح زبان کی ایک پیاس ہوتی ہے، اسی طرح دل کی بھی پیاس ہوتی ہے۔ زبان کی پیاس پانی، شربت، سوڈے لیمن سے بجھتی ہے، دل کی پیاس سچی اور پاک محبت کی باتوں اور محبوب حقیقی کے تذکرے سے بجھتی ہے، وہ روپیہ دولت اور نفس کی خواہشات کے ذکر سے بھڑکتی ہے، آج ہر چیز کی دوکانیں ہیں، منڈیاں ہیں، بازار ہیں، لیکن دل کی رواہ اور روح کی غذا نایاب ہوتی جارہی ہے اور کہنے والے عرصہ سے کہہ رہے ہیں .... ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

آج نہ گھروں میں خدا کا ذکر ہے، نہ ریلوں میں، حتیٰ کہ مسجدوں میں بھی اس کا ذکر فکر کم سے کم ہوتا جارہا ہے، آج جگہ جگہ ہوا وہوس اور ناؤنوش کا شور برپا ہے، رہی سہی کمی یہ سینما پوری کردیتے ہیں جو حیوانی جذبات بھڑکانے کا خاص کام کرتے ہیں، روح بے قرار ہے، اللہ کا بندہ کہاں جائے؟ اگر صرف پیسہ ہی کمانا انسان کا کام ہے، اور پیٹ بھر لینا ہی اس کا فرض تھا تو یہ دل انسان کو کیوں دیا گیا، دماغ کیوں عطا کیا گیا، ایسی بے چین اور بلند پرواز روح کیوں بخشی گئی، ایسی گوناگوں اور عجیب وغریب صلاحیتیں کیوں ودیعت کی گئیں؟

کسی کو انسانیت کا درد نہیں:

یورپ نے انسان کو ایندھن سمجھ لیا، وہ اپنی عزت وخواہشات کے الاؤ میں انسان کو لکڑی، کوئلہ کی طرح ڈالتا جارہا ہے، امریکہ کی خواہش ہے کہ شمالی کوریا اور کمیونسٹ چین کو بھینٹ چڑھادے، روس چاہتا ہے کہ قوم پرست چین کو تباہ کرکے رکھ دے، پورا یورپ چاہتا ہے کہ مشرق بعید یا مشرق وسطیٰ جنگ کا میدان بن جائے، کسی کو انسانیت کا درد نہیں، کسی کے دل میں انسان کا احترام نہیں، سب خدا کی مملکت کے غاصب بننا چاہتے ہیں، کوئی خدا کا نائب بننا نہیں چاہتا، کوئی اپنے کو اس مقدس وقف کا متولی نہیں سمجھتا۔

ایشیا اور افریقہ میں بھی حکومتوں کی بنیاد ہدایت ورہنمائی کے اصول، انسانوں کی

فلاح و بہبود، اخلاقی اصلاح اور انسانیت کی ترقی پر نہیں، سب کی بنیاد مالی وسائل اور آمدنی کے وسائل کی ترقی واضافہ پر ہے، ان کے نزدیک قوم کی اخلاقی حالت اور انسانی مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کے لئے کوئی مالی نقصان برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، اگر کسی غلط ادارہ یا کسی تفریحی صنعت سے اس کو بڑی آمدنی ہوتی ہے اور قوم کے کسی طبقہ یا نئی نسل کو اس سے نقصان پہنچتا ہے تو وہ کبھی اس آمدنی سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں، چاہے آئندہ نسلیں بالکل تباہ اور اخلاق بالکل برباد ہوجائیں۔

خود کرنے کا کام:

دوستو! اس وقت ایمان واخلاق اور انسانیت کا مسئلہ نہ حکومتوں پر چھوڑا جاسکتا ہے نہ اداروں اور تعلیم گاہوں پر، یہ بڑا وسیع اور عالمگیر مسئلہ ہے، اس کے لئے ہم سب کو کوشش کرنے کی ضرورت ہے، یاد رکھئے جس کام کو افراد اور عوام کرنے کے لئے تیار نہ ہوں اور جس کی اہمیت کا احساس جمہور اور عوام کو نہ ہو وہ کام جتنا بھی آسان ہو عمل میں نہیں آسکتا۔ اور بڑی سے بڑی حکومت بھی اس کو انجام نہیں دے سکتی، اس کے لئے عمومی اور عوامی کوشش کی ضرورت ہے۔

پیغمبروں نے اپنی ذات اور عام افراد کی کوشش سے دنیا میں انقلاب برپا کردیا، ہم کو آپ کو ان کے نقش قدم پر چل کر اس کی کوشش کرنی چاہئے، خود اپنی اصلاح کرنی چاہئے اور عام اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، اس کی کوشش کی جائے کہ انسان اس دنیا کو مقدس وقف اور اپنے کو ایک ذمہ دار متولی سمجھنے لگے، وہ اپنے کو اس دنیا میں خدا کی نیابت و خلافت کا اہل ثابت کرے اور اخلاق خداوندی کے ساتھ خدا کی مخلوق کے ساتھ برتاؤ کرے، یہی اصلاح کا طریقہ ہے اور اسی میں انسانیت اور دنیا کی نجات ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اس سے خبردار رہئے کہ کوئی امریکی یا یورپی اسلام پیدا ہو جائے

یہ تقریر شمالی امریکہ کے شہر نیو جرسی (NEW JERGEY) کے اسلامک سینٹر میں ۴ جون ۱۹۷۷ء کو کی تھی، تقریر سے پہلے فاضل مصری عالم ڈاکٹر سلیمان دنیا نے مقرر کا تعارف کرایا اور عربی زبان و اسلامی علوم میں ہندوستانی علماء کی خدمات اور کارناموں کو سراہا اور کہا کہ اسلام جغرافیائی و ملکی حدود سے آزاد ہے، اور اس میں عجمی مسلمانوں نے عرب علماء کے برابر یا ان سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، سامعین میں تعلیم یافتہ عربوں، ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد شریک تھی، جو امریکہ میں مقیم ہیں، عربی تقریر ٹیپ سے نقل کی گئی، حضرت مولانا نے اپنی زندگی میں اس پر نظر ثانی اور قدرے ترمیم و اضافہ کیا جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

الحمد نحمده و نستعينه و نستغفره و نومن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له و اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له و اشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و على آله و صحبه اجمعين و من تبعهم باحسان و دعىٰ بدعوتهم الى يوم الدين امابعد قال الله تعالىٰ و لا تبرجن تبرج الجاهلية الاولىٰ صدق الله العظيم

دوستو اور بھائیو! میری خوش قسمتی ہے کہ اس بڑے اسلامی مرکز میں اس مبارک موقع پر آپ سے ملاقات ہو رہی ہے، شمالی امریکہ اور کنیڈا کا یہ میرا پہلا دورہ ہے، اس سے پہلے میں اس ملک اور اس میں اسلام کی اشاعت اور یہاں بس جانے والے مسلمان

بھائیوں کے دینی شغف اور دین سے محبت اور دلچسپی کے بارے میں سنا کرتا تھا، لیکن آپ سے اپنا یہ احساس چھپانا نہیں چاہتا کہ مجھے اندازہ تھا کہ میں اللہ کے کرم سے اس دور افتادہ ملک میں اپنے دینی بھائیوں کی اتنی بڑی تعداد سے ملوں گا، اور دین کے لئے اتنا جوش وخروش اور ایسا مبارک اسلامی جذبہ دیکھنے میں آئے گا۔

مجھے یہاں آکر معلوم ہوا کہ اسلام اس ملک میں قدم جمانے کی کوشش کر رہا ہے جو معاصر دنیا پر حکومت کر رہا ہے، اور اپنی ٹیکنالوجی جدید تجرباتی علوم اور ایجادات کی بدولت دنیا کی سیاسیات پر بھی چھایا ہوا ہے، خدا کا شکر ہے کہ اسلام اس منطقہ میں داخل ہو چکا ہے، اور برابر اپنا راستہ صاف کرتا جا رہا ہے، اور انشاء اللہ وہ دن قریب ہے، جب اس دور دراز ملک میں اسلامی معاشرہ قائم ہو جائے گا۔

میں اسے اسلام کے لئے ایک فال نیک اور مسلمانوں کے لئے سعادت ومسرت کی بات سمجھتا ہوں، لیکن اسی کے ساتھ میرا جو تھوڑا بہت تجربہ اور تاریخ کا مطالعہ ہے، اس کے پیش نظر مجھے ایک اندیشہ بھی لاحق ہو رہا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام اسلامی ثقافت اور اسلامی زندگی کے مراکز سے ہزاروں میل دور ملک میں اسلامی معاشرہ کا وجود بڑے خطرات اور نزاکتیں رکھتا ہے، فاضل محترم ڈاکٹر سلیمان دنیا (جن کی علمی کاوشوں سے میں نے بھی استفادہ کیا ہے) نے صحیح فرمایا کہ "اسلام کسی ملک کے ساتھ مخصوص نہیں" میں بھی ان سے اس بات میں سو فیصد اتفاق کرتا ہوں کہ اسلام کوئی مخصوص ملکی اور علاقائی مذہب نہیں لیکن اس سب کے باوجود اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اسلام کو ایک مخصوص ماحول اور مناسب فضا کی بھی ضرورت ہے، وہ اس ذوق کا بھی طالب ہے، جو فکر وشعور اور قلب ونظر کے معیاروں پر حاوی ہو اور دور سے اس سے اسلام کی خوشبو آتی ہو، اسے ایک اسلامی وطن کی بھی ضرورت ہے، اور اگر میں مزید صراحت ووضاحت سے کام لوں تو یوں کہوں گا کہ اسے ایک خاص موسم، آب وہوا اور متعین درجہ حرارت وبرودت (TEMPERATURE) کی بھی ضرورت ہے، کیوں کہ وہ ایک زندہ انسانی دین ہے، وہ کوئی ذہنی وفکری فلسفہ نہیں، جو دماغوں اور فلسفیانہ کتابوں میں محدود رہتا یا لائبریریوں کی زینت ہوتا ہے،

اسلام صرف عقیدہ نہیں ، اور نہ وہ محض انسان کے مذہبی عقائد واعمال کی (کوئی چھوٹی بڑی) خشک فہرست ہے۔

اسلام بیک وقت عقیدہ وعمل ، معاملات واخلاق ، جذبہ وشعور کا حامل ہے ، اس طرح وہ ایک خاص طرح کا ذوق بھی رکھتا ہے ، ایسا ذوق جو انسان کا احاطہ کر لیتا ہے ، اور اسے ایک نئے طرز میں ڈھال دیتا ہے ، اگر کسی کو اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے شرح صدر نصیب کرے اور وہ اس پر خدا کے پسندیدہ دین اور آخری رسالت سمجھ کر ایمان لائے تو وہ اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے گا اس پر ایک نیا رنگ چڑھ آئے گا ، اور اس طرح اس کی کایا پلٹ جائے گویا ، وہ از سر نو پیدا ہوا ہے ، کیوں کہ وہ ایک مستقل زندگی اور کامل و جامع زندگی ہے ، اس میں انقلاب وتغیر اور کمال و جمال کا ہر پہلو موجود ہے ، اسلام کوئی خشک و بے روح عقیدہ اور لفظی وکتابی مذہب نہیں ، بلکہ وہ ایسا دین ہے ، جو انسان کے باطن واندرون میں جذب و پیوست ہو کر رگ و پے میں بجلی کی لہر بن کر دوڑنے لگتا ہے ، جیسے کرنٹ ایک تار سے دوسرے تار میں جاری اور منتقل ہو جاتا ہے۔

حضرات ! اگر اسلام کی یہ صحیح تصویر سامنے ہو تو وہ لفظ وحرف کے ذریعہ محض نقل و روایت ہونے والی چیز یا محض کتاب میں دیکھ لینے والی چیز نہیں ، وہ سوچنے کا ایک خاص ڈھنگ اور مخصوص ذوق ہے ، اس لئے اشیاء کے بارے میں وہ پسندیدہ وناپسندیدہ اور خوب وناخوب کا فیصلہ اور حکم کرتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بہت سی چیزوں کو پسند اور بہتوں کو ناپسند فرماتے تھے ، مثلاً آپ ہر اچھے کام کو دائیں سے شروع کرنا پسند فرماتے حتیٰ کہ پاپوش پہننے اور کنگھی کرنے میں دائیں جانب سے آغاز فرماتے تھے ، اسی طرح بہت سی چیزوں سے آپ کو نشاط وانشراح اور بہت سی چیزوں سے تنغض اور انقباض ہوتا تھا ، تو دراصل اسلام ایک نبوی وآسمانی ذوق سلیم ہے ، جو سات آسمانوں کی بدلیوں سے اترا ہے ، اور انبیاء علیہم السلام اس کے حامل ووارث بنے ہیں ، اور اس کی وراثت چھوڑی ہے :

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سلام کو صبغۃ اللہ (خدائی رنگ) فرمایا ہے ،

اگر اسلام صرف عقیدہ یا صرف عمل ہوتا تو اسے رنگ اور طرز نہ کہا جاتا، کیونکہ "صبغۃ" چھاپ اور ٹھپے، ممتاز علامت اور فیصلہ کن شعار کے معنے میں ہے، اور یہ اسی وقت ہوگا، جب اسلام ایک انسان اور دوسرے انسان میں، ایک زندگی اور دوسری زندگی، ایک کردار اور دوسرے کردار، ایک ذوق اور دوسرے ذوق میں کھلا فرق وامتیاز پیدا کردے، اور اشیاء اور اقدار حیات کے معیاروں کا اختلاف نمایاں کردے کیونکہ اسلام کی میزان ومعیار کفر و جاہلیت کی میزان ومعیار سے بالکل الگ ہیں، اسی لئے آپ حدیث نبوی اور سنت کے ذخیرہ میں جاہلیت اور اس کے شعاروں کے بارے میں تنبیہ دیکھیں گے، مثلاً کبھی فرمایا جاتا ہے کہ یہ چیز جاہلی عادات میں سے ہے، یہ چیز حمیت جاہلی جیسی ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ. (الاحزاب ۳۳)

تم عورتیں اگلی جاہلیت جیسی آرائش ونمائش نہ کرو۔

ایسا کیوں کہا گیا؟ جاہلیت کا دور تو کب کا ختم ہو چکا تھا، پھر قرآن جاہلیت سے کیوں عار دلاتا ہے؟ ایسا اس لئے ہے کہ جاہلیت ایک مستقل زندگی تھی، جس میں حسن وقبح، حلال وحرام، فرض وواجب، مباح وممنوع کی تقسیم اور اشیاء کو تولنے کے پیمانے مقرر تھے، اور ایسی زندگی تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا اور مکروہ وملعون قرار دیا اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ۔

ان اللہ نظر الیٰ اھل الارض فمقتھم عربھم وعجمھم الا بقایا من اھل الکتاب. (مشکوۃ المصابیح)

اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کی طرف دیکھا اور اس کے رہنے والے عرب وعجم سے ناخوش ہوا سوا تھوڑے اہل کتاب کے۔

چنانچہ اس جاہلیت سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوا، اس لعنت زدہ قرار دیا، اور اسے بے وقعت بنا کر اپنے بندوں کے لئے ناپسندیدہ ٹھہرایا، اس لئے فرمایا کہ "اگلی جاہلیت جیسی نمائش وآرائش نہ کرو، نیز فرمایا۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ.

(الفتح ۲۶)

جب کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت وغیرت کا جذبہ بیدار کیا یعنی جاہلی حمیت کا۔

نبی ﷺ جب کسی مسلمان میں جاہلیت کی کوئی بات دیکھتے تو فرماتے۔

انک امرؤ فیک جاھلیة (بخاری شریف ج/۱ ص ۹)

تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی ہے۔

جیسا کہ آپ نے حضرت ابوذر جیسے جلیل القدر صحابی سے جب آپ نے ان کے اور ان کے غلام کے درمیان اونچ نیچ دیکھی اور انہیں اپنے غلام کو مارتے اور اس کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرتے دیکھا تو فرمایا کہ ''تم سے ابھی جاہلیت کی بو نہیں گئی'' چنانچہ اس تنبیہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے اور اپنے غلام کے درمیان تفریق کرنا چھوڑ دی ، اپنے غلام کو وہی کپڑے پہناتے جو خود پہنتے، اور جو خود کھاتے وہی اس کو بھی کھلاتے تھے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اسلام کو 'صبغۃ اللہ' فرمایا ہے اگر اسلام زندگی کا ایک خاص رنگ وآہنگ اور طرز واسلوب نہ ہوتا تو اسے ''رنگ'' سے تعبیر نہ کرتا چنانچہ فرمایا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرہ ۱۳۸)

یہ اللہ کا رنگ ہے اور اس سے بہتر کس کا رنگ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو انبیاء علیہم السلام کی اتباع پر آمادہ کرتے ہوئے انبیاء کی ایک طویل اور زریں فہرست کی رونمائی کرتے ہوئے فرمایا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ O وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ O وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا

فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ O وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ O ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ. (الانعام ۸۵۔۸۹)

ہم نے اسے اسحٰق و یعقوبؑ عطا کئے، اور سب کو ہدایت دی اور اس سے قبل نوحؑ کو ہدایت دی، اور اس کی اولاد میں داؤدؑ و سلیمانؑ، ایوبؑ و یوسفؑ، موسیٰؑ و ہارونؑ کو اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں، اور زکریاؑ و یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ، سب نیکوں میں سے تھے، اور اسماعیلؑ، الیسعؑ، یونسؑ، اور لوطؑ سب کو ہم نے دنیا جہان پر فضیلت دی اور ان کے آباء و اولاد اور بھائیوں میں سے بھی بعض کو، اور ہم نے انہیں چنا اور انہیں سیدھے راستہ پر چلایا یہ اللہ کی رہنمائی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور اگر وہ شرک کریں تو ان کا کیا ہوا سارا ضائع ہو جاتا ہے

پھر فرمایا۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ. (الانعام ۹۰)

یہ وہ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے تو ان کے طرز کو اپنایئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اقتداء کا یہ حکم اپنے نبی کے لئے خاص کر دیا، جن کی سیرت اسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ ہے، چنانچہ مؤمنین کو نبی ﷺ کی زبان سے مخاطب کیا گیا ہے کہ۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ.

(آل عمران ۳۱)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کردے گا۔

اسلام دوسرے مذاہب کے مقابل زیادہ ذکی الحس (SENSETIVE) واقع ہوا ہے، اگر کوئی مسیحی اپنے کو نصرانی کہتا ہے تو اس کا کہنا ہی کافی ہے، اس کے بعد وہ تمدن و تہذیب، فلسفہ وطرز حیات اور فکر و نظر کے جو پیمانے بھی چاہے اپنا سکتا ہے، میرے ایک

ہندوستانی دوست نے ایک بڑے پڑھے لکھے ہندودوست سے پوچھا کہ ”میرے بھائی! کسی مسلمان سے پوچھا جاتا ہے کہ مسلمان کسے کہتے ہیں تو وہ بے تکلف جواب دیتا ہے کہ جوکلمہ طیبہ ” لا اله الا الله محمد رسول الله “ پڑھے اوراس پرعقیدہ رکھے، اس کلمہ میں اسلام کا خلاصہ آ گیا ہے، اسی طرح اگر آپ سے ایک ہندو ہونے کے ناطے سوال کیا جائے تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟ میں کوئی تفصیلی جواب نہیں چاہتا کیونکہ تفصیل کے لئے اور برہمن فلاسفی یا ویدانت کے سمجھنے کے لئے میری لائبریری میں بہت سی کتابیں ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ میرے پاس صرف ایک یا دومنٹ ہیں جس میں آپ مجھے ایک جملہ میں ہندوازم سمجھا دیں جس میں اس کی روح اور جوہر آ گیا ہو، میرے دوست کا کہنا ہے کہ ہندودوست کچھ دیر رک کر بولے” دیکھئے جناب! ہندو ہر بات پر عقیدہ رکھ سکتا ہے، اور ہر بات کو رد کرسکتا ہے، اس لئے اگر کوئی آدمی اپنے کو ہندو کہتا ہے تو پھر اس کے بعد کسی اور بات کی ضرورت نہیں رہتی، پھر وہ جو کچھ مانے اور جو کچھ کرے ہندو ہی رہتا ہے۔“

مگر میرا کہنا یہ ہے کہ اسلام کا معاملہ ایسا نہیں ، اسلام جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ بہت ہی ذکی الحس واقع ہوا ہے، اور کسی اور دین کے مقابلہ میں اپنے سے منافی باتوں سے جلد متاثر ہوتا ہے، اس کے حدود متعین ومعروف ہیں کہ یہ اسلام ہے، اور یہ کفر ہے، یہ اسلام ہے اور یہ جاہلیت ہے، یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ پاک ہے، اور یہ ناپاک اور یہاں تک اسلام کی سرحد ہے، اوراس کے بعد ارتداد وکفر کا علاقہ ہے، ردت کا یہ واضح مفہوم جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں، غالباً کسی اور دین میں موجود نہیں، جب کہ ہمارے یہاں مرتد ہونا سب سے بڑا جرم اور گناہ ہے جس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ (کمال ایمان کی علامت یہ ہے کہ) ”مسلمان کو اس تصور سے کہ وہ کفر کی طرف واپس جاسکتا ہے، ایسی وحشت ہو کہ جیسے وہ آگ میں ڈالا جارہا ہے۔“ ویکرہ أن یعود الی الکفر کما یکره ان یقذف فی

النار۔"

تو جب اسلام کا یہ مزاج اور یہ صورت حال ہے تو ان مسلمانوں کی ذمہ داری (جو امریکا و یورپ میں مقیم ہیں) بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، اگر اسلام اور ادیان کی طرح صرف عقیدہ، یا صرف اعمال وعبادات کا نام ہوتا تو معاملہ بہت آسان تھا، لیکن اگر وہ ایک رنگ ہے، اگر وہ ایک طرز زندگی، جذبہ وشعور، ذوق ووجدان اور احساس بھی ہے، اور دوسرے مذاہب کی بہ نسبت زیادہ نازک اور لطیف طبع بھی ہے، اور اشیاء کے معیار د اقدار اور چیزوں کے حسن وقبح کے تصور میں بنیادی تبدیلی کا داعی بھی، تو اس کا معاملہ بہت نازک اور مشکل بن جاتا، اور اس کی ذمہ داری بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

اس لئے ہم صرف کتابوں کے مطالعہ اور مقالات کے سننے سنانے پر ہی اکتفا نہیں کر سکتے، خواہ وہ کیسے ہی بلند پایہ اور علمی کیوں نہ ہوں ہم اسلام کا ذوق واحساس صرف ان کتابوں اور مقالوں سے حاصل نہیں کر سکتے، اگر چہ یہ کتابیں اور مقالات بھی ضروری اور مفید ہیں، لیکن ان پر اکتفا وانحصار صحیح نہیں بلکہ ہماری اصل ضرورت ایک اسلامی خطہ اسلامی فضا، اسلامی رنگ کا وجود ہے، جہاں ہم اپنی آنکھوں سے اسلام کو دیکھ سکیں، اپنے کانوں سے اس کی آواز سن سکیں، اسے اپنے ہاتھوں سے چھو سکیں اور اپنے حواس سے اسے محسوس کر سکیں، اس کے لئے ملاقاتوں اور ملنے جلنے کی ضرورت ہے، اس کے لئے ہمیں اسلامی زندگی گزارنے کی حاجت ہے کہ ہم ان علاقوں میں جائیں جہاں اسلامی زندگی اور کسی بھی درجہ کا مثالی مسلم معاشرہ پایا جاتا ہے، جہاں ہم اسلام کو ایک زندہ وتوانا انسان کی طرح چلتے پھرتے اور متحرک ومتنفس دیکھ سکیں۔

اسی لئے مسلمانوں اور سچے ایمان والوں کی صحبت ومعیت ضروری ہے، ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی ﷺ سے فرماتے ہوئے دیکھتے ہیں (حالانکہ وہ معصوم ومحبوب اور تمام نسل انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں) کہ وہ صالحین ہی کی صحبت میں رہیں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ، وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا

قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًاO (الکهف ۲۸)

اور آپ خود کو ان لوگوں کے ساتھ رکھئے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے اور اس کی رضا کے طالب رہتے ہیں، اور آپ ان سے صرف نظر کر کے دنیوی زندگی کی زینت کو نہ دیکھیں اور نہ اس کی اطاعت کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے، اور وہ اپنی خواہش نفسانی کا پیرو ہے، اور اس کا طرز عمل ہمیشہ افراط وغلو کا حامل ہوتا ہے۔

جب نبی معصومؐ کو یہ تاکید ہے تو پھر عام مسلمانوں کا حال اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. (التوبه ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض مطالعہ وکتب بینی سے یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔

یہاں اسلامی معاشرہ ابھی اپنے دور طفولیت اور نشو ونما کے ابتدائی مراحل میں ہے، اس لئے ہمیں اس نوخیز معاشرہ کے سلسلے میں باشعور اور اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے، ہمیں یقین ہے کہ اللہ کے فضل سے قائم ہونے والا یہ معاشرہ نہ صرف قائم رہے گا بلکہ اپنی پختگی اور سن شعور کو پہنچے گا اور اس کے پاس تربیت کے اسباب ووسائل ہوں گے، وہ اسباب تربیت کیا ہیں؟ وہ عقیدہ وایمان، تحقیق ومطالعہ، علم وثقافت، صحبت صالح اور مجاہدہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ.

(العنكبوت ۶۹)

اور جو لوگ ہمارے لئے کوشش کریں گے تو ہم انہیں اپنے راستوں کی رہنمائی ضرور کریں گے اور اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

جو لوگ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کوشاں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر حکمت وایمان اور فہم وبصریت کے ایسے دروازے کھولتا ہے، جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

یہ اس معاشرہ کی ذمہ داریاں ہیں، جس کے آپ بحمد اللہ بانی وارکان ہیں،

اور اس کو وجود میں لانے میں آپ کا بڑا حصہ ہے، اگر آپ وطن عزیز کو چھوڑ کر یہاں نہ آتے اور اسے دوسرے ملکوں پر ترجیح نہ دیتے تو یہ معاشرہ برپا نہ ہوتا، لیکن اس کے ساتھ یہ کوشش بھی کیجئے کہ یہ معاشرہ، مثالی اسلامی معاشرہ بنے اور صرف فلسفہ و علمی نظریات تک محدود رہنے والا اسلامی معاشرہ نہ ثابت ہو، کیونکہ اسلام محض کوئی سیاسی فلسفہ، صرف اقتصادی و معاشرتی تنظیم، اور خالی نظام حکومت نہیں، بلکہ ان سب چیزوں سے پہلے وہ انسان کے اندرون اور احساسات میں اتر جانے والا اور طبیعت انسانی کی گہرائیوں میں جگہ بنانے والا عقیدہ و ایمان ہے، وہ ایک عملی زندگی اور مخصوص مذاق طبیعت ہے، صحابہ کرامؓ کا اسلام ان تمام پہلوؤں پر حاوی و مشتمل تھا، وہ عقیدہ و اخلاق اور ذوق و وجدان اور ہر لحاظ سے مسلمان اور اقدار و اشیاء کے لئے معیار و میزان تھے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ " مارآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن " (مسلمان جو اچھا سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھا ہے) محققین کے نزدیک ان مسلمانوں سے مراد، صحابہؓ ہیں، یعنی صحابہ کرامؓ جسے اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے، اور جسے وہ اجتماعی یا اکثری طور پر برا سمجھیں وہ برا ہے۔

اسی طرح اسلام اور قرآن، مسلمان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ معیار حق اور میزان عدل ہیں اور ان کا اسلام ان تمام پہلوؤں کو شامل ہو وہ اسلام کا حقیقی ذوق رکھتا ہو یہاں کے امریکی اپنے معاشرے کے درمیان (جس کو مادیت اس بے رحمی اور وحشیانہ انداز سے ہنکا رہی ہے، جس میں کوئی نرمی اور رحم و کرم نہیں) اور اس اسلامی معاشرہ کے درمیان واضح طور پر فرق محسوس کریں جو مطمئن، پرسکون، مؤدب و باوقار پاک وصالح معاشرہ ہے، جس کی راتیں عبادت و انابت میں گزرتی ہیں، اور جس کے دن دینی محنت، رزق حلال کی تلاش اور انسانیت کی خدمت میں بسر ہوتے ہیں۔

اور صرف ایسے اسلامی معاشرے کا وجود ہی بجائے خود اسلام کی فتح و کامرانی کا سبب ہوگا، جسے ایک امریکی دیکھ کر بول اٹھے گا کہ زندگی کا اصل لطف تو اس اسلامی معاشرے میں ہے نہ کہ ہمارے معاشرے میں، اور امریکن اس معاشرے کی طرف لپکیں گے،

جس میں اطمینان وسکنیت ، اورنورانیت ہوگی اوراپنے متعفن وفاسد ماحول پر (جس میں وہ پلے بڑھے ہیں) لعنت بھیجنے لگیں گے۔

اخیر میں مجھے یہاں امریکا اور ہر جگہ اس وقت کا خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ جب ہم اپنی ذات تک محدوداوراپنے خول میں سمٹ جائیں جیسے سانپ اپنی کیچلی میں بند ہوجاتا ہے، اورصرف مطالعۂ کتب اور علمی تحقیقات میں الجھ کررہ جائیں، اوراسلام کے حقیقی سرچشموں اوراسلام کے ان مرکزوں سے ہمارارشتہ باقی نہ رہے، جن میں کمزوریوں کے باوجوداسلام زندہ ہے، اورجن کی فضاؤں پراسلام چھایا ہوا ہے، اورہمارے قلب وروح کے اندرموجزن اسلامی جذبات واحساسات کے سرچشمے خشک ہوجائیں تو پھرامریکی اسلام، یورپی اسلام، جاپانی وایرانی، ہندوستانی اور پاکستانی اسلام ابھرنے لگے گا جن میں سے ایک دوسرے کوپہچان بھی نہ سکے گا، اوروہ آپس میں اس طرح مختلف ہوں گے جیسے امریکی ایشیائی سے، اور جاپانی انسان افغانی انسان سے مختلف ہوتا ہے، اورایسے مسلم معاشرے وجودمیں آجائیں گے جن کے ذوق وذہن، اوراقدارومعیار بالکل الگ ہوں گے۔

یہ صورت حال اسلام کے لئے ایک خطرہ ہے، جس کا ابھی سے مقابلہ کرنا چاہئے، جب کہ ابھی معاملہ حد سے آگے نہیں بڑھا ہے، اورزمام کار اسلامی رہنماؤں کے ہاتھ سے نہیں نکلی ہے، حج کی مشروعیت، اورمسلمانوں کے......ان کے ماحول، قومیت، اور زبان وثقافت کے اختلاف کے باوجود......ایک سرزمین اورایک وقت میں اجتماع میں یہی مصلحت کارفرما ہے کہ دین کی کوئی بات کسی کے لئے مشتبہ اورمبہم نہ رہ جائے، اور ساری دنیا کے مسلمانوں اوران کے اسلامی خدوخال کا بیک وقت جائزہ لیا جاسکے، علاقائی بدعات اوراس سبزۂ خودروکا علم ہوسکے جوعلم کی کمی یا علماء کی غفلت یا دوسری قوموں کے اختلاط کی وجہ سے اسلام کے چمنستان اوراس کی زمین پرجابجا اگ آیا ہے، اس کی نشاندہی بھی ہوجائے اوراس کے استیصال کی طرف متوجہ بھی کیا جاسکے، بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) ''اگر حج نہ ہوتا تو یہ دین اور مشرق ومغرب کے

مسلمان، دوسرے مذاہب کی طرح تحریف وتبدیلی کا نشانہ بن سکتے تھے، اور اس کا برسوں پتہ بھی نہ چلتا۔''

اس لئے میرے بھائیو! علاقائی، ملکی وجغرافیائی، اور ''خودرو'' اسلام کے ظہور اور ایسے مسلم معاشروں کے وجود سے چوکنا اور ہوشیار رہئے جو جوہر اسلام اور روح اسلام سے عاری ہو، اور ان اصل بنیادوں پر قائم نہ ہو جن پر اسلام کو قائم ہونا چاہئے۔

یہ وہ مضمون ہے جو اس وقت اللہ نے میرے دل میں ڈالا اور میری زبان سے کہلوایا، اور میں اس کو امریکہ اور یورپ کے مسلمان بھائیوں کے لئے ایک نہایت ضروری اور اہم پیغام سمجھ رہا ہوں جب آپ تنہائی میں اور اپنے گھر جا کر اس پر غور کریں گے تو اس کی قدر و قیمت اور اہمیت وضرورت محسوس کریں گے، اور تجربہ اس کی تصدیق کرے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کی صحیح رہنمائی فرمائے اور صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانیت کی صحیح گرہ کشائی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین اما بعد. فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم یا ایھا الناس قولوا لاالٰہ الا اللہ تفلحون.

محترم حضرات! حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے دعوت واصلاح کا کام اس کے صحیح راستہ سے شروع کیا، آپ ﷺ نے طبیعت انسانی کے قفل میں ٹھیک چابی لگائی، یہ وہ قفل تھا جس کے کھولنے میں اپنے وقت کے تمام مصلحین ناکام رہے تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور معبودان باطل کے انکار کی تلقین فرمائی اور طاغوت (خدا کے سوا ہر ہستی جس کی عبادت و اطاعت مطلق کی جائے) کی نافرمانی کی ہدایت فرمائی، لوگوں میں کھڑے ہوکر آپ نے بآواز بلند فرمایا، یا ایھا الناس قولو الاالٰہ الا اللہ تفلحوا لوگو کہو کہ اللہ کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں کامیاب ہوگے۔

جاہلیت اسلام کے مقابلہ پر:

میرے عزیزو! جاہلی معاشرے نے اس دعوت اوراس کے مقاصد کے سمجھنے میں غلطی نہیں کی، اوراس میں اس کو کچھ پیچیدگی محسوس نہیں ہوئی جیسے ہی آپ کی آواز سے سننے والوں کے کان آشنا ہوئے وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ یہ دعوت ایسا تیر ہے جو جاہلیت

کے نشانہ پر بیٹھ جائے گا اور جگر کے پار ہو جائے گا جاہلیت کے سورما جاہلیت کے آخری معرکہ کے لئے میدان میں کیل کانٹے سے لیس ہو کر اتر آئے...... وانطلق الملاء منھم ان امشوا واصبروا علیٰ الٰھتکم ان ھٰذا لشی یراد. (پ۲۳۔آیت ۶۔سورۃ ص)
اوران کے ذمہ دار لوگ نکل پڑے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو یہ تو یقیناً کوئی سمجھی چیز معلوم ہوتی ہے۔

اس زندگی کے ہر رکن نے صاف محسوس کیا کہ جاہلی تہذیب کی عمارت متزلزل ہے اور پورا نظام زندگی خطرے میں ہے، اس موقع پر سختی دباؤ ظلم و زیادتی کے وہ لرزہ خیز واقعات پیش آئے جو تاریخ اسلام میں محفوظ ہیں۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت پر زد لگانے کے لئے بالکل صحیح جگہ کا انتخاب کیا اور آپ ﷺ کا تیر نشانہ پر صحیح بیٹھا۔ آپ نے جاہلیت کی شہ رگ پر وار کیا جس سے جاہلیت تلملا اٹھی اور سارا عرب جو جاہلیت کا شاہد سب سے بڑا قلعہ تھا لڑنے کے لئے آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی دعوت پر پہاڑ کی طرح جمے رہے، مخالفت کے طوفان اٹھے، فتنہ کی آندھیاں آئیں اور نکل گئیں، مگر آپ ﷺ نے اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہ کی، آپ ﷺ نے اپنے چچا سے صاف کہہ دیا (میرے چچا اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے تو بھی میں اس کام کو چھوڑ نہیں سکتا، یہاں تک کہ یا اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب کرے یا میں کام آ جاؤں۔)

آپ ﷺ مکہ میں تیرہ سال تک مقیم رہے، مسلسل توحید، رسالت، آخرت پر یقین کی دعوت پوری صراحت کے ساتھ دیتے رہے۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے ذرا بھی ہیر پھیر کا راستہ اختیار نہیں کیا نہ مخالفوں کی ادنیٰ رعایت کی، نہ وقت کی مصلحت کے لئے اپنی دعوت میں لوچ اور لچک گوارا کی۔ اسی دعوت کو ہر مرض کی دوا، اور ہر بند قفل کی کنجی سمجھا، اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپ ﷺ کو اس کے بارے میں ادنیٰ تذبذب بھی نہیں ہوا۔

اولین مسلمان:

میرے دوستو! قریش نے اس دعوت کے مقابلہ میں گھٹنے ٹیک دیئے اور جاہلیت کے جھنڈے کے نیچے آپ ﷺ کے مقابلہ پر آ گئے اور انہوں نے تمام ملک میں آپ ﷺ کے خلاف آگ لگا دی اور اسلام کا راستہ روک کر کھڑے ہوگئے۔ اب آپ ﷺ پر ایمان لانا اسی شیر دل مرد کا کام تھا جو موت سے نہ ڈرتا ہو، جو اپنے عقیدہ اور یقین کے لئے آگ میں کودنے اور انگاروں پر لوٹنے کے لئے تیار ہو جو دنیا کی تمام ترغیبات سے منہ موڑ چکا ہو اور ساری دنیا سے رشتہ توڑ چکا ہو، قریش کے چند جوان مرد آگے بڑھے، یہ عجلت کا فیصلہ اور نوجوانی کا اقدام نہ تھا، وہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں اور زندگی کے دروازے اپنے لئے بند کر رہے ہیں، کوئی دنیاوی ترغیب یا لالچ اس کی محرک نہ تھی کہ اس فیصلہ سے صرف خطرات کا دروازہ کھلتا تھا اور ہر طرح کے دنیاوی فوائد اور راحت کے دروازے بند ہوتے تھے، یہاں صرف یقین کی ایک طاقت تھی اور اخرت کی لالچ تھی، انہوں نے ایمان کی طرف بلانے والوں کو پکارتے سن پایا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ، یہ پکار سنتے ہی زمین ان پر تنگ ہوگئی۔ طبیعتیں بھنچنے لگیں، راتوں کی نیند اڑ گئی، نرم بستر کانٹوں کی طرح چبھنے لگے، انہوں نے دیکھا اللہ ورسول ﷺ پر ایمان لانا اور اپنے یقین کا ساتھ دینا ان کے لئے ضروری ہوگیا ہے وہ دل ودماغ کے فیصلہ اور اپنے یقین کی مخالفت کر کے خوش نہیں رہ سکتے تھے۔ حقیقت ان پر ظاہر ہوگئی تھی۔ وہ اس حقیقت کو ٹال نہیں سکتے تھے، حیوانی زندگی سے ان کا دل اچاٹ ہوگیا تھا، وہ اس کو اس میں دوبارہ پھنسا نہیں سکتے تھے، ایک کانٹا تھا جو ان کے دل میں چبھ رہا تھا، وہ اس کانٹے کو پال نہیں سکتے تھے۔ آخر انہوں نے رسول اللہ ﷺ تک پہنچنا اور اسلام لانے کا فیصلہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے شہر کے محلّہ میں تھے۔ چند گز کا فاصلہ! مگر قریش نے آپ ﷺ کو اتنا دور کر دیا تھا اور راستہ اتنا پر خطر بنا دیا تھا کہ آپ ﷺ تک پہنچنا ایک دور دراز اور نہایت خطرناک سفر تھا شام ویمن کو تجارتی قافلہ لے جانا اور عرب کے رہزنوں سے بچ

کر جانا اتنا مشکل نہ تھا جتنا مکہ کے اندر محمد رسول اللہ ﷺ تک پہنچنا اور آپ ﷺ سے ملنا مشکل تھا، لیکن وہ آپ تک پہنچے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور اپنی زندگی آپ ﷺ کے حوالے کر دی ان کو زندگی کا خطرہ تھا اور آزمائش و مشکلات کا یقین تھا مگر انہوں نے قرآن کی یہ آیات سنی تھیں،

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ O وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ O (العنکبوت: ۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی، ہم نے تو ان سے پہلے لوگوں کو خواب آزمایا ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جو سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو ضرور معلوم کرلے گا۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی سنا تھا کہ:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ O

(البقرہ: ۲: ۲۱۴)

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے اور تم پر وہ حالات نہیں گزریں گے جو پہلوں پر گزر چکے ہیں۔ ان کو مصیبت اور نقصانات سے سابقہ پڑا اور وہ ہلا کر رکھ دیئے گئے حتیٰ کہ رسول ﷺ اور ان کے ساتھی ایمان لانے والے کہنے لگے کب مدد آئے گی؟ معلوم ہوا کہ مدد بس قریب ہے۔

آخر وہی پیش آیا جس کی قریش سے توقع تھی، قریش نے اپنا ترکش ان بے بسوں پر خالی کر دیا اور سب تیر آزمائے مگر ان کی پختگی اور یقین بڑھتا ہی گیا (اور کہنے لگے اسی کا تو ہم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا تھا اور اس نے ان کے ایمان اور سپردگی میں اضافہ ہی کیا) ان آزمائشوں

اور ابتلاؤں سے ان کے عقیدہ میں مزید پختگی، ان کے یقین میں استحکام، ان کے دینی احساس میں ترقی اور ان کے ایمان میں لذت وحلاوت پیدا ہوئی، ان کی طبیعتوں میں نکھار پیدا ہوا اور وہ اس بھٹی سے کھرا سونا بن کر نکلے۔

صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت:

حضرات اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ ان کو قرآن کی روحانی غذا پہنچا رہے تھے، اور ایمان کے ذریعہ ان کی تربیت فرما رہے تھے اور آپ ﷺ ان کو طہارت بدنی وخشوع قلبی خضوع جسمانی اور حاضر دماغی کے ساتھ دن میں پانچ بار رب العالمین کے حضور میں جھکاتے۔ ان میں روز بروز روحانیت کی بلندی، قلب کی صفائی، اخلاق کا ستھرا پن، مادی گرفت سے آزادی اور خواہشات سے چھٹکارا حاصل ہو رہا تھا اور مالک ارض وسما کا عشق اور شوق بڑھ رہا تھا، آپ ﷺ ان کو تکلیف میں صبر، درگزر اور ضبط نفس کی تلقین فرماتے تھے، لڑائیاں ان کے خمیر میں داخل تھی، تلوار سے ان کا ازلی رشتہ تھا، وہ لوگ اس قوم سے تھے جس کی تاریخ بسوس، وداحس وغیرہ کی خونیں داستانوں سے پر ہے۔ یوم الفجار کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ ان جنگی سرشت انسانوں کو تھامے ہوئے تھے اور ان کی عربی نخوت کو ایمان کی طاقت سے دبائے ہوئے تھے، آپ ﷺ ان سے کہتے (اپنے ہاتھوں کو روکے رہو اور نماز قائم کرو) وہ آپ ﷺ کے حکم سے موم ہو گئے تھے، بغیر ادنیٰ بزدلی کے انہوں نے اپنے ہاتھوں کو روک لیا۔ وہ سب برداشت کر رہے تھے جو دنیا کی کسی قوم نے برداشت کیا، تاریخ نے ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس میں کسی مسلمان نے اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کی ہو اور جوابی یا انتقامی کارروائی کی ہو۔ ضبط وتحمل کی یہ انتہائی مثال ہے جو ہمیں کسی جماعت کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

مدینۃ الرسول ﷺ میں:

حضرات! قریش جب حد سے بڑھ گئے اور پانی سر سے اونچا ہو گیا تو اللہ نے اپنے

رسول کو اور آپ ﷺ کے اصحاب کو ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی، یہ لوگ یثرب کو ہجرت کر گئے، اسلام ان سے پہلے یثرب پہنچ چکا تھا۔ اہل مکہ یثرب والوں میں خوب گھل مل گئے حالانکہ ان کے درمیان کی کڑی صرف یہ نیا مذہب تھا، تاریخ نے) دین کی طاقت واثر کا یہ انوکھا منظر پیش کیا، اوس وخزرج نے جنگ بعاث سے ابھی دامن بھی نہ جھاڑا تھا اور ان کی خون آشام تلواروں سے ابھی تک خون ٹپک رہا تھا۔ ایسے حالات میں اسلام نے دلوں میں الفت ومحبت پیدا کی۔ اس مصالحت کے لئے اگر کوئی شخص پوری دنیا کا خزانہ خرچ کر دیتا تو بھی اس کی طاقت سے باہر تھی، نبی ﷺ نے انصار ومہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کرایا، ایسا بھائی چارہ جس کے سامنے سگے بھائیوں کی محبت گرد، اور دنیا کی ساری دوستیاں بے حقیقت تھیں، تاریخ میں ایسی محبت وخلوص کی مثال نہیں ملتی۔

یہ نوزائیدہ جماعت جو مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ پر مشتمل تھی، ایک عظیم الشان اسلامی امت کی اساس اور اسلام کا سرمایہ تھی۔ اس جماعت کا ظہور ایسی کٹھن گھڑی میں ہوا جب کہ دنیا موت وزندگی کی کش مکش میں مبتلا تھی۔ اس جماعت نے آ کر اس کی زندگی کا پلڑا اجھکا دیا اور ان تمام خطرات کو دور کر دیا جو اس کو درپیش تھے، اس جماعت کا ظہور اس کا استحکام انسانیت کی بقا کے لئے ضروری تھا اسی لئے جب اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اخوت ومحبت پر زور دیا تو فرمایا (اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہوگا۔)

صحابہ کرامؓ کی ایمانی تکمیل:

حضرات! ادھر رسول ﷺ کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت وتکمیل کا سلسلہ جاری رہا، قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی بخشتا رہا، رسول اللہ ﷺ کی مجالس سے ان کو استحکام خواہشات نفس پر قابو، رضائے الٰہی کی سچی طلب اور اس کی راہ میں اپنے آپ کو مٹانے کی عادت جنت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتساب نفس کی دولت حاصل ہوئی۔ وہ لوگ چستی وسستی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے ، جس

حال میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے، جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں دس سال کے اندر ستائیس ۲۷ بار جہاد کے لئے نکلے اور آپ ﷺ کے حکم سے ۱۰۰ مرتبہ سے زائد کمر بستہ ہو کر میدان جنگ کی طرف گئے، ان کے لئے دنیا سے بے تعلقی آسان بن گئی تھی۔ اہل وعیال کے مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے۔ قرآن کی آیات وہ سب شرائع احکام الٰہی جو ان کے لئے پہلے سے مانوس نہ تھے۔ نفس ومال، اولاد وخاندان کے بارے میں احکام نازل ہوئے جن کی تعمیل پہلے کی طرح سہل نہ تھی، لیکن خدا اور رسول کی ہر بات ماننے کی عادت پڑ گئی تھی، شرک وکفر کی گتھی جب سلجھ گئی تو ساری گتھیاں ہاتھ لگاتے ہی سلجھ گئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار ان کے ایمان کے لئے کوشش فرمائی، پھر ہر امر ونہی اور ہر نئے حکم کے لئے مستقل کوشش اور جدوجہد کی ضرورت نہ رہی۔ اسلام وجاہلیت کے پہلے معرکہ میں اسلام نے جاہلیت پر فتح حاصل کر لی، پھر تو ہر موقع کے لئے ہر مرتبہ نئے معرکہ کی ضرورت باقی نہ رہی، وہ لوگ مع اپنے قلوب کے، مع اپنے ہاتھ پاؤں کے مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن میں آگئے، اور جب حق واضح ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی۔ آپ ﷺ کے فیصلہ پر ان کو ذہنی یا قلبی کشمکش پیش نہ آتی۔ جس بات کا آپ ﷺ فیصلہ فرما دیتے ذرا اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہتی، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اپنے جسموں کو حدود الٰہی کے لئے پیش کر دیا۔ جب شراب کی حرمت کا نزول ہوا تھا تو چھلکتے ہوئے جام ہتھیلیوں پر تھے، اللہ کا حکم ان کے بھڑکتے ہوئے جگر، آلودہ لبوں اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ پھر کیا تھا ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر کو اٹھ سکے، لبوں کی تمنائیں بھی خشک ہو گئیں، شراب کے برتن توڑ دیئے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں بہہ رہی تھی۔

میرے دوستو! جب شیطان کے اثرات ان کے نفوس سے دھل گئے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جب ان کے نفوس کے اثرات ان کے خلوص سے زائل ہو گئے۔ نفسانیت

کا خاتمہ ہو گیا اور وہ لوگ اپنے نفسوں سے ویسا ہی برتاؤ کرنے لگے جیسا کہ وہ دوسروں سے کرتے تھے۔ وہ یقین رکھتے تھے۔ وہ سچے مردانِ آخرت اور نقد سودا والے کے بازار میں آخرت کی قیمت ادا کر کے اس کی بازی دینے والے بن گئے۔ نہ کسی مصیبت سے گھبراتے نہ کسی نعمت پر اتراتے۔ فقر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتا، دولت سرکشی پیدا نہ کر سکتی۔ تجارت غافل نہ کرتی، نہ کسی طاقت سے ڈرتے نہ دبتے۔ اللہ کی زمین پر اکڑنے کا خیال بھی نہ آتا۔ بگاڑ اور تخریب کا وہم بھی نہ ہو سکتا۔ لوگوں کے لئے وہ میزان عدل تھے، وہ انصاف کے علمبردار تھے۔ اللہ تعالیٰ کے واسطے گواہ تھے خواہ ان کو اپنے نفس کے خلاف گواہی دینی پڑے خواہ والدین اور اعزہ کے خلاف جانا پڑے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کو ان کے قدموں میں ڈال دیا اور دنیا کو ان کے لئے مسخر کردیا، وہ اس وقت عالم کے محافظ اور اللہ کے دین کے داعی بن گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا جانشین بنایا، اور آپ ﷺ خود ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ رسالت اور امت کی طرف سے اطمینان لے کر رفیق اعلیٰ کی طرف سفر کر گئے۔ یہ تھے صحابہ جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا اسلام کو ہم تک پہنچا دیا اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق دے اور اسلام کی سچی محبت ہمارے دل بٹھا دے۔

اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر اسلامی شعائر و رسوم کی نقل و تقلید سے احتراز کی ضرورت

مفکر اسلام نے یہ تقریر بارہ ربیع الاول کے موقع پر ایک جامع مسجد میں کی تھی جس میں غیر مسلموں کے شعائر و تقلید سے اجتناب کی تلقین کی تھی

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعیٰ بدعوتھم الی یوم الدین

امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

حضرات! یہ آیت جس کی ابھی میں نے تلاوت کی، جس کا سیدھا ترجمہ یہ ہے کہ ''اے ایمان والو'' ''راعنا'' نہ کہو ''انظرنا'' کہو اور (دھیان کے ساتھ) سنو! اور کافروں کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے۔'' ہمیں معلوم ہونا چاہئے، اور جس کو معلوم ہو اس کو حافظہ میں تازہ کر لینا چاہئے کہ یہ آیت کس موقع پر نازل ہوئی اور ہم سے کیا مطالبہ کرتی ہے، اس میں ہمارے لئے کیا پیغام ہے۔

راعنا کا مطلب

''راعنا'' عربی کا صحیح اور فصیح لفظ ہے، جس کے معنی ہیں'' ذرا ہمارا خیال کیجئے'' ذرا

کی (سننے والوں کی) رعایت کیجئے، اور ''انظرنا'' بھی عربی کا صحیح اور فصیح لفظ ہے، جس کا مفہوم ہے کہ ذرا سا ہمارا انتظار کیجئے، ذرا دیکھ لیجئے کہ ہم نے سنا، یا نہیں، دونوں عربی کے لفظ ہیں، دونوں فصیح ہیں، لیکن قصہ کیا ہے کہ ایک سے اللہ تعالی نے منع فرمایا ہے، اور اس کتاب میں جو قیامت تک پڑھی جانے والی ہے، اس ممانعت کو جگہ دی جاتی ہے، وہ دور بھی ختم ہوا، قرآن شریف بہت سے ایسے ملکوں میں پڑھا پڑھایا جاتا ہے، جہاں عربی زبان نہ بولی جاتی نہ سمجھی جاتی ہے، پھر اس کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی، اور اس کو قیامت تک اور ہر ملک میں پڑھی جانے والی، ہر زبان میں ترجمہ کی جانے والی کتاب میں کیوں شامل کیا گیا، یہ سوچنے کی بات ہے، اس لفظ کا قصور کیا ہے کہ اس سے منع کیا جاتا ہے، اور اسی کے ہم معنی لفظ کی تعلیم دی جاتی ہے کہ بجائے اس لفظ کے یہ لفظ کہو۔

قصہ یہ ہے کہ جن جماعتوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ ہمارے ساتھ ظلم اور ناانصافی کی جاتی رہی ہے، اور وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتی ہیں، وہ اپنے دل کا بخار باتوں باتوں میں چٹکی لینے میں، طنزیہ اور ذومعنی الفاظ بولنے میں نکال لیتی اور اپنا دل خوش کر لیتی ہیں، ہماری اردو میں بھی ایسے الفاظ ہیں جو معصوم اور دیکھنے میں باوقار ہیں، مگر مذموم معنی ہیں استعمال ہوتے ہیں، مثلاً آپ بڑے استاد ہیں ''فلاں ذات شریف ہیں'' میں چونکہ لکھنؤ میں رہتا ہوں، وہاں اس سے سابقہ پڑتا رہتا ہے، یہودیوں کا طریقہ تھا کہ جب دربار نبوی ﷺ میں آتے تھے، اور گفتگو کا سلسلہ جاری ہوتا، تو کہتے تھے، ''راعِنا'' بن جاتا جس کے معنی ہوتے ہیں، ہمارا چرواہا، جو صاف ذہن ودل کے لوگ ہیں، ان کا ذہن بھی ادھر منتقل نہیں ہوتا کہ اس میں چٹکی لی گئی، یہودیوں کی نظر میں بنی اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی اولاد کے علاوہ سب دوسرے درجہ کے انسان اور جمادات وحیوانات کی سطح کے لوگ ہیں، غیر یہودی کے لئے ان کے یہاں (GENTILE) کا لفظ ابھی تک موجود ہے، جس کے معنی ہیں، غیر یہود یا صابی'' وہ سمجھتے تھے کہ امیین کے ساتھ جس طرح کا معاملہ کیا جائے جائز ہے، جھوٹ بولا جائے تو جھوٹ نہیں، ان کی کوئی چیز دبالی جائے تو چوری نہیں، ان کو دکھ دیا جائے تو گناہ نہیں، '' لیس علینا فی

الا میــن سبیــل'' (ہم سے امیین کے بارے میں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا) صحابہ کرام کا ذہن تو اس طرح نہیں گیا، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ علیم وخبیر ہے، وہ لحن القول کو بھی سمجھتا ہے، یعنی جو باتیں چبا کر اور ذرا اخفاء واشباع کے ساتھ کہی جاتی ہیں، ان کو بھی جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت کی کہ عربی زبان بہت وسیع ہے، بجائے'' راعنا'' کے'' انظرنا'' کہا کرو کہ اس میں کوئی اشتباہ نہیں۔

خیال فرمائیے کہ جب ایک لفظ کے بارے میں اللہ تعالیٰ احتیاط کی تعلیم دیتا ہے، تاکہ یہودیوں سے مشابہت نہ ہو، اور ایسا لفظ نہ نکلے جو مقام نبوت کے شایان شان نہیں، تو غیر مسلموں کے رسوم وشعائر اختیار کرنے کا (جن میں ان عقائد، دیو مالا، اور فلسفے کا عکس ہے) کیا جواز ہوسکتا ہے، یہی اس آیت کے مستقل طور پر جزء قرآن ہونے کی حکمت ہے، آپ نے اس رمضان میں جو تراویح پڑھی اس میں بھی یہ آیت پڑھی گئی ہوگی، اور اگر چھوٹ جاتی تو قرآن نامکمل رہ جاتا، اور اس کو آخر میں پڑھنے کی تاکید کی جاتی، سوال کیا جاسکتا ہے کہ اب نہ یہود رہے اور نہ وہ حضرات انصار ومہاجرین، جن کے سامنے کا یہ واقعہ ہے اور جو اس کے مخاطب تھے، تو اس آیت کے باقی رہنے کی کیا حکمت اور افادیت ہے۔

حضرات! میں اس کا جواب دوں گا کہ یہ اس لئے کیا گیا تاکہ ہمیشہ کے لئے یہ حقیقت ہمارے پیش نظر رہے کہ جب ایک لفظ کا استعمال (جو دوسری قوم کا حربہ تھا) درست نہیں تو دوسری قوموں کے مخصوص عادات، اور ان کے شعائر و رسوم کو اختیار کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے، اب یہ منطق کیسے درست کہی جاسکتی ہے کہ بھائی بعض قوموں اور فرقوں کا جلوس نکلتا ہے، جس سے ان کے قومی شان وشوکت کا اظہار ہوتا ہے، ہم بھی جلوس نکالیں، ان کے یہاں جھنڈا اٹھتا ہے ہم بھی اس کے مقابلہ میں مزارات پر پنکھے لے جائیں، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی تعریف فرمائی کہ عمرؓ جس راستہ سے چلتے ہیں، شیطان اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے، ہمیں سبق لینا چاہئے کہ ایسی چیزوں سے ہم احتراز کریں جو ہمیں کسی گمراہی یا غلط فہمی میں مبتلا کردے، توحید اور اتباع

سنت کے راستہ سے ہمارے قدم ڈگمگا جائیں، اور ہم دوسری سرحد میں جا پڑیں، جب ایک لفظ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی غیرت کو حرکت ہوئی، اور اس نے یہ پسند نہیں کیا کہ مسلمان راعنا کا لفظ استعمال کریں جو ہزاروں برس سے بولا جارہا تھا، اور ابھی تک عربی زبان ولغت میں موجود ہے تو غیر مسلموں اور جاہلی اقوام کے شعائر و رسوم کے اختیار کرنے، اور ان کی نقالی اور ریس کرنے میں اللہ تعالیٰ کی غیرت کیوں جوش میں نہ آئے گی، ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں نے جب مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوگئی یا چھوٹ گئی اپنے معاشرہ (سماج) کا اپنے مذہب سے (جس کو وہ دھرم کہتے ہیں) رابطہ قائم رکھنے کے لئے اس طرح کے جشن، رونق کی چیزیں، اور اجتماع کے مواقع ایجاد کئے، اس لئے کہ اس کے بغیر ان کے دھرم سے ان کے سماج کا ربط قائم نہیں رہ سکتا تھا، وہاں واقعہ ہے کہ اسلام کے علاوہ کسی آسمانی دین میں یہ اعلان موجود نہیں کہ اب دین مکمل ہوگیا، اس خلا کو وہ مذاہب اور ملتیں خود محسوس کرتی تھیں، اس لئے کہ روز کوئی نہ کوئی نبوت کا دعویدار کھڑا ہوجاتا تھا، اور کہتا تھا کہ میں نبی ہوں، یہودی اور عیسائی مورخین و فضلاء اپنے مضامین میں سر پکڑ کر روتے اور فریاد کرتے نظر آتے ہیں کہ کیا مصیبت ہے کہ روز ایک مدعی نبوت کھڑا ہوجاتا ہے، اور یہودی اور عیسائی معاشرہ میں ایک انتشار اور افتراق پیدا ہوجاتا، اور ایک مسئلہ بن کر کھڑا ہوجاتا ہے، اس نے کہا کہ اتنی بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے، جس سے انتشار اور روز روز کا جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا، لیکن تعجب ہے کہ جس آیت کے ذریعہ آپ کو یہ انعام ملا، اور اس کا اعلان ہوا، آپ اس کا جشن نہیں مناتے؟

میرے دوستو! حضرت عمرؓ نے اس کا سیدھا سا جواب دیا، جو دین کا رمز شناس، اور درس گاہ نبوت کا اعلیٰ تربیت یافتہ ہی دے سکتا ہے، فرمایا کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ آیت کب اور کہاں نازل ہوئی، یہ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو نازل ہوئی، حضرت عمرؓ نے اپنا مسئلہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار عبودیت یا بندگی کا نہیں تھا، اب کیسے معلوم ہو کہ یہ ہندو ہیں، اور ان کا بھی ایک دھرم ہے، اس کے لئے انہوں نے تہوار، جلوس وغیرہ نکالے،

رام لیلا، دسہرا، ہولی، دیوالی، بنگال میں درگا پوجا کا تہور، دکن میں گن پتی کا جلوس سب اسی قبیل کی چیزیں ہیں۔

اس کے مقابلہ میں اسلام کی روح، اس کا طریق فکر، اور اس کا شعار کیا ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ ایک دن ایک یہودی عالم حضرت عمرؓ کے پاس آتا ہے، اور کہتا ہے "یا امیر المومنین آیة تقرؤنها فی کتابکم لو علینا معشر الیهود نزلت لا تخذنا ذلک الیوم عیداً" امیر المومنین ایک آیت ہے جو آپ اپنی کتاب میں (بے تکلف) پڑھتے ہیں کہیں اگر ہم یہودی جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کا ایک جشن اور تہوار مناتے حضرت عمرؓ نے فرمایا: کون سی آیت؟ یہودی عالم نے کہا "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی" یہودی عالم کو معلوم تھا کہ یہودی شریعت اور مذہب کی تاریخ میں اس قسم کا کوئی اعلان نہیں کہ نبوت فلاں اسرائیلی نبی پر ختم ہوگئی، یہ ہی کہا، اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ وہ پہلے سے ایک تاریخی اور یادگار دن ہے، جس میں مسلمان جمع ہوتے اور عبادت کرتے ہیں، دوسرے یہ بھی مفہوم نکلتا ہے کہ وہ کس دن نازل ہوئی، لیکن ہم اس دن کو اس کا تہوار نہیں بنائیں گے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے دو عیدیں مانی ہیں، اور امت کو عطا کی ہیں، ایک عید الفطر ایک عید الاضحیٰ، آپ نے فرمایا کہ اللہ نے ہمیں غیر مسلموں کے تہواروں کے مقابلہ میں دو تہوار دیئے ہیں، ایک عید الفطرؔ کا، ایک عید الاضحیٰ کا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ان دونوں کے علاوہ کوئی مستند تہوار کھل کھیلنے، دھوم مچانے اور رنگ رلیاں منانے کے لئے نہیں، جن میں آدمی خدا کو بھی بھول جاتا ہے اور اپنے کو بھی، اور بعض اوقات تہذیب و اخلاق کو بھی، اس کے برخلاف اسلامی تہواروں (عیدین) کی شان یہ ہے کہ چاشت کی نماز، فرض و واجب تو کیا، سنت مؤکدہ بھی نہیں تھی، لیکن ان دونوں دنوں میں اسی چاشت کے وقت میں ایک نئی نماز (دوگانہ عید) کا اضافہ کیا گیا، اور اس کو سنت مؤکدہ قرار دیا گیا، ہر نماز میں دو تکبیریں، ایک تکبیر تحریمہ اور ایک تکبیر رکوع ہوتی ہے، دوگانہ عید میں ان دو تکبیروں کے علاوہ تین تکبیریں اور بڑھا دی گئیں، یہ اچھا

تہوار ہوا، نماز بھی بڑھا دی، اور نماز میں تکبیروں کی تعداد بھی بڑھا دی، اور ایک خطبہ کا اضافہ ہوا، یہ ہے اسلامی تہواروں کی خصوصیت۔

حضرات! آپ ایک دینی درسگاہ اور ایک جامعہ کے استاد و طالب علم ہیں، آپ کا فرض ہے کہ اس بات کی پوری اور پوری بیداری کریں کہ مسلمان راعنا تو نہیں کر رہے ہیں، راعنا کہنے سے راعنا کرنا اور بھی برا ہے، مسلمانوں کی یہ ذہنیت تو نہیں ہوگئی کہ صاحب فلاں قوم فلاں فرقہ فلاں چیز کا جلوس نکالتا ہے، ہم اس کے مقابلہ میں فلاں چیز کا جلوس نکالیں، یہ طرز عمل راعنا کہنے سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ راعنا تو ایک لفظ تھا، جو ہوا میں اڑ کر رہ جاتا تھا، لیکن جو چیز غیر مسلموں کی نقل میں کی جائے گی وہ عملی راعنا ہے، اور اس کا اثر عقائد، اعمال، اور تمدن و معاشرت پر پڑے گا، علماء کا فرض ہے کہ جس وقت بھی کوئی ایسی بدعت، کوئی منکر، اور غیر مسلموں کی تقلید کی دعوت سامنے آئے تو صاف کہہ دیں کہ اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں، یہ اسلام کی روح اور تعلیمات کے منافی ہے، آج درگاہوں اور مزاروں پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ زیادہ تر غیر مسلموں کی نقل ہے، ان اعمال و رسوم و بدعات کی تاریخ موجود ہے، جس سے پتہ چل سکتا ہے کہ وہ کب اور کہاں سے شروع ہوئیں، اور ان کے محرکات کیا تھے، دین کی روح عبادت ہے، دین کی روح انابت الی اللہ ہے، دین کی روح توحید ہے، دین کی روح سادگی ہے، دین کی روح وہ ہے، جس سے کرانے والے کو بھی فائدہ پہنچے دوسروں کو بھی، عید الاضحیٰ میں نماز تو نماز قربانی بھی رکھ دی کہ محلہ اور گاؤں میں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو گوشت کو بھی ترستے ہیں، مہینوں گذر جاتے ہیں، ان کو گوشت کھانا نصیب نہیں ہوتا، آج پیٹ بھر کر گوشت کھالیں گے، اور حضرت ابراہیم واسمٰعیل اور آنحضرت ﷺ کی سنت بھی ادا ہو جائے گی۔

خاص طور پر علماء کا فرض ہے کہ اس پر کڑی نظر رکھیں کہ اسلامی معاشرہ میں کوئی راعنا وبے پاؤں تو نہیں چلا آرہا ہے؟ جہاں آئے وہیں اس کو روک دیں، آپ ﷺ نے امت کو وصیت کرتے ہوئے صاف طور پر فرمایا" **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهديين تمسكو ابها وعضو عليها بالنواجذ.**"(۱) (میری سنت

اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرو جو ہدایت یافتہ تھے، اس کو مضبوط ہاتھوں سے تھامو اور دانتوں سے دباؤ) (روایت عرباض بن ساریہ۔ مشکوٰۃ شریف) ہمارے مدارس کا فائدہ اور اصلی غرض وغایت یہی ہے کہ وہ دین کے چوکیدار، راتوں کو پہرہ دینے والے پیدا کریں، اگر وہ بھی "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" کا مصداق بن جائیں اور ہر شرعی اور غیر شرعی کام میں عوام کا ساتھ دینے لگیں، بلکہ قیادت کرنے لگیں تو پھر بقول شاعر

چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

اگر عربی زبان پڑھی اور اس سے نوکری مل گئی تو پھر عربی انگریزی میں کیا فرق ہوا، علماء کو ورثۃ الانبیاء کہا گیا ہے اور انبیاء دین کے پاسبان، اور اس کے بارے میں سخت غیور اور ذکی الحس ہوتے ہیں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہودیوں نے فرمائش کی کہ "اجعل لنا الٰها كما لهم آلهة." ہمارے لئے بھی کوئی ایسا (رونق اور جشن والا) (محسوس ومرئی) معبود تجویز کر دیجئے جیسے ان قبطیوں اور مصریوں کا ہے، تو انہوں نے جلال میں آکر کہا کہ "اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ. اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (سورہ اعراف ۱۳۸، ۱۳۹)

(تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو، یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے) ہوئے ہیں وہ برباد ہونے والا ہے، اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بیہودہ ہیں) بعینہ اسی طرح کا واقعہ اور اسی جاہلی وتقلیدی ذہنیت کا ظہور ایک سفر میں عہد رسالت میں بھی ہوا، عرب کے بعض قبائل کو ایک بڑے اور سرسبز درخت سے جس کا نام ذات انواط تھا، خاص عقیدت تھی، وہ اس میں اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، اور اس کے نیچے قربانیاں کرتے تھے، ایک دن وہاں قیام کرتے تھے، غزوہ حنین کے موقع پر بعض ایسے مسلمانوں کے (جن کو اسلام لائے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے) اس کو دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا، اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا "یا رسول اللہ (ﷺ) ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی مرکز عقیدت تجویز فرما دیجئے، جیسا ان قبائل کے پاس ہے، آنحضرت ﷺ کو یہ سن کر بڑا جلال آیا اور فرمایا کہ یہ تو حضرت موسیٰ کی قوم کا سا قصہ ہوا، بے شک تم اپنی پیش رو قوموں کی ایک ایک بات اور

طریقہ کی پیروی کرو گے۔"

(سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۱۴۴۲ اصل روایت صحیح میں بھی ہے)

علماء میں ایسا دینی جلال، اور توحید وسنت کے بارے میں غیرت اور حمیت ہونی چاہئے، اور ہمارے مدارس جو دینیہ یہی عنصر اور جنس پیدا کرنے کے لئے قائم ہوئے تھے، اور ان کو اپنی یہ خصوصیت ہمیشہ برقرار رکھنی چاہئے۔ اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق بخشے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانیت کی راہنمائی میں اسلام کا تاریخی کردار

عالم اسلام کے لئے یہ بات قابل شکر و مسرت ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامی تعلیمات کا ایک مرکز باقاعدہ قائم ہو گیا ہے۔ اس مرکز کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے صدر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ہیں۔ اور ہندوستان ہی کے ایک نوجوان اسکالر ڈاکٹر فرحان نظامی نے اس کا نقشہ عمل تیار کیا اور اس کے قیام کے لئے جدو جہد کی اور بڑی کاوشوں اور دشوار گزار منزلوں کو طے کر کے کامیابی کی منزل میں داخل ہو گئے۔ اس بات کی اہمیت وہ حضرات جانتے ہیں جن کے علم میں یہ حقیقت ہے کہ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں یہودیوں نے ہر جگہ اپنا مرکز کسی نہ کسی نام سے قائم کر رکھا ہے۔ کہیں اس کا نام ''سامی زبانوں کا مرکز'' ہے اور کہیں مڈل ایسٹ سینٹر ہے۔ اور انہی مراکز سے مشرقی اور عربی ممالک کے طلبہ اسلامیات اور عربی زبان و ادب میں ڈگریاں حاصل کرتے رہے۔ عرب ممالک کی یونیورسٹیوں کے بہتیرے وائس چانسلر، ڈین آف فیکلٹی اور پروفیسر انہی مراکز کے فارغ التحصیل ہیں جو یورپ اور امریکہ میں یہودیوں نے قائم کئے ہیں۔ لندن یونیورسٹی کا اسکول آف اورنیٹیل اینڈ فریقن اسٹڈیز بہت مشہور ہے۔ اس میں ایک شعبہ عربی زبان کا بھی ہے۔ عربی زبان کے ضمن میں اسلامی تعلیمات کو بھی شمار کیا ہے۔ چنانچہ میرے علم میں متعدد اصحاب علم و دانش وہ ہیں جنہوں نے اس شعبہ کے ماتحت امام غزالی۔ امام ابن تیمیہ پر ریسرچ کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر بھی ہمارے ملک کے بعض اصحاب علم نے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ کیمبرج اور آکسفورڈ میں بھی مذہب کے تقابلی مطالعہ کے شعبہ اور عربی فارسی ڈیپارٹمنٹ سے حدیث و قرآن پر لوگ ریسرچ کر چکے ہیں۔

اڈنبرہ کے پروفیسر مانٹ گمری واٹ مشہور مصنف اور سیرت نبوی ﷺ کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے ان طلبہ کے لئے جو قرآن کریم پر ریسرچ کرنا چاہیں ایک اسکالرشپ

بھی منظور کرالیا تھا۔ بشرطیکہ ان کے ریسرچ کی اس مفروضہ پر ہو کہ قرآن رسول اللہ کی تصنیف ہے۔ لیکن کسی یونیورسٹی میں ایسا اصول یا گنجائش نہیں تھا جہاں مسلم اسکالرز کی زیر نگرانی اسلامی تعلیمات پر ریسرچ کرایا جائے۔ یہ خصوصیت آکسفورڈ یونیورسٹی سے اس ادارہ کو حاصل ہوئی ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس مرکز کی اہمیت کو عصر حاضر کے ممتاز علماء اور بین الاقوامی سطح کی مشہور شخصیات نے سمجھا اور ابھی اگست کے آخر میں اس کے بورڈ کا دوسرا جلسہ انتظامی ہوا۔ جس میں یہ سب شریک تھے۔ رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف جو جدہ کی ملک عبدالعزیز یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ جامعہ محمد بن سعود ریاض کے صدر ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی، امام درماں یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر کامل الباقر، ہندوستان کے مشہور مورخ ڈاکٹر خلیق نظامی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے "کلیۃ الادب" کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی (حال ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہندوستان صدر مسلم پرسنل لا بورڈ ہندوستان) ان کے علاوہ اس کے جلسوں میں آکسفورڈ کے مختلف کالجوں کے مستشرقین نے بھی شرکت کی۔ اس لحاظ سے یہ سنٹر عالم اسلام کا ایک مشترک سرمایہ ہے۔

اس بورڈ کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی مدظلہ چونکہ عالم اسلام سے قریبی واقفیت رکھتے ہیں "رابطہ الجامعات الاسلامیہ" (یونین آف اسلامک یونیورسٹیز) کے بھی رکن ہیں۔ اور ان کے علم میں یہ بات ہے کہ یورپ و امریکہ کی ڈگریاں حاصل کرنے والے آج بھی بیشتر عرب ممالک میں وزارت یا بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ لہذا اگر ان کی ذہنی و علمی تربیت مسلمان اہل و دانش کی سرپرستی میں ہوگی تو ان ممالک میں اسلامی اقدار کی حفاظت کا سامان ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا نے بستر علالت سے اٹھتے ہی اس طویل اکتا دینے والے سفر کی زحمت برداشت کی۔

اس سفر میں مولانا نے سینٹ کراس کالج میں اسی مرکز کے ماتحت ایک محاضرہ بھی دیا جو کویت کے ایک صاحب علم اور مخیر تاجر جناب عبداللہ العلی المطوع سے منسوب لیکچروں کے سلسلہ کی پہلی کڑی اور افتتاحی محاضرہ تھا یہ تفصیلی نوٹ اور اس کا اردو ترجمہ معاصر رسالہ "ذکر و فکر" میں شائع ہوا۔ اسی کو تقریری شکل دیکر یہاں پیش کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبوت محمدی ﷺ کا اعجاز اور انقلابی کارنامہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعیٰ بدعوتھم الی یوم الدین اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین صدق اللہ العظیم .

حضرات! اگر کوئی واحد ہستی ایسی ہے جس کے متعلق وثوق سے کہا جا سکے کہ اس نے حقیقتاً تاریخ کا رخ موڑ دیا ہے۔ جس نے انسان کو جہالت کے بجائے علم، فرسودہ روایات کے بجائے تعقل اور آباؤ اجداد کے نقش قدم کورانہ پیروی کے بجائے، عقل و بصیرت اور تفکر و تدبر سے کام لینے کا عادی بنایا ہے تو وہ ذات گرامی حضور اکرم ﷺ کی ہے آپ ﷺ تاریخ کے اس دوراہے پر کھڑے نظر آتے ہیں جہاں سے عقل و استدلال اور توہم پرستی کے راستے جدا ہوتے ہیں۔ آپ کی تعلیمات نے انسان کو عقل کی روشنی عطا کی اور اس کی مبصرانہ صلاحیتوں کو جلا بخشی۔

اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ محمد ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں خالق کائنات نے نوع بشری کو علم عطا کرنے کے احسان کا ذکر کیا ہے۔ اور اس قلم کو اس کو وسیلہ قرار دیا۔ جس سے علم کا تاریخی سفر وابستہ ہے اور جس سے تصنیف و تعلیم کی عالمگیر تحریک جاری ہوئی۔ اور علم ایک فرد سے دوسرے فرد، ایک قوم سے دوسری قوم، ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ اور ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا رہا۔ دنیا میں علم کی اشاعت اور

انسانی ضرورت کے مطابق اس کی نوعیت کا فخر اسی کو حاصل ہے اور اس کی گردش و جنبش سے مدارس و جامعات اور علمی اداروں اور کتب خانوں کی دنیا آباد ہے۔

جہاں تک بشری قرائن و قیاسات کا تعلق ہے۔ اس بات کا کوئی تاریخی و عقلی قرینہ نہ تھا کہ پہلی وحی کے ذیل میں ''قلم'' کا بھی ذکر آسکتا ہے۔ کیونکہ یہ وحی ایک امی انسان ایک ان پڑھ قوم کے درمیان اور ایک پسماندہ علاقہ میں نازل ہو رہی تھی۔ جہاں پارہ چوب جس کا نام ''قلم'' ہے۔ سب سے زیادہ نادر و نایاب شے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی لئے عربوں کا لقب ہی ''امیین'' پڑ گیا تھا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ. (الجمعہ)

(ترجمہ) وہی تو ہے جس نے امی لوگوں میں انہی سے ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ درآں حالیکہ یہ لوگ پہلے سے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

ایک غیر متوقع آغاز:

غار حرا میں نبی ﷺ امی پر پہلی وحی اترتی ہے (جب کہ چھ سو سال کے طویل وقفہ کے بعد زمین کا آسمان سے بلکہ صحیح تر الفاظ میں آسمان کا زمین سے وحی و نبوت کے ذریعہ رابطہ قائم ہوا تھا، تو اس میں عبادت کا حکم اور اللہ کی معرفت اور اطاعت وغیرہ کوئی ایجابی باتوں کے ترک کرنے یا جاہلیت اور اس کے عادات واطوار پر نکیر جیسی کوئی سلبی بات نہیں کہی گئی۔ اگرچہ یہ سب باتیں اپنی جگہ پر اہم تھیں۔ اور اپنے اپنے موقعہ پر ان کی وضاحت تبلیغ کی گئی۔ بلکہ کلمہ ''اقرا'' سے اس وحی کا آغاز ہوا۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ O الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ O (العلق)

آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے۔

جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے۔ آپ قرآن پڑھا کیجئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی جس نے، انسان کو ان چیزوں سے تعلیم دی جنہیں وہ نہیں جانتے تھے۔

اس طرح یہ تاریخی واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ جس نے مورخین ومفکرین کے غور وفکر کے لئے نئے اور وسیع آفاق مہیا کئے۔ اور یہ اس حقیقت کا بلیغ اور واضح اشارہ تھا کہ اس امی ﷺ کے ذریعہ انسانیت اور مذاہب کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوگا، جو وسیع وعمیق معنوں میں قرأت (خواندگی) اور پڑھنے لکھنے کا وسیع ترقی یافتہ دور اور علم کی حکمرانی کا عہد زریں ہوگا اور علم ودین دونوں مل کر نئی انسانیت کی تکمیل وتشکیل کریں گے۔

انفس وآفاق اور اقوام وملل کے ماضی پر غور وفکر کی دعوت اور اس کے فائدے

حضرات! قرآن علم کے مختلف ذرائع کے تذکرہ کے ساتھ ان اشیاء کی جانب توجہ دلاتا ہے جن کا مطالعہ حصول علم کے لئے کیا جانا چاہئے اس سلسلہ میں اس نے انفس و آفاق اور گزشتہ اقوام کے احوال جنہیں قرآن نے ''ایام اللہ'' اور ''سنۃ اللہ'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور آج جسے تاریخ کہتے ہیں، کی جانب توجہ دلائی ہے۔ تاکہ انسان ان پر غور وخوض کر کے مفید نتائج برآمد کر سکے۔ اور بڑے قیمتی اور دور رس، پر از امکان اور انسانی مستقبل پر گہرائی سے اثر انداز ہونے والے نتائج تک پہنچ سکے۔

علامہ اقبال، عقل انسانی اور علم کے وسائل ومصادر کی اسلام کے ذریعہ وسعت و نتیجہ خیزی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے مشہور خطبات (۱) میں فرماتے ہیں۔

''لیکن مشاہدات باطن صرف ایک ذریعہ ہیں علم انسان کا قرآن پاک کے نزدیک اس کے دو سرچشمے اور ہیں۔ ایک عالم فطرت دوسرا عالم تاریخ۔ جن سے استفادہ کرنے میں عالم اسلام کی بہترین روح کا اظہار ہوا ہے۔ قرآن پاک کے نزدیک یہ شمس وقمر، یہ

(1) Reconstruction of religious in Islam.

سالوں کا امتداد، یہ اختلاف لیل و نہار، یہ رنگ و زبان کا فرق اور یہ قوموں کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کے دنوں کی آمد و شد حاصل کلام یہ کہ یہ سارا عالم فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے۔ حقیقت مطلقہ کی آیات ہیں اور اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان میں غور و تفکر سے کام لے۔ یہ نہیں کہ بہروں اور اندھوں کی طرح ان سے اعراض کرے۔ کیونکہ جو کوئی اس زندگی میں اندھوں کی طرح ان آیات سے اپنی آنکھیں بند رکھتا ہے وہ آگے چل کر بھی اندھا ہی رہے گا یہی وجہ ہے کہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر بار بار توجہ کی اس دعوت کے ساتھ ساتھ جس کی قرآن مجید نے تعلیم دی، جب مسلمان رفتہ رفتہ اس حقیقت کو پا گئے کہ کائنات میں روانی اور حرکت ہے وہ متناہی ہے اور اضافہ پذیر۔ تو انجام کار یونانی فلسفہ کی مخالفت پر جس کا اپنی حیات ذہنی کی ابتداء میں انھوں نے بڑے ذوق و شوق سے مطالعہ کیا تھا، اتر آئے شروع شروع میں تو انہیں اس امر کا احساس نہیں ہوا کہ قرآن مجید کی روح فلسفہ یونانی کے منافی ہے۔ اور اس لئے حکمت یونان پر اعتقاد کرتے ہوئے انھوں نے قرآن پاک کا مطالعہ بھی فکر یونانی ہی کی روشنی میں کیا۔ لیکن قرآن مجید کا زور چونکہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر ہے اور حکمت یونان کا حقائق کے بجائے نظریات پر۔ لہذا ظاہر ہے کہ یہ کوششیں ایک نہ ایک دن ضرور ناکام رہتیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ اسی کوشش کی ناکامی تھی۔ جس کے بعد اسلامی تہذیب و ثقافت کی حقیقی روح برسر کار آئی۔ حتی کہ تہذیب جدید کے بعض اہم پہلوؤں کو دیکھئے تو ان کا ظہور بھی اسی کا مرہون منت ہے۔(۱)

وہ آگے مزید فرماتے ہیں:

”قرآن پاک نے تاریخ کو ”ایام اللہ“ سے تعبیر کیا اور اسے علم کا ایک سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔ اس کی ایک اور بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اقوام اور امم کا محاسبہ انفرادی و اجتماعی دونوں لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ انہیں اپنی بداعمالی کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے۔ اور

(۱) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ ص ۱۹۲ تا ۱۹۵ طبع ۱۹۵۸ء

یہ وہ بات ہے جس کے ثبوت میں اس نے بار بار تاریخ سے استناد کیا۔" علاوہ ازیں قارئین کو توجہ دلائی کہ نوع انسانی کے گزشتہ اور موجودہ احوال و شئون کے مطالعہ میں غور فکر سے کام لیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ O (ابراھیم)

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ۔ اور ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو صابر و شاکر ہیں (قدرت خدا کی) نشانیاں ہیں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ. وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ. (الاعراف ۱۸۱، ۱۸۲)

اور ہماری مخلوق میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوگا۔"

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ O (آل عمران)

تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں۔ اور تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

فَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ (آل عمران)

اور یہ دن ہیں کہ ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ O (الاعراف)

اور ہر فرقہ کے لئے موت کا ایک وقت مقرر ہے جب وہ آ جاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔

علمی منتشر اکائیوں میں وحدت و ربط

حضرات! علم کے صحیح مقصد کی طرف رہنمائی اور اسے مثبت تعمیری و مفید اور ذریعہ یقین بنانے کے سلسلہ میں بعثت محمدی ﷺ اور دعوت اسلامی کے رول کی اس سے زیادہ اہمیت اور قدر و قیمت ہے جو اس نے علمی تحریک کی فعالیت و وسعت کے سلسلہ میں ادا کیا ہے۔

علم کی کڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ بسا اوقات متضاد تھیں۔ علم طبیعات و حکمت دین سے برسر پیکار تھے۔ حتیٰ کہ ریاضی جیسے معصوم علم کے ماہرین بھی بعض اوقات ملحد والحادی نتیجے نکالتے تھے۔ چنانچہ یونان کے علماء جنہوں نے صدیوں تک فلسفہ و ریاضیات میں اپنا امتیاز قائم رکھا تھا۔ یا تو مشرک تھے یا ملحد تھے۔ اور یونان کے علوم اور مدارس فکر دین کے لئے خطرہ اور ملحدین کے لئے سند اور نمونہ بنے ہوئے تھے۔ اس صورت حال میں یہ اسلام کا بڑا احسان تھا کہ اس نے ایسی وحدت قائم کی جو تمام علمی اکائیوں کو مربوط کر دیتی تھی اور اس کے لئے ایسا کرنا اس لئے آسان ہوا کہ اس کا علمی سفر صحیح نقطہ آغاز سے آغاز ہوا تھا۔ اس لئے کہ اللہ پر ایمان، اس سے مدد طلبی اور اس پر اعتماد کے ذریعہ اور اقرأ باسم ربک الذی خلق کی تکمیل میں شروع کیا تھا۔ اور آغاز کی صحت اکثر اوقات انجام کی صحت و خیریت کی ضمانت ہو جاتی ہے۔ اسلام نے قرآن و ایمان کے فیض و فضل سے ایسی وحدت کا انکشاف کیا جو تمام وحدتوں کو مربوط کر دیتی ہے اور وہ وحدت اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت ہے۔ جس کے بارے میں اللہ نے اپنے مومن بندوں کی تعریف کی ہے۔

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران ١٩١)

اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار تو نے یہ (سب) لایعنی نہیں پیدا کیا ہے۔ تو پاک ہے۔ سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے

عذاب ہے۔

زمانہ ماسبق میں کائناتی وحدتیں (یعنی اس کے مظاہر اور حوادث وتغیرات، انسان کو متضاد نظر آتے ہیں اور اسے حیرت واضطراب میں ڈالتے تھے۔ اور کبھی کفر والحاد اور خالق عالم اور مدبر کائنات کے اوپر طعن واعتراض تک پہنچا دیتے تھے۔ اسے دیکھ کر ایمان وقرآن پر مبنی "اسلامی علم" نے دنیا کو ایسی وحدت عطا کی جو کائناتی وحدتوں کو جمع کرتی ہے اور وہ اللہ کا غالب ارادہ اور اس کی حکمت کاملہ ہے۔

ایک بڑے جرمن عالم ہیر الڈ ہوفٹنگ اس وحدت کی دریافت اور انسانی علم و اخلاق کے تاریخی سفر میں اس کے موثر کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ہر مذہب کا ایمان توحید پر ہے جس کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے کی علت وجود ایک ہی ہے (اس فکر سے لازمی طور پر پیش آنے والی مشکلات سے قطع نظر ایمان و اعتقاد فطرت انسانی پر بڑا مفید اور اہم اثر مرتب کرتا ہے۔ اور اس کے ماننے والوں کے لئے یہ عقیدہ رکھنا آسان ہو جاتا ہے کہ بعض اختلافات وتفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے، عالم کی تمام چیزیں ایک وحدت میں منسلک ہیں۔ کیونکہ علت کی وحدت، قانون کی وحدت کا بھی تقاضا کرتی ہے۔"

"ازمنۂ وسطی کے دینی فلسفہ نے کثرت میں وحدت کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا۔ جس سے غیر مہذب انسان طبعی مظاہر کی کثرت کے سبب اس سے غافل تھا۔ اور اس کثرت کے مشاہدہ میں اس لئے غلطیاں و پیچاں رہتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ان میں رابطہ ذاتی پیدا کرنے کا کوئی سررشتہ نہ تھا۔"

مغرب کی بیداری اور علم وتہذیب کے نئے دور کے آغاز میں اسلام کا حصہ

رابرٹ بریفالٹ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اس کے نمایاں

آثار کی گہری چھاپ نہ ہو۔

وہ آگے چل کر لکھتا ہے۔

''صرف طبعی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے، یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوئیں۔''

اکثر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یورپ کی نشاۃ ہی فکر یونان کے احیاء کا نتیجہ تھی۔ مشہور مورخ ایس.جی.ویلس نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ موجودہ دنیا کو قوت اور علم کی روشنی یونان سے ہی ملی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

''جس علم کی ابتداء کرنے کے بعد اسے یونانیوں نے خیر باد کہہ دیا تھا اسے نئے زاوئے اور نئے جوش وخروش کے ساتھ عربی ذہن نے نظر و ترتیب کے ساتھ اپنا موضوع بنالیا۔ اگر یونانی حقیقت کے سائنسی طریقہ انکشاف کے باپ تھے تو عرب اس کے مربی تھے۔ جنھوں نے انتہائی صاف گوئی آسان اور سہل تشریحات باقاعدہ اور نپے تلے الفاظ اور جامع تنقید سے اسے سنوارا تھا۔ یہ صرف عرب تھے نہ کہ لاطینی جن سے جدید دنیا کو علم اور قوت کا تحفہ حاصل ہوا ہے۔''

قدیم دنیا میں مسلمانوں کا علمی تفوق، اور مفید اور بحری علوم میں ان کی قیادت

حضرات! میں اپنے مطالعہ کی روشنی میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ مسلمانوں نے صرف عظیم الشان اور وسیع سلطنتوں کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ ایک زمانہ میں وہ دنیا کی تمام اقوام پر علم و فضل میں بھی فائق تھے۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جو حصول علم کے شوق، اس کی بے لوث خدمت اور مختلف علوم میں بیش بہا تصنیفات کے لئے ممتاز رہے ہیں۔ قرن اول کے ائمہ، محدثین اور فقہا و مجتہدین سے قطع نظر (جن کی

مثال دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملتی) مسلمانوں نے دینی اور دنیاوی علوم میں ایسے مفکرین اور مصنفین پیدا کئے جس کا مقابلہ دوسری قوموں کے بڑے سے بڑے عالم سے کیا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں نے اپنے تحصیل علم کا دائرہ صرف مذہبی علوم مثلاً تفسیر حدیث، فقہ، اصول فقہ اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ انہوں نے جغرافیہ، طبیعات، نباتات، ہندسہ، طب، کیمیا، فلسفہ تاریخ و مذاہب وتمدن جیسی علوم کی خدمت بھی کی۔ ان کے اکثر علماء نے صدیوں تک علوم وفنون میں دنیا کی رہنمائی کی ہے اور کبھی نہ مٹنے والے نقوش چھوڑے ہیں۔

یہاں صرف چند علماء کا تذکرہ کر رہا ہوں کیونکہ کسی طویل تعارف کے لئے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔

مسلمان موجدین فن اور ماہرین علوم

الخوارزمی (م ۸۵۰/۲۳۶) نے سب سے پہلے عالمی جغرافیہ پر کتاب لکھی اور پھر محمد بن محمد الادریسی (م ۱۱۵۳/۵۶۰) نے ''الممالک والمسالک'' میں عالم اسلام کے تجارتی راستوں کو نقشہ جات کے ساتھ وضاحت سے بیان کیا۔ ابن الہثیم، م ۱۰۳۹/۴۳۱، نے تقریباً دو سو کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں ۴۷ علم ہندسہ اور ۵۸ انجینئرنگ کے موضوع پر تھیں۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے اسوان ڈیم کی تجویز پیش کی۔ اور علم بصارت میں مفید انکشافات کئے۔ اس نے اپنی کتاب المناظر میں بصری ادراک کی سلسلہ میں یہ نظریہ پیش کیا کہ کسی شے کی بصارت اس سے ٹکرا کر واپس آنے والی شعاعوں پر منحصر ہے۔

محمد بن موسیٰ الخوارزمی (م ۸۵۰/۲۳۶) نے علم ہندسہ میں ایک سے نو تک اعداد کے بعد صفر کا اضافہ کیا۔ اور سب سے پہلے اعداد کی حیثیت کا تعین کیا، الخوارزمی نے ہی الجبر (الجبرا) ایجاد کیا۔

البتانی (م ۹۲۹ ـ ۳۱۷) جسے مغربِ البٹکینی اور البا طینوس کی نام سے یاد کرتا ہے۔ عظیم عرب ماہر فلکیات تھا جس نے گہن کی جتی کا بالکل صحیح اندازہ لگایا۔ شمسی سال کی مدت، موسموں کی تبدیلی اور سورج کا اوسط مدار کا پتہ چلایا۔ اور بطلیموس کے اس نظریہ کی تردید کی کہ سورج کا مدار غیر متحرک ہے۔

ابو بکر محمد الرازی (م ۹۳۲/ ۳۱۱) جسے مغرب نے زیرز کا نام دے رکھا ہے۔ عہد وسطی کا سب سے بڑا طبیب ہونے کے ساتھ عظیم فلسفی اور ماہر کیمیا بھی تھا۔ اس نے اپنی معرکۃ الاراء تصنیف الحاوی میں یونانی، مصری، قدیم عرب اور ہندوستانی طب کا جائزہ پیش کیا۔

ابن لبیطار (م ۱۲۴۸/ ۶۴۶) اپنے زمانہ میں عظیم ماہر ادویات تھا۔ اس نے اپنی دو مشہور تصانیف "المغنیفی الادویہ" اور "الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ" میں مختلف بیماریوں کے علامات بیان کئے ہیں۔ اور حروف تہجی کے اعتبار سے تقریباً چودہ سو حیوانات، نباتات اور معدنیات کا تفصیلی تذکرہ خود اپنے یا دوسرے ۱۵۰ ماہرین کے مشاہدات کی بناء پر پیش کیا ہے۔

بوعلی سینا (م ۱۰۳۷/ ۴۲۸) جسے مغربی دنیا آوی سینا کے نام سے جانتی ہے نے فلسفہ کے موضوع پر القانون فی الطب اور نفسیات کے موضوع پر احوال النفس تصنیف کی۔ اب تک اس کی ۲۳۱ تصنیفات کا انکشاف ہو چکا ہے اور ۱۱۰ دوسری کتابوں کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسی کی لکھی ہوئی ہیں۔ طب میں اس کی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے اس کی کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد تقریباً پانچ سو برسوں تک یعنی سترہویں صدی کے اختتام تک اپنے موضوع پر سب سے مستند کتاب سمجھی جاتی ہے

علم کے ان درخشندہ ستاروں میں ابن

خلدون (م ۱۴۰۶/ ۸۰۸) بھی شامل ہے۔ جو دنیا کا سب سے پہلا ماہر سماجیات ہے اور جس نے انسانی سماج کو رخ دینے والے قوانین تلاش کرنے کی توجہ دلائی اور مغرب کے

فلسفی کا مٹی سے ۵۰ سال پہلے سائنسی علوم کی جانب توجہ مبذول کرائی۔ دنیائے علم وفن ابوریحان البیرونی (م ۱۰۵۱/۴۴۳) کی سعی بھی مشکور ہے۔ جسے طبیعات مابعد الطبیات، علم الادویہ، کیمیا، جغرافیہ اور تاریخ پر یکساں مہارت حاصل تھی اس نے اور دوسرے مسلمان سائنس دان مثلاً ابن الہیثم نے موجودہ سائنسی تحقیقات کی بنیاد ڈالی تھی۔

علم کی تاریخ کا سب سے بڑا مغالطہ اور تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا المیہ

حضرات! اس تقریر کے اختتام سے پہلے میں آپ کی توجہ اس بنیادی حقیقت کی جانب مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ انسان اپنی ذات سے علم کا نہ تو مرجع ہے اور نہ مصدر۔ وہ صرف اللہ کی مرضی کو پورا کرنے والا نائب یا نمائندہ ہے۔ قرآن مجید نے حضرت آدمؑ کو تعلیم اسماء (جو علم کی بنیاد ہے) کا ذکر ان کے زمین میں خلافت الٰہی کے منصب پر سرفراز ہونے کے تذکرہ کے بعد اور اسی سیاق وسباق میں کیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے علم کا استعمال خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے کرنے پر مامور تھے علم کی تاریخ بلکہ تاریخ عالم کا یہ بہت بڑا المیہ تھا۔ جو انسان نے فراموش کردیا۔ کہ وہ خالق کائنات کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اسے اس دنیا کی امانت سپرد کی گئی تھی۔ مالک اور آقا بنا کر بھیجا گیا تھا۔ کہ وہ زمین کے اوپر اور اس کے اندر پائے جانے والے خزانوں کو اپنے ذاتی، قومی، نسلی اور طبقاتی مفاد کے لئے یا برتری سیاسی حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے۔ انسانیت کی تاریخ اور علم کے لئے وہ منحوس ترین دن تھا۔ جب اس نے تباہی کے اس راستہ کا انتخاب کیا۔ صرف یہ احساس کہ انسان اس دنیا کا مالک ہونے کے بجائے خدا کا خلیفہ اور نائب ہے۔ اسے صراط مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے کیونکہ اس حقیقت کا عرفان ہی اس من مانی کارروائی کرنے میں مانع ہو سکتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔

دین اسلام کا مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات

نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ۔ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ، و اشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ ۔ صلی اللہ تعالی علیہ و علی الہ و صحبہ اجمعین ، و من تبعھم باحسان و دعی بدعوتھم الی یوم الدین ۔ امابعد ۔

میرے دوستو اور بھائیو! الحمد للہ اس کائنات میں ہر زندہ اور متحرک شے کا ایک خاص مزاج ، کچھ نمایاں خصوصیات اور ابھرے ہوئے خط وخال ہوتے ہیں ، جن سے اس کی شخصیت کی تشکیل اور اس کا تعین ہوتا ہے اور وہ اس کی صفات ممیز ہ قرار پاتی ہیں ۔ اس میں افراد ، جماعتیں ، ملتیں اور قومیں ، مذاہب اور فلسفے یکساں طور پر شریک ہیں ۔ وہ سب اپنی کچھ امتیازی خصوصیات اور نمایاں علامات رکھتے ہیں ۔ اس لئے یہ دریافت اور تحقیق حق بجانب ہے کہ اس دین (اسلام) کی صفات ممیز ہ اور اس کی شخصیت کے صحیح خط وخال کیا ہیں؟ دین کی تفصیلات ، تعلیمات ، ہدایات اور معین قوانین وضوابط کے مطالعہ اور جستجو سے پہلے ہمیں اس حقیقت سے باخبر ہو جانا چاہئے ۔ کیونکہ دین سے مکمل طور پر فائدہ اٹھانے اور اس کے رنگ میں رنگ جانے کے لئے یہی فطری طریقہ اور اس کے قفل کی شاہ کلید ہے ۔

سب سے پہلے ہمیں اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ دین ہم تک حکیموں اور دانشوروں ، ماہرین قانون ، علمائے اخلاق ونفسیات ، کشور کشا اور قانون ساز ،

بانیان سلطنت، خیالی گھوڑے دوڑانے والے فلاسفہ اور طالع آزما سیاسی رہنماؤں اور طالع آزما اور قوموں کے قائدین کے ذریعہ نہیں پہنچا۔ یہ دین ہم تک ان انبیائے کرامؑ کے ذریعہ پہنچا ہے جن کے پاس خدائے تعالیٰ کی وحی آتی تھی اور جن کا سلسلہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات کے دن یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً (مائدہ : ۳)

آج ہم نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اور جن کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی O اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی O (النجم : ۳، ۴)

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ
تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔

اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار، عقیدہ پر پُر زور اصرار، اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمد ﷺ تک تمام انبیاء کرامؑ ایک معین عقیدے کی (جو ان کو وحی کے ذریعہ ملا تھا) دعوت دیتے اور ان کا مطالبہ کرتے رہے اور ان کے مقابلہ میں کسی مفاہمت یا دست برداری پر تیاری نہ ہوئے۔ ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی اور اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی کردار کا حامل نیکی وصلاح، سلامت روی اور معقولیت کا زندہ پیکر اور مثالی مجسمہ خواہ اس سے بہتر کسی حکومت کا قیام، کسی صالح معاشرہ کا وجود اور کسی مفید انقلاب کا قیام وظہور ہوا ہو اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا، جب تک وہ اس عقیدہ کا ماننے والا نہ ہو، جس کو لے کر آئے، اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ اور جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کاوشیں صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر نہ ہوں۔ یہی وہ حد فاصل ور

واضح و روشن خط ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور قومی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں، انقلابیوں اور ہر اس شخص کے درمیان کھینچ دیا گیا ہے، جس کا سرچشمہ فکر و نظر انبیائے کرام کی تعلیمات اور سیرتوں کے بجائے کوئی اور ہو۔ (۱)

قرآن مجید جو تحریف سے محفوظ اور قیامت تک باقی رہنے والی واحد آسمانی کتاب ہے اور سیرت خاتم النبیین ﷺ جو انبیائے کرامؑ کی سیرتوں میں تنہا وہ سیرت ہے جس پر تاریخی و علمی طور پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور جس سے ہر دور میں عملی استفادہ ممکن ہے، اس حقیقت اور دعوے کے بکثرت شواہد و دلائل فراہم کرتے ہیں۔ ذیل میں صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں وہ آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی و خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تحمل اور نرم دلی کی خاص طور پر تعریف کی ہے:

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ۝ (هود. ۷۵)

بے شک ابراہیمؑ بڑے تحمل والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ (الممتحنة. ۴)

تمہیں ابراہیم اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے، جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، بے

---

(۱) موجودہ دور کے بگڑے ہوئے حالات سے دل برداشتہ بہت سے لوگوں کے اندر یہ مزاج پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ہر اس شخص کے جو انقلاب کا نعرہ لگائے یا کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرے، عقیدہ کے ہر بگاڑ اور افکار و نظریات کی ہر کجی اور انحراف کو معاف کر دیتے ہیں اور عقیدہ کے مسئلہ سے بالکل صرف نظر کر دیتے ہیں، بلکہ الٹے ان لوگوں کو ہدف ملامت بنا لیتے ہیں، اور کبھی باطل طاقتوں سے ساز باز کر لینے کا الزام بھی لگاتے ہیں، جو ایسے موقع پر عقیدت کی بحث کو اٹھاتے ہیں۔ اور اس شخص کے عقائد کے بارے میں کوئی سوال کریں، یہ طرز فکر اور طرز عمل صحیح دینی مزاج اور نبوی طریق سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

تعلق ہیں (اور) تمہارے معبودوں کے (کبھی) قائل نہیں ہو سکتے اور جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔ہاں ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لئے مغفرت مانگوں گا۔(۱) اور میں خدا کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا، اے ہمارے پروردگار تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے، اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیرے ہی حضور میں ہمیں لوٹ جانا ہے۔

عقیدہ کی اہمیت اور وصل اور فصل کا معیار ہونے کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ سورۃ الکافرون مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب حالات نرمی، تلطف اور عبادت وعقیدت کی بنیاد پر دشمنی نہ کرنے، اور اس مسئلہ کو اس وقت تک کے لئے ملتوی رکھنے کے متقاضی تھے جب اسلام کو طاقت حاصل ہو جائے اور معتدل و پرسکون حالات ہوں، لیکن قرآن صاف صاف کہتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کھل کر اعلان کرتے ہیں:۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○ (سورۃ الکافرون)

اے پیغمبر ﷺ ان منکرین اسلام سے کہہ دو کہ اے کافرو جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو، میں نہیں پوجتا اور جس (خدا) کی میں عبادت کرتا ہوں، اس کی تم عبادت نہیں کرتے، اور میں پھر کہتا ہوں کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو، ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں، تم اپنے دین پر، میں اپنے دین پر۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی اس کا مستحق تھا کہ اس کے عقیدہ سے صرف نظر کر لیا جائے

(۱) شاید بعض دلوں میں یہ خلجان پیدا ہو کہ حضرت ابراہیم نے اپنے بت پرست باپ سے دعاء استغفارہ کا وعدہ کیوں کیا؟ اس کا جواب سورۂ براۃ کی آیات ۱۱۴،۱۱۳ میں موجود ہے کہ انہوں نے اس وعدہ کا ایفا کیا لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے اور انہوں نے اظہار براۃ کیا۔اور اب ہمیشہ کے لئے یہ اصول بنا دیا۔

کیونکہ وہ زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کے لئے سینہ سپر اور جان و مال سے قربان رہا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب تھے۔ سیرت نگار بالاتفاق ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے سپر اور حصار بنے ہوئے تھے اور اپنی پوری قوم کے خلاف آپ ﷺ کے ممد و معاون اور ناصر و حامی تھے، لیکن صحیح روایتوں میں یہ ثابت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ابو طالب کی موت کے وقت جبکہ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "اے چچا، آپ لآالہ الااللہ کہہ دیجئے، میں اس کلمہ کی خدا تعالیٰ کے یہاں گواہی دوں گا۔" تو ابو جہل اور ابن ابی امیہ کہنے لگے، ابو طالب! کیا تم عبدالمطلب کے مذہب سے روگردانی کروگے؟ تو ابو طالب نے یہ کہتے ہوئے جان دی کہ عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں۔

صحیح روایات میں آتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابو طالب آپ ﷺ کی حفاظت اور مدد کرتے تھے اور آپ ﷺ کے بارے میں ان کے اندر بڑی حمیت تھی، جس کی بنا پر وہ لوگوں کی رضامندی اور ناراضگی کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے، تو کیا اس کا فائدہ ان کو پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان کو آگ کی لپیٹوں میں پایا، اور معمولی آگ تک نکال لایا۔ (مسلم، کتاب الایمان)

اسی طرح امام مسلم نے بروایت حضرت حفصہؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کیا ہے کہ وہ کہتی ہیں: میں نے کہا اے اللہ کے رسول ابن جدعان جاہلیت کے زمانہ میں بڑی صلہ رحمی کرتے تھے، مسکینوں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، تو کیا ان کے لئے یہ سودمند ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، ان کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ انہوں نے کبھی نہیں کہا:

رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین

(صحیح مسلم کتاب الجھاد والسیر)

اے میرے رب! روز جزا میرے گناہ بخش دیجئے گا۔

حضرات! اس سے بھی زیادہ صریح اور واضح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک

دوسری روایت ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور جب مقام حرۃ الوبرہ پر پہنچے تو ایک شخص آیا جس کی جرأت و بہادری مشہور زمانہ تھی، اس کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کو بڑی مسرت ہوئی (کہ اس سے لشکر اسلام میں، جو صرف تین سو تیرہ پر مشتمل تھا ایک وقیع اضافہ ہوگا، اس وقت ایک آدمی کی بھی بڑی قیمت تھی چہ جائیکہ ایک آزمودہ کار سپاہی) جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو اس نے عرض کیا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ ﷺ کے ساتھ چلوں اور مال غنیمت میں شریک ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہو، اس نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا واپس جاؤ۔ اس لئے کہ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لے سکتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ کچھ دور چلا یہاں تک کہ ہم لوگ جب مقام شجرہ پر تھے، وہ پھر آیا اور رسول اللہ ﷺ سے وہی پہلی بات عرض کی، آپ ﷺ نے وہی پہلا جواب دیا، فرمایا جاؤ میں مشرک سے مدد نہیں لیتا، وہ چلا گیا اور بیداء پہنچنے پر پھر آیا، آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو چلو۔" (صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر)

(۲) دوسری بات یہ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی (جن میں سرفہرست آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے) دعوت و تبلیغ اور جدو جہد و جہاد کا حقیقی محرک اور سبب محض خدائے تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی طلب ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی تیز تلوار ہے جو اس مقصد اعلیٰ کے علاوہ ہر مقصد کو کاٹتی اور نیست و نابود کر دیتی ہے، پھر نہ متاع دنیا کی طلب رہتی ہے اور نہ ملک و دولت اور سلطنت و ریاست کی چاہت، نہ سربلندی اور عزت کی خواہش، نہ غلبہ و اقتدار کی ہوس، نہ سربلندی مال و منال اور عیش و تنعم کی تمنا، نہ غضب و انتقام کا جذبہ، نہ جاہلی حمیت کا جوش۔ ان میں سے کوئی چیز بھی ان کو جدو جہد اور جہاد پر نہیں ابھارتی۔

یہ حقیقت سب سے روشن ہو کر رسول اللہ ﷺ کی اس دعا میں جھلکتی ہے، جو آپ ﷺ نے طائف میں اس وقت کی تھی جب اہل طائف نے آپ کے ساتھ ایسا جفا کارانہ اور

وحشیانہ برتاؤ کیا تھا، جس کی مثال دعوت ورسالت کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ آپ جس مقصد کے لئے وہاں تشریف لے گئے تھے، وہ بظاہر پورا نہیں ہوا، طائف کا ایک شخص بھی حلقہ بگوش اسلام نہ ہوا، اس نازک گھڑی اور سخت نفسیاتی حالت میں جو دعائیہ کلمات آپ ﷺ کے دہن مبارک سے نکلے تھے وہ یہ تھے:

اللهم اليک اشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي. وهواني على الناس يا ارحم الراحمين، انت رب المستضعفين وانت ربي الیٰ من تكلني، الى عدو يتجهمني ام الى قريب ملكته امري.

''الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی اورلوگوں میں تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے، اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کرر ہے ہیں؟ کیا بیگانہ و ترش رو کے، یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے۔''

اس نقطہ پر آ کر وہ نبوی مزاج، جس کی پرورش و پرداخت دست قدرت نے کی تھی پوری طرح جھلک اٹھتا ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

ان لم يكن بک غضب على فلا ابالي غير ان عافيتک هي اوسع لي (۱)

(ترجمہ) ''اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے بھی اس کی پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔''

نوح علیہ السلام کو دیکھیے، جو اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں، اور جن کے بارے میں قرآن کریم کی شہادت ہے:

فَلَبِثَ فِيهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا (سورہ عنکبوت ۱۴)

''وہ اپنی قوم میں پچاس برس کم ہزار برس رہے۔''

جنہوں نے یہ طویل مدت دعوت تبلیغ کے کام میں ہمہ تن مصروف رہ کر اور لوگوں کو مطمئن کرنے کے تمام مناسب طریقے اختیار کر کے گذاری، قرآن خود ان کا قول نقل کرتا ہے:

(۱) زاد المعاد ج ۱ صفحہ ۳۰۲، السیرۃ النبویہ، ابن کثیر ج ۲ صفحہ ۱۵۰

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۝

''(نوحؑ) نے خدا سے عرض کی کہ پروردگار! میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا۔''

(سورہ نوح۔۵)

آگے فرماتے ہیں:

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ (سورہ نوح ۸۔۹)

''پھر میں ان کو کھلے طور بھی بلاتا رہا اور ظاہر و پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔''

لیکن اس طویل اور زہرہ گداز محنت اور محبت کا نتیجہ کیا رہا؟

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ (سورہ ھود۔ ۴۰)

''ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے۔''

لیکن حضرت نوح علیہ السلام اس پر شاکی یا افسردہ خاطر نظر نہیں آتے، اور اپنی محنت کو رائیگاں نہیں سمجھتے اور نہ اس سے خدا کے یہاں ان کے مقام درجہ قرب اور اولوالعزم پیغمبر ہونے میں کوئی فرق آتا ہے، خدا ان سے راضی تھا، اور وہ اپنے خدا سے راضی تھے، خدا کا پیغام انہوں نے خدا کے بندوں تک پہنچادیا تھا، اور راہ خدا میں وہ کوشش کا حق ادا کرچکے تھے جس کے انعام میں یہ تمغہ قرآنی ان کو ملا:

وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

''اور پیچھے آنے والوں میں ان ذکر (جمیل باقی) چھوڑ دیا۔ یعنی تمام جہاں میں نوح علیہ السلام پر سلام ہو، نیکوکاروں کو ہم ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔'' (سورہ صافات:۷۸۔۸۱)

قرآن کریم دعوت و تبلیغ اور جدوجہد و جہاد کے میدان میں تمام کام کرنے والوں کو یہ تعلیم دیتا، اور یہ آداب سکھاتا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا

فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (سورہ قصص۔ ۸۳)

''وہ جو آخرت کا گھر ہے، ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے، اور انجام نیک پرہیزگاروں ہی کا ہے۔''

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قوت و طاقت جس کے ذریعہ مسلمان احکام خداوندی کا نفاذ کرسکتا ہے، اور دعوت کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو ہٹا سکتا ہے، اور جس کے ذریعہ زمین میں فساد اور ظلم اور باطل کے غلبہ کی آگ بجھا سکتا ہے، مثالی اسلامی زندگی، اور شریف و متدیّن ایمانی معاشرہ کے لئے سازگار ماحول تیار ہوسکتا ہے، وہ قابل توجہ اور لائق فکر و اہتمام نہیں، ہرگز نہیں، یہ تصور غیر اسلامی ہے اور اس رہبانیت کا پرتو ہے جس کے لئے خدائے تعالیٰ نے کوئی دلیل اور سند نازل نہیں فرمائی، اللہ تعالیٰ اپنے احسان و انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۝ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ وَلَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (سورہ نور۔ ۵۵)

(ترجمہ) ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، مستحکم اور پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد امن کو بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو ایسے لوگ بدکار ہیں۔''

یہ بھی ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال۔ ۳۹)

''اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد) باقی نہ رہے اور

ہیں سب خدا ہی کا ہو جاتا ہے۔"

اور یہ بھی فرمایا گیا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ O

(سورہ الحج: ۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیک کام کرنے کا حکم دیں، اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے مومنین سے سربلندی اور عزت و غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن اس شرط پر کہ وہ ایمانی صفات سے متصف ہوں اور ان کا مقصد عمل صرف رضائے خداوندی ہو، نہ کہ عزت و اقتدار کا حصول اور اس کے لئے کوشش، کیونکہ عزت و اقتدار نتیجہ ہے، نہ کہ مقصد، انعام ہے نہ کہ غرض و غایت، ارشاد ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O

(سورۃ آل عمران: ۱۳۹)

"اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا، اور نہ کسی طرح کا غم کرنا، اگر تم مومن (صادق) ہو تو تمہیں غالب رہو گے۔"

قرآن کریم نے جگہ جگہ اس کی صراحت فرمائی ہے کہ خدا کی طرف سے اپنے بندے سے جس کا مطالبہ ہے، اور جو چیز اس کے یہاں کارآمد ہے وہ قلب سلیم ہے۔ اس کا ارشاد ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ O اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ O

(سورۃ الشعراء: ۸۸-۸۹)

جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا، نہ اولاد، ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا۔)

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے

اِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الصّٰفّٰت ۸۴)

"جب وہ اپنے پروردگار کے پاس عیب سے پاک دل لے کر آئے۔"

اس لئے ہر اس چیز سے جو قلب سلیم کے منافی ہو، اور جس کے صنم و معبود بن جانے کا خطرہ ہو اور جو خدائے عزوجل کی محبت میں شریک و سہیم ہو، اس سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اور اس سے ہر قیمت پر بچنا لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الفرقان ۴۳)

کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

ان الشیطٰن یجری من ابن آدم مجری الدم

شیطان ابن آدم کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔

(۳) دین کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ان عقائد، دعوت و پیغام اور شریعت کے بارے میں جس کو وہ لے کر آتے ہیں، بڑے غیور اور ذکی الحس واقع ہوتے ہیں، وہ کسی حال میں بھی (خواہ دعوت کی مقبولیت اور کامیابی کی مصلحت ہی کا تقاضہ کیوں نہ ہو) اس کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ اپنی دعوت اور شریعت میں کوئی ترمیم یا تغیر و تبدل گوارا کرلیں، ان کے یہاں مداہنت اور تبدیلی موقف کی گنجائش نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر (ﷺ) کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (الحجر ۹۴)

پس جو حکم تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے، وہ سنا دو اور مشرکوں کا ذرا خیال نہ کرو۔

نیز ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (سورۃ المائدہ ۶۷)

(ترجمہ) "اے پیغمبر! جو ارشادات تم پر خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دو، اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے، اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔"

نیز فرمایا:

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ O (سورہ القلم ۹)

"یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو، تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔"

رسول اللہ ﷺ کا موقف توحید بلکہ اسلام کے بنیادی عقائد، حتیٰ کہ دین کے ارکان و فرائض کے بارے میں بھی لچک دار اور مصالحانہ موقف نہ تھا جو سیاسی قائدین کا (جو بزعم خود اپنے کو حقیقت پسند اور عملی انسان سمجھتے ہیں) ہر زمانہ میں طرہ امتیاز رہا ہے، شہر طائف کے فتح ہو جانے کے بعد عرب کے دوسرے سر برآوردہ قبیلہ ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اور یہ درخواست کرتا ہے کہ لات نامی صنم کو، (جس کی وجہ سے طائف کو مکہ کے بعد مرکزیت اور تقدس حاصل تھی) تین سال تک اپنے حال پر رہنے دیا جائے اور دوسرے اصنام کی طرح اس کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ صاف انکار فرما دیتے ہیں وفد کے لوگ دو سال، پھر ایک سال کی مہلت مانگتے ہیں، آپ ﷺ مسلسل انکار فرماتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس پر اتر آتے ہیں کہ ہمارے طائف واپس جانے کے بعد صرف ایک مہینہ کی مہلت دے دی جائے، لیکن آپ ﷺ ان کی آخری درخواست قبول فرمانے کے بجائے ابوسفیان بن حرب (جن کی طائف میں رشتہ داری تھی) اور قبیلہ ثقیف ہی کے ایک فرد مغیرہ بن شعبہ کو مامور فرماتے ہیں، کہ وہ جائیں اور لات اور اس کے معبد کو ڈھا دیں، اہل وفد ایک درخواست یہ بھی کرتے ہیں کہ انہیں نماز سے معاف رکھا جائے آپ ﷺ فرماتے ہیں اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں۔

اس گفتگو سے فارغ ہو کر وہ اپنے وطن واپس لوٹتے ہیں اور ان کے ساتھ ابوسفیان اور مغیرہ بھی جاتے ہیں اور لات کو ڈھا دیتے ہیں، اور پورے قبیلہ ثقیف میں اسلام پھیل

جاتا ہے یہاں تک کہ پورا طائف مسلمان ہو جاتا ہے۔(۱)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ تبلیغ و دعوت اور اپنی تفہیم و مکالمہ میں وہی تعبیرات استعمال کرتے ہیں، جو ان کی دعوت کی روح اور نبوت کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتی ہے، وہ کھل کر پوری وضاحت کے ساتھ آخرت کی دعوت دیتے ہیں، جنت اور اس کی نعمتوں اور لذتوں کا شوق دلاتے ہیں، دوزخ اور اس کے عذاب اور اس کی ہولناکیوں سے ڈراتے ہیں، اور جنت دوزخ دونوں کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں گویا وہ نگاہوں کے سامنے ہیں وہ عقلی دلائل و براہین، اور مصالح و مفادات کے بجائے ایمان بالغیب کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ان کا عہد بھی مادی فلسفوں اور نظریات سے (جو ان کے عہد کی سطح اور حالات کے مطابق ہوتے ہیں) یکسر خالی نہیں ہوتا اس عہد میں بھی کچھ طبقوں کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں، وہ ان سے ناواقف نہیں ہوتے، وہ یہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ یہ فلسفے اور اصطلاحات سکہ رائج الوقت ہیں، اور انہیں کا اس دور میں چلن ہے، لیکن لوگوں کو قریب کرنے اور اپنی طرف آنے کی دعوت دینے کے لئے وہ ان سے کام نہیں لیتے، وہ اللہ تعالی پر اس کی صفات و افعال کے ساتھ ملائکہ پر، تقدیر پر (شر ہو یا خیر) موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں وہ بغیر کسی تردد اور معذرت کے یہ اعلان کرتے ہیں، کہ ان کی دعوت قبول کرنے، اور ان پر ایمان لانے کا انعام جنت اور خدا تعالی کی رضا و خوشنودی ہے۔

دعوت کے سلسلہ میں نبوی ﷺ مزاج و منہاج اور طریقہ کار کی بہترین مثال بیعت عقبہ ثانیہ کا واقعہ ہے، جب اہل یثرب کی ایک تعداد جن میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں تھیں، حج کے لئے مکہ معظمہ آئے اور عقبہ کے پاس وادی میں اکٹھے ہوئے، رسول اللہ ﷺ اپنے عم محترم حضرت عباس بن عبد المطلب کے ساتھ، جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے

(۱) زاد المعاد، ج ۱، ص ۱۵۸-۱۵۹ باختصار۔

تھے) تشریف لائے تھے، آپ ﷺ نے قرآن پاک کی آیات تلاوت فرمائیں، خدائے واحد کی طرف دعوت اور اسلام کی ترغیب دی، اور فرمایا کہ تم سے میں یہ عہد اور بیعت لیتا ہوں کہ میرے ساتھ حفاظت اور خیال کا وہی معاملہ کرو گے، جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ کرتے ہو، انصار نے بیعت کی اور آپ ﷺ سے یہ وعدہ لیا کہ آپ ان کو چھوڑ کر پھر اپنی قوم میں واپس نہ جائیں گے۔ وہ زیرک ودانا تھے اور اس عہد وپیمان کے دوررس اور خطرناک نتائج سے بخوبی واقف تھے، وہ سمجھتے تھے کہ وہ تمام قریبی قبائل، بلکہ پورے عرب سے دشمنی مول لے رہے ہیں، ان کے ایک جہاندیدہ تجربہ کار رفیق (عباس بن عبادہ انصاری) نے بھی ان کو مزید نتائج سے آگاہ کیا، اور ہوشیار کیا، لیکن انہوں نے جواب میں بیک زبان ہو کر کہا کہ ہم مال ومنال کے نقصان اور اپنے سربرآوردہ خاندان کے قتل وہلاک ہو جانے کا خطرہ مول لیتے ہوئے آپ ﷺ کو لے جارہے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف ملتفت ہو کر انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کی رسول (ﷺ) اگر ہم نے وعدہ وفا کر دکھلایا تو ہمیں کیا ملے گا؟

ایسے نازک موقعہ پر اگر خدا کے پیغمبروں کی جگہ کوئی سیاسی لیڈر، کوئی قومی رہنما، یا محض سیاسی سوجھ بوجھ کا کوئی انسان ہوتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ افتراق وانتشار کے بعد اب تمہاری شیرازہ بندی ہوگی ایک قبیلہ کی معمولی حیثیت کے بعد اب پورے عرب میں تمہارا وجود تسلیم کیا جائے گا، اور تم ایک طاقت بن کر ابھرو گے، یہ کوئی خیال اور ناقابل قیاس بات نہ تھی، بلکہ تمام علامات وقرائن، اس کے امکان اور امر واقعہ بننے پر دلالت کرتے تھے، خود ان اہل یثرب میں سے ایک کہنے والے نے اس سے پیشتر کہا تھا کہ:

”ہم اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ شاید ہی کسی قوم میں ایسی دشمنی و انتشار ہو، جیسا ہماری قوم میں ہے ہمیں امید ہے کہ خدائے تعالیٰ آپ ﷺ کے ذریعہ ان کی شیرازہ بندی کرے اب ہم ان کے پاس جائیں گے، اور آپ ﷺ کی یہ دعوت ان کے سامنے پیش کریں گے، اور جس دین کو ہم نے قبول کیا ہے، ان کو بھی اس کی دعوت دیں گے، اگر خدائے تعالیٰ آپ کی ذات پر ان کو مجتمع فرمادے تو آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی

صاحب اقتدار اور باعزت وشوکت شخص نہ ہوگا۔'' (۱)

لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس سوال کے جواب میں کہ'' اے اللہ کے رسول (ﷺ) پھر ہمیں کیا ملے گا؟ صرف اس پر اکتفا فرمایا کہ'' جنت'' اس وقت انہوں نے عرض کیا کہ حضور دست مبارک دراز فرمائیے۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک بڑھایا، اور انہوں نے بیعت کر لی۔ (۲)

اسی غیرت اور کار نبوت کی تکمیل کا اثر ہے کہ پیغمبر کسی شرعی حکم میں کسی تبدیلی کے نہ روادار ہوتے ہیں اور نہ کسی حکم پر عمل، کسی کی سفارش اور اثر سے موقوف وملتوی رکھتے ہیں، وہ قریب وبعید یگانہ وبیگانہ سب پر یکساں طریقہ پر اللہ تعالیٰ کے حدود واحکام کا نفاذ کرتے ہیں، چنانچہ قبیلہ بنی مخزوم کی ایک خاتون کے بارے میں، جس سے چوری کا جرم سرزد ہوا تھا، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ (جن پر رسول اللہ ﷺ کی خاص شفقت وعنایت تھی) سفارش کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے آپ ﷺ نے غضب ناک ہوکر فرمایا'' کہ اللہ کے متعین کردہ حدود کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ ﷺ نے تقریر فرمائی، جس میں فرمایا: '' اے لوگو! تم سے پہلے امتیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں کوئی، باوجاہت شخص اور خاندانی آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے، اور کوئی کمزور اور معمولی آدمی چوری کرتا، تو اس پر حد نافذ کرتے، قسم ہے خدائے پاک کی، اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹنے سے دریغ نہ کروں گا۔''

یہی وہ غیرت ہے، جو انبیاء کرامؑ کے اصحابؓ وتابعین میں منتقل ہوئی، انہوں نے کبھی کامیابی وناکامی اور سود وزیاں سے آنکھیں بند کر کے قرآنی تعلیمات شرعی احکام، اور اسلام کے اصول وضوابط کی حفاظت کی، تاریخ میں اس کی شاندار مثال فاروق اعظمؓ کا وہ واقعہ ہے جو جبلہ ابن ایہم غسانی کے ساتھ (جو شاہان آل جفنہ کے سلسلہ کی اہم کڑی تھا) پیش آیا۔ وہ قبیلہ عک وغسان کے پانچ سو افراد کے ساتھ مدینہ منورہ آیا جب وہ

---

(۱) سیرت ابن ہشام، ق اص ۴۴۹۔
(۲) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد السرقۃ ونصابہا۔

مدینہ میں داخل ہوئے تو کوئی دوشیزہ اور پردہ نشین عورت ایسی نہ تھی، جو اس کے زرق برق لباس کو دیکھنے کے لئے نہ نکل آئی ہو، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لئے تشریف لے گئے، تو جبلہ بھی ساتھ گیا، وہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ بنی فزارہ کے ایک شخص کا پاؤں اس کے لٹکتے ہوئے تہبند کی کور پر پڑ گیا اور کھل گیا، جبلہ نے ہاتھ اٹھایا اور فزاری کی ناک پر زور کا تھپڑ مارا، فزاری نے حضرت عمرؓ کے یہاں نالش کی، امیر المومنین نے جبلہ کو بلا بھیجا، وہ جب آیا تو، اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ اس نے کہا، ہاں امیر المومنین، اس نے میرا تہبند کھولنا چاہا تھا، اگر کعبہ کا احترام مانع نہ ہوتا تو میں اس کی پیشانی پر تلوار کا وار کرتا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے اقرار کر لیا اب یا تو تم اس شخص کو راضی کر لو، ورنہ میں قصاص لوں گا، جبلہ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ کیا کریں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سے کہوں گا کہ تمہاری ناک پر ویسے ہی ضرب لگائے جیسی تم نے اس کی ناک پر لگائی۔ جبلہ نے حیرت واستعجاب سے کہا کہ امیر المومنین! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ایک عام آدمی ہے، اور میں اپنے علاقہ اور قوم کا تاجدار ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام نے تم کو اور اس کو برابر کر دیا، اب سوائے تقوی اور عافیت کے کسی اور چیز کی بنیاد پر تم اس سے افضل نہیں ہو سکتے جبلہ نے کہا کہ میرا خیال تھا کہ میں اسلام قبول کر کے جاہلیت کے مقابلہ میں زیادہ باعزت و باعتبار ہو جاؤں گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ باتیں چھوڑو یا تو اس شخص کو راضی کرو، ورنہ قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ۔

جبلہ نے جب حضرت عمرؓ کے یہ تیور دیکھے تو یہ عرض کیا کہ مجھے آج رات غور کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی درخواست منظور کی، رات کے سناٹے اور لوگوں کی لاعلمی میں جبلہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو لے کر شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ صبح مکہ میں اس کا نام ونشان نہ تھا، ایک زمانہ کے بعد جب جثامہ بن مساحق کنانی سے جو اس کے دربار میں شریک ہوئے تھے حضرت عمرؓ نے اس کے شاہانہ کروفر کے حالات سنے تو صرف یہ فرمایا کہ وہ محروم رہا، آخرت کے بدلہ میں دنیا خرید لی، اس کی تجارت کھوٹی رہی۔ (۱)

(۱) فتوح البلدان بلاذری باختصار ص ۱۴۲، تاریخ ابن خلدون جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۲۸۱۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ انبیائے کرام دعوت تبلیغ کے سلسلہ میں حکمت سے کام نہیں لیتے، اور لوگوں کے فہم و فراست اور ادراک کے مطابق بات نہیں کرتے، اس شان کا یہ تو قرآنی نصوص، اور سیرت نبوی کی بیسیوں واقعات کے منافی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (سورہ ابراھیم ۴)

"اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا، مگر وہ اپنی قوم کی زبان بولتا تھا، تاکہ انہیں (احکام خدا) کھول کھول کر بتادے۔"

زبان کا مفہوم یہاں چند جملوں اور الفاظ میں محفوظ ومحدود نہیں، وہ اسلوب، طرز بیان، طرز کلام اور طریق تفہیم سب پر حاوی ہے، اس کا دلکش نمونہ حضرت یوسفؑ کی جیل میں اپنے دونوں ساتھیوں سے پند وموعظت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے دور کے بادشاہوں سے مکالمے میں نظر آتا ہے۔(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے توسط سے قرآن کے ہر قاری اور اسلام کے ہر داعی ومبلغ کو یہ ہدایت فرمائی:

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (سورۃ النحل ۱۲۵)

اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ، اور بہت اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کو جب دعوت وتبلیغ کی مہم پر روانہ فرماتے تو نرمی، شفقت سہولت وآسانی پیدا کرنے اور بشارت دینے کی وصیت فرماتے۔

آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو یمن بھیجتے ہوئے وصیت فرمائی:

(۱) اس موعظت ومکالمے کے نفسیاتی اور بیانی وادبی تجزیے کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "دعوت وعزیمت کا معجزانہ اسلوب" شائع کردہ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ"

یسرا و لا تعسرا، بشرا و و لا تنفرا۔
آسانی پیدا کرنا، سختی نہ کرنا، خوشخبری دینا متوحش نہ بنانا۔"

اور خود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران ۱۵۹)

"اے محمد (ﷺ) خدا کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے، اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔"

رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے بالعموم فرمایا:

انما بعثتم میسرین و لم تبعثوا معسرین۔(۱)

تمہیں آسانی پیدا کرنے کے لئے اٹھایا گیا ہے، دشواری پیدا کرنے کے لئے نہیں اٹھایا گیا ہے۔)

اس سلسلہ کے نصوص ودلائل بے شمار ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے۔(۲)

انبیائے سابقین کی بھی یہی امتیازی شان رہی ہے۔ متعدد انبیاء کے ناموں کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا گیا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ. (الانعام ۸۹)

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور فیصلہ کن رائے قائم کرنے کی صلاحیت اور نبوت عطا فرمائی تھی۔

لیکن اس آسانی تدریج اور تیسیر کا تعلق تعلیم وتربیت اور جزوی مسائل سے تھا، جن کا عقائد اور دین کے بنیادی اصول سے کوئی تعلق نہیں تھا، جن کا عقائد اور دین کے بنیادی اصول سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جن باتوں کا تعلق عقائد اور حدود اللہ سے ہے ان میں ہر دور کے انبیائے کرام فولاد سے زیادہ اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتے تھے۔

---

(۱) بخاری ا ص ۳۵ اور ص ۱۳
(۲) اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ" کے باب التیسیر کا مطالعہ کیا جائے۔

(۴) نبوت کی امتیازی خصوصیات اور انبیائے کرام کے دعوت کے خط وخال میں ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ ان کا اصل زور آخرت کی زندگی اور اس کی کامیابی اور سعادتوں کے حصول پر ہوتا ہے، وہ اس کا اس کثرت سے تذکرہ کرتے ہیں اور اس کا اس درجہ اہتمام وفکر کہ وہ ان کی دعوت کا مرکزی نقطہ اور محور بن جاتا ہے، صاف ذہن کے ساتھ ان کے واقعات اور اقوال کا مطالعہ کرنے والا صاف محسوس کرسکتا ہے کہ آخرت ان کا نصب العین ہے، اور ان کے لئے ایک مرئی اور بدیہی حقیقت ہے، یہ بات ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے، اور اس کا یقین ان کے احساسات اور فکر ودماغ پر چھایا ہوا نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن ومطیع بندوں کے لئے آخرت میں جو نعمتیں مقدر کر رکھی ہیں اور کافروں اور نافرمانوں کے لئے وہاں جو عذاب مقرر فرمایا ہے، اس کا ہمہ وقت خیال ہی وہ حقیقی محرک ہے، جو ان کو عقیدہ کی تصحیح، زندگی کی اصلاح اور رشتۂ عبودیت کی استواری کی دعوت پر ابھارتا ہے، وہ ان کو بے چین رکھتا ہے اور ان کی راتوں کی نیند اور دن کا اطمینان اس طرح اڑا دیتا ہے کہ ان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔

سیرت کا ہر ذہین مطالعہ کرنے والا یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ انبیاء کی ایمان بالآخرت کی دعوت اور اس کی اہمیت کی تبلیغ وتشہیر صرف اخلاقی یا اصلاحی ضرورت کے تحت نہیں تھی، جس کے بغیر کوئی صالح معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا، نہ پاکیزہ تمدن کی بنیاد پڑ سکتی ہے یہ خیال اپنی جگہ پر صحیح ہے، اور ایک تاریخی واقعہ جس کی پوری انسانی تاریخ شہادت دیتی ہے، لیکن انبیاء کا طریق کار اور ان کی سیرت، اسی طرح ان کے نائبین کا طریق کار اس سے مختلف ہے، ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ انبیاء کے طریق دعوت وتبلیغ میں یہ ایمان، وجدانی کیفیت اور قلبی جذبہ اور دردمندی کے ساتھ اور دوسرے طریقہ میں وہ ضابطہ اور ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اخلاقی ومعاشرتی ضرورت کی حد تک ہی اس کی تلقین کی جاتی ہے اور دونوں میں جو فرق ہے وہ کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

(۵) پانچواں امر یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدائے تعالیٰ ہی حاکم حقیقی

اور فرمانروائے مطلق ہے اور شریعت سازی صرف اسی کا حق ہے، اس کا ارشاد ہے:

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ. (سورۂ یوسف: ۴۰)

خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔

اَمْ لَھُمْ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوْا لَھُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَالَمْ یَاْذَنْ بِہِ اللّٰہُ.

(سورہ شوریٰ: ۲۱)

کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا خدا نے حکم نہیں دیا۔

لیکن درحقیقت خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کا تعلق، حکام ومحکوم آمر وما مور، اور ایک بادشاہ اور رعیت کے تعلق سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ عمیق، کہیں زیادہ لطیف اور کہیں زیادہ نازک ہے قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کو جس تفصیل کے ساتھ اور جتنے دلآویز طریقہ پر بیان کیا ہے۔(۱) اس کا مقصد قطعاً یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ بندہ سے صرف اتنا مطلوب ہے کہ وہ اس کو اپنا حاکم اعلیٰ اور آمر مطلق سمجھ لے، اور اس کے اقتدار اعلیٰ میں کسی کو شریک نہ کرے، بلکہ ان اسماء وصفات اور ان افعال الٰہی کے ذکر کا جن سے قرآن شریف بھرا ہوا ہے اور ان آیات کا جن میں خدائے تعالیٰ سے محبت (۲) و تعلق اور بکثرت، ہمیشہ اس کے ذکر کی ترغیب آئی ہے، صاف تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دل وجان سے محبت کی جائے اور اس کی طلب ورضا میں جان کھپا دی جائے اس کی حمد وثنا کے گیت گائے جائیں، اٹھتے بیٹھتے اس کے نام کا وظیفہ پڑھا جائے، اسی کی دھن ہر وقت دل دماغ میں سمائی رہے، اسی کے خوف سے انسان ہر وقت لرزاں اور ترساں رہے، اسی کے سامنے دست طلب ہر وقت پھیلا رہے، اسی کے جمال جہاں آراء پر ہر وقت نگاہیں جمی رہیں، اسی کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے حتیٰ کہ سر کٹا دینے کا جذبہ بیدار رہے۔

---

(۱) بطور مثال سورہ حشر کی آخری آیات هو الله الذی لآ اله الا هو سے وهو العزيز الحكيم تک پڑھیے
(۲) مثلاً والـذيـن امنوا اشد حبا لله . اور وہ آیات ملاحظہ ہوں جن میں ذکر اللہ کی ترغیب وتاکید ہے اور انبیاء علیہم السلام کی محبت الٰہی، شوق اور تڑپ اور عزیز ترین چیزوں کی قربانی کا ذکر ہے۔

(۶) دین کے مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات کی اس بحث کے سلسلے میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کے سرگردہ خاتم النبین محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے، ان کا مخلوق سے اور قوموں سے جن کی طرف وہ بھیجے جاتے ہیں، چٹھی رساں (پوسٹمین) اور ڈاکیہ جیسا تعلق نہیں ہوتا، جس کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ خطوط اور ڈاک مرسل الیہم تک پہنچادے پھر اسے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں اور ان لوگوں کو اس درمیانی واسطہ اور قاصد سے کوئی مطلب نہیں، وہ اپنے کاموں اور اختیارات میں بالکل آزاد ہیں اور ان کی انفرادی و عائلی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں یہ وہ غلط، بے بنیاد اور ادھورا تصور ہے، جو ان حلقوں میں رائج تھا جو نبوت اور انبیاء کے بلند مقام سے ناواقف تھے اور ہمارے اس دور میں ان حلقوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جو مقام سنت سے ناواقف اور حدیث اور اس کی حجیت کے منکر ہیں۔ اور جن پر مذہب کے مسیحی تصورات کا اثر اور مغربی طرز فکر کا غلبہ ہے۔

اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام پوری انسانیت کے لئے اسوہ کامل، اعلیٰ قابل تقلید نمونہ اور اخلاق، ذوق ورجحان ردوقبول اور وصل وفصل کے بارے میں سب سے مکمل اور آخری معیار ہوتے ہیں وہ موردعنایات الٰہی اور مرکز الطاف وتجلیات ہوتے ہیں، ان کے اخلاق وعادات اور ان کی زندگی کا طور وطریق سب خدا کی نظر میں محبوب ہیں زندگی کے طریقوں میں ان کا طریق حیات انسانوں اور جماعتوں کے اخلاق میں ان کے اخلاق اور لوگوں کی گوناگوں عادتوں میں ان کی عادتیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتی ہیں، انبیاء جس راستہ کو اختیار کرتے ہیں وہ راستہ خدا کے یہاں محبوب بن جاتا ہے اور اس کو دوسرے راستوں پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، صرف اس وجہ سے کہ انبیاء کے قدم اس راستہ پر پڑے ہیں، ان کی تمام پسندیدہ چیزوں اور شعائر اور ان سے نسبت رکھنے والی اشیاء اور اعمال سے اللہ کی محبت اور پسندیدگی متعلق ہوجاتی ہے)، ان کا اختیار کرنا اور ان کے اخلاق کی جھلک پیدا کرنا، اللہ کی محبت اور رضا سے سرفراز ہونے کا قریب ترین اور سہل ترین راستہ ہوجاتا ہے، اس لئے کہ دوست کا دوست، دوست اور

دشمن کا دوست دشمن سمجھا جاتا ہے، خاتم النبین ﷺ کی زبان مبارک سے کہلایا گیا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O (آل عمران: ۳۱)

اے پیغمبر (لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کے برعکس جو ظلم پر کمر باندھے ہوئے اور کفر کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں ان کی طرف دل کا میلان، ان کے طریق حیات کی ترجیح اور ان سے صوری و معنوی مشابہت، اللہ کی غیرت کو حرکت میں لانے والی اور اللہ سے بندے کو دور کرنے والی بتائی گئی ہے، فرمایا گیا:

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ O (سورۃ ہود: ۱۱۳)

(ترجمہ) اور جو لوگ ظالم ہیں ان کی طرف مائل نہ ہونا نہیں تو تمہیں دوزخ کی آگ آ لپٹے گی اور خدا کے سوا تمہارے اور دوست نہیں ہیں (اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہو گئے) تو پھر تم کو (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی۔

ان پیغمبرانہ مخصوص عادات واطوار کا نام شریعت کی زبان اور اصطلاح میں ''خصال فطرت'' اور ''سنن الہدیٰ'' ہے جس کی شریعت تعلیم و ترغیب دیتی ہے، ان اخلاق و عادات کا اختیار کرنا لوگوں کو انبیاء کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، اور یہ وہ رنگ ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ O

(سورۃ البقرہ: ۱۳۸)

(کہہ دو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کرلیا) اور خدا کے رنگ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے، اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔

ایک عادت کی دوسری عادت، ایک اخلاق کے دوسرے اخلاق، ایک طور طریق کے دوسرے طور طریق پر دین وشریعت میں ترجیح کا یہی راز ہے۔ اسی وجہ سے اس کو شریعت اسلامی اہل ایمان کا شعار، فطرت کے تقاضے کی تکمیل اور اس کے خلاف طریقوں کو فطرت سلیم سے انحراف اور اہل جاہلیت کا شعار قرار دیتی ہے اور ان دونوں طریقوں اور راستوں میں (باوجود اس کے کہ اس طرف بھی عقل وخرد رکھنے والے متمدن انسان ہیں، اور اس طرف بھی) محض اس بات کا فرق ہے کہ ایک خدا کے پیغمبروں اور اس کے محبوب بندوں کا اختیار کیا ہوا ہے دوسرا ان لوگوں اور قوموں کا جن کے پاس ہدایت کی روشنی اور آسمانی تعلیمات نہیں ہیں، ان اصول کے تحت کھانے پینے، کاموں میں دائیں بائیں ہاتھ کا فرق، لباس وزینت، رہنے سہنے اور تمدن کے بہت سے اصول آجاتے ہیں، اور یہ سنت سنت نبوی ﷺ اور فقہ اسلامی کا ایک وسیع باب ہے۔ (۱)

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کا تعلق ہے وہاں اس پہلو پر اور زیادہ زور دینے اور اس کا زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، آپ کی ذات گرامی کے ساتھ صرف ضابطہ اور قانون کا تعلق کافی نہیں، روحانی اور جذباتی تعلق اور ایسی گہری اور دائمی محبت مطلوب ہے جو جان ومال، اہل وعیال کی محبت پر فوقیت لے جائے صحیح حدیث میں آیا ہے:۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین۔ (۲)

اس وقت تک تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا، جب تک میں اس کو اپنی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہوجاؤں۔

دوسری حدیث ہے:۔

لا یؤ من احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ۔ (۳)

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "منصب نبوت اور اس کے بلند مقام حاملین" ص ۱۸۔۲۰۔
(۲) بخاری ومسلم۔ (۳) مسند احمد۔

تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہ ہوگا جب تک میں اسے اپنی ذات سے زیادہ عزیز ومحبوب نہ ہوں۔

اس سلسلہ میں ان تمام مخالف اسباب ومحرکات سے محفوظ و محتاط رہنے کی ضرورت ہے جو اس محبت کے سوتوں کو خشک یا اس کو کمزور کرتے ہیں، جذبات واحساسات محبت میں افسردگی سنت پر عمل کرنے کے جذبہ میں کمزوری، اور آپ ﷺ کو دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل سمجھنے میں تردد اور سیرت وحدیث کے مطالعہ سے روگردانی اور بے توجہی کا سبب بنتے ہیں۔ سورۂ احزاب، سورۂ حجرات اور سورۂ فتح وغیرہ قرآنی سورتوں کے غائر مطالعہ اور تشہد ونماز جنازہ میں درود وصلوٰۃ کی شمولیت پر غور وفکر، قرآن میں درود کی ترغیب اور درود کی فضیلت میں بکثرت وارد ہونے والی احادیث کا راز سمجھنے کا یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایک مسلمان سے اس سے کچھ زیادہ مطلوب ہے جس کو صرف قانونی وضابطہ کا تعلق کہا جاتا ہے اور جو محض ظاہری اطاعت سے پورا ہو جاتا ہے بلکہ وہ پاس وادب، محبت اور تشکر وامتنان کا جذبہ بھی مطلوب ہے جس کے سرچشمے دل کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہوں، اور جو رگ وریشہ میں سرایت کر گیا ہو، اسی پُر محبت احترام اور احترام آمیز محبت کو قرآن نے تعزیر وتوقیر کے لفظ سے ادا کیا ہے۔

تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ. (سورۂ فتح ۹)

اس کی مدد کرو اور اس کو بزرگ سمجھو۔

اس کی تابندہ اور روشن مثالیں غزوۂ رجیع کے موقع پر حضرت خبیب بن عدیؓ اور زید ابن الدثنہؓ کے واقعہ غزوۂ احد کے موقع پر ابودجانہؓ اور حضرت ابوطلحہؓ کے طرز عمل، غزوہ احد میں بنی دینار کی مسلمان خاتون کے جواب، صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی والہانہ محبت اور ادب واحترام میں دیکھی جاسکتی ہے، جن کی بناء پر ابو سفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ "میں نے کسی کو کسی سے اس طرح محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جس طرح محمد ﷺ کے ساتھی

محمد سے محبت کرتے ہیں۔" اور قریش کے قاصد عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ "قسم بخدا میں نے کسریٰ اور قیصر کے دربار بھی دیکھے ہیں، میں نے کسی بادشاہ کی ایسی عزت ہوتے ہوئے نہیں دیکھی جس طرح محمد کے ساتھی محمد ﷺ کی عزت کرتے ہیں۔"(۱)

اس عشق رسول سے ان علمائے راسخین مصلحین ومجددین زعماء وقائدین کو بہرۂ وافر ملا، جنہوں نے دین کی حقیقی روح کو اپنے اندر جذب کرلیا تھا اور جن کے مقدر میں دین وملت کے احیاء وتجدید کا اہم کارنامہ انجام دینا تھا۔ اس پاک محبت کے بغیر جو شرعی احکام وآداب کے تابع اور اسوۂ صحابہؓ کے اتباع وتقلید کے ساتھ ہو اسوۂ رسول کی کامل پیروی واتباع، جادۂ شریعت پر استواری، نفس کا دیانت دارانہ محاسبہ اور عسر ویسر اور طبیعت کی آمادگی وگرانی (منشط ومکرہ) میں خدا اور رسول کی فرمانبرداری ممکن نہیں ہے۔ (کثیر النوع)

نفسیاتی امراض کا علاج تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق کا مؤثر ذریعہ ہے، محبت کی ایک لہر خس وخاشاک کو بہالے جاتی ہے اور رگ وریشہ اور جسم وجان میں اس طرح دوڑ جاتی ہے اور جذب ہوجاتی ہے ع

شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم

مسلمان جو کبھی خدا اور رسول کے عشق کی بدولت شعلہ جوالہ تھے، اس کے بغیر چوب خشک اور سرد خاکستر ہوئے ہیں۔

---

(۱) پورے واقعات سیرت کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائے جائیں۔ زید بن الدثنہ کو جب قتل گاہ میں لے جایا جارہا تھا تو ابوسفیان نے ان سے کہا کیا تم پسند کروگے کہ محمد ﷺ تمہاری جگہ پر ہوں اور تم اپنے گھر میں مامون ومحفوظ ہو؟ حضرت زید نے کہا، خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی منظور نہیں کہ محمد ﷺ جہاں ہیں وہیں ان کے کوئی کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔" (سیرت ابن ہشام ۲ص ۱۷۲) بنی دینار کی ایک مسلمان خاتون کے شوہر بھائی اور باپ غزوۂ احد میں کام آئے، جب ان کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو ان کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ یہ بتاؤ کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ الحمد للہ آپ خیریت سے ہیں، انہوں نے کہا کہ مجھے دیدار کرادو، جب ان کی نظر چہرۂ مبارک پر پڑی تو بول اٹھیں "آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے۔" (ابن ہشام)
ابودجانہؓ نے اپنے کو رسول اللہ کے لئے ڈھال بنادیا۔ (بخاری) اور حضرت ابوطلحہؓ نے اپنے ہاتھ کو سپر بنادیا، یہاں تک کہ وہ حرکت واستعمال کے قابل نہیں رہا۔ (الاصابہ)

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے

(۷) اس دین کی ایک خصوصیت اس کی کاملیت اور دوام ہے، کیونکہ یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ عقائد و شریعت اور دنیا میں جن چیزوں پر سعادت اور آخرت میں نجات کا دار و مدار ہے ان کی مکمل تعلیم دی جا چکی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّنَ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا O (سورۃ الاحزاب۔ ۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں، بلکہ خدا کے پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں، خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

اور قرآن نے عربی مبین میں صاف صاف کہہ دیا کہ یہ دین اپنے کمال، انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کی ایک تکمیل اور بقائے دوام کی صلاحیت کی آخری منزل پر پہنچ چکا اور فرما دیا گیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا O (سورۃ المائدہ۔ ۳)

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ آیت عرفات کے دن حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ھ میں نازل ہوئی۔ بعض ذہین یہودی علماء، جو قدیم مذاہب کی تاریخ سے واقف تھے بھانپ گئے کہ یہ وہ اعزاز ہے جو تنہا مسلمانوں کو بخشا گیا ہے اور یہ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے، جس میں کوئی مذہب و ملک شریک نہیں انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں جو اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس روز عید مناتے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا انقطاع و اختتام، انسانیت کا اعزاز اور اس کے

ساتھ رحمت وشفقت کا نتیجہ تھا ، اور اس کا اعلان تھا کہ اب انسانیت سن بلوغ اور پختگی و کمال کے مرحلہ کو پہنچ گئی اور اپنے اس تنگ دائرہ سے نکل چکی ہے، جن میں وہ صدیوں تک رہی تھی ۔ اب وہ علم وتمدن ، باہمی تعارف عالمی وحدت اور تسخیر کائنات کے مرحلہ میں داخل ہورہی ہے اور اس کی امید پیدا ہوگئی ہے کہ وہ طبیعاتی رکاوٹوں ، جغرافی تقسیم اور علیحدگی پسندی کی رجحانات پر قابو حاصل کرلے گی ۔ قوم ووطن کے بجائے اب وہ کائنات ، وسیع انسانیت ، عالمگیری ہدایت اور مشترک علم وفن کے مفہوم سے آشنا ہورہی تھی ، اور زندگی کے میدان میں طبعی قوتوں ، قدرتی وسائل ، عقل مومن وقلب سلیم اور مشترک جدوجہد سے کام لینے کے لئے تیار ہورہی تھی ۔

زمانۂ قدیم میں اس حقیقت کے نخلگ ہونے ، حق وباطل کی آمیزش اور کثرت سے ایسی دعوتوں کے وقتاً فوقتاً ظہور کی وجہ سے جو آسمان کے ساتھ تعلق خاص اور آسمانی تعلیمات کے براہ راست حاصل کرنے کے غلط طریقہ پر مدعی تھیں لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دیتیں اور اسی بنیاد پر ان کو مؤمن وکافر کے طبقوں میں بانٹتی تھیں ، سابقہ امتوں اور قوموں کو بڑے مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ، یہودی اور مسیحی دنیا میں ایسے مدعیان نبوت کا پیدا ہونا ایک فیشن بن گیا ، اور وہ وقت کا ایک اہم مسئلہ بن گئے ، جس نے ذہنی اور دینی توانائیوں کو کوئی اور مفید کام کرنے کے بجائے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مشغول کرلیا ۔ یہودی اور مسیحی معاشرے میں انتشار ، افراتفری اور نفسیاتی وعقلی کش مکش پیدا کردی ۔

سلسلہ نبوت کے خاتمہ سے انسانی صلاحیتیں اور قوتیں اس خطرہ سے محفوظ ہوگئیں کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ اور تھوڑی تھوڑی دور کے فاصلہ پر ایک نئے نبی یا دعوت کا ظہور ہو اور دینی معاشرہ سارے مسائل سے صرف نظر کرکے اس کی حقیقت معلوم کرنے اور اس کی تصدیق وتکذیب کا فیصلہ کرنے میں لگ جائے اس طرح محدود انسانی قوت کو اس زور زور کی مشغولیت اور آزمائش سے بچالیا گیا اور بجائے اس کے کہ نسل انسانی (نئی وحی وہدایات کے لئے) بار بار آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے اور نئی اور مستقل رہنمائی کی طالب

و منتظر ہے اس کو اپنی خداداد صلاحیتوں اور طاقتوں کے استعمال کے لئے کائنات اور اس زمین پر توجہ کرنے کی دعوت دی گئی اور اس طرح فکری انتشار، ذہنی کش مکش اور وحدت اجتماعی کے پارہ پارہ ہونے سے وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی۔

اس عقیدہ ہی کی بنیاد پر یہ امت خطرناک سازش کا مقابلہ کرسکی اور دین وعقائد کی وحدت ایک روحانی مرکز، ایک عالمی ثقافت اور علمی سرچشمہ اور ایک قطعی تشخص ہے۔ جس سے اس کا گہرا اور قوی ربط ہے۔ اس کی بنیاد پر ہر زمانہ میں مسلمانوں میں اجتماعیت اور اتحاد قائم ہوسکتا ہے، اس سے ذمہ داری کا قوی احساس ابھرتا ہے اور معاشرہ میں اس سے فساد کے ازالہ، حق وانصاف کے قیام، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دین خالص کی دعوت کا کام لیا جاسکتا ہے امت کو اب نہ کسی نئے نبی کی بعثت کی ضرورت ہے اور نہ کسی ایسے امام معصوم کے ظہور کی جو انبیائے کرام کے کام کو (جسے خاکم بدہن وہ مکمل نہ کرسکے) کی تکمیل کرے اور نہ اسلامی نشأۃ ثانیہ اور جدید دینی تحریک کے لئے کسی پراسرار دعوت یا شخصیت پر اعتماد کی ضرورت ہے جو عقل کے احاطہ میں نہ آئے اور حقائق ظاہری سے بالاتر ہو اور جس سے مفاد پرست طالع آزما اور سیاسی اغراض کی تکمیل کے خواہش مند فائدہ اٹھالیں۔ ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا وَعَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ

(۸) اس دین کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اصل حقیقت، زندگی اور تر وتازگی کے ساتھ باقی ہے، اس کی کتاب محفوظ اور ہر دور میں قابل فہم ہے اس کی حامل امت عام گمراہی اور جہالت اور اس اجتماعی انحراف، فریب خوردگی اور کسی سازش کا شکار ہوجانے سے محفوظ ہے جس میں بہت سے مذاہب اور ملتیں اپنے تاریخ کے کسی دور میں اور پیروان مسیحیت بالکل ابتداء ہی میں مبتلا ہوگئے تھے قرآن کا یہ اعجاز اور منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے کہ اس نے قرآن مجید کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورۂ (فاتحہ) میں عیسائیوں کو والا الضآلین کے لقب سے ممیز ومشخص کیا اس لفظ اور وصف کے (جو یہودیوں کے وصف المغضوب علیھم سے مختلف ہے) کی تخصیص کا راز

وہی سمجھ سکتا ہے جو مسیحیت کی تاریخ اور اس کے نشو وارتقاء کے مراحل سے بخوبی واقف ہے۔ مسیحیت بالکل ابتدائی مرحلہ میں (جس کو طفولیت کہنا بجا ہوگا) اس جادۂ حق سے ہٹ گئی، جس پر حضرت مسیح علیہ السلام اس کو چھوڑ کر گئے تھے۔ اور بالکل ایک دوسری سمت کی طرف اس کا قافلہ رواں دواں ہو گیا۔ اس سلسلہ میں صرف ایک شہادت کافی ہے۔ ایک مسیحی فاضل ERNEST DE BUNSEN اپنی کتاب SLAM OR TRUE CHRISTANITY میں لکھتا ہے:

''جس عقیدہ اور نظام کا ذکر ہمیں انجیل میں ملتا ہے، اس کی دعوت حضرت مسیح نے اپنے قول وعمل سے کبھی نہیں دی تھی، اس وقت عیسائیوں اور یہودیوں ومسلمانوں کے درمیان جو نزاع قائم ہے، اس کی ذمہ داری حضرت مسیح کے سر نہیں۔ بلکہ یہ سب اس یہودی، عیسائی بے دین پال کا کرشمہ ہے، نیز صحف مقدسہ کی تمثیل وتجسیم کے طریقہ پر تشریح اور ان صحیفوں کی پیش گوئیوں اور مثالوں سے بھر دینے کا نتیجہ ہے۔ پال نے اسٹفین (STEPHEN) کی تقلید میں جو مذہب ایسانی (ESSENIO) کا داعی ہے، حضرت مسیح کے ساتھ بہت سی بودھ رسوم وابستہ کر دیں۔ آج انجیل میں جو متضاد کہانیاں اور واقعات ملتے ہیں اور جو حضرت مسیح کو ان کے مرتبہ سے فروتر شکل میں پیش کرتے ہیں، وہ سب پال کے وضع کیے ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح کو ان کے مرتبہ سے فروتر شکل میں پیش کرتے ہیں، وہ سب پامال کے وضع کیے ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح نے نہیں، بلکہ پال اور ان کے بعد آنے والے پادریوں اور راہبوں نے اس سارے عقیدہ ونظام کو مرتب کیا ہے جس کو آرتھوڈکس مسیحی دنیا نے اٹھارہ صدیوں سے اپنے عقیدہ کی اساس قرار دے رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ.

بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہمیں اس کی نگہبان ہیں۔ اللہ فضل واحسان جتانے کے ایسے خصوصی موقع پر اور حفاظت کے وعدہ کے ایسے صریح اعلان میں اس کے مطالب کا فہم، ان کی تشریح، اس کی تعلیمات پر عمل اور زندگی میں ان کا

انطباق بھی قدرۃً شامل ہوجاتا ہے۔ اور ایسی کتاب کی کیا قدر و قیمت اور منزلت ہوسکتی ہے، جو مدت تک فہم کے لحاظ سے چیستان اور عمل کے لحاظ سے معطل اور متروک رہے؟ خود عربی زبان کا بلیغ لفظ ''حفظ'' جس کا انا لہٗ لحٰفظون میں وعدہ کیا گیا ہے، بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے:

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۝ (سورۃ القیامۃ ۱۷، ۱۸، ۱۹)

اس (قرآن) کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے، جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اس کو سنا کرو) پھر اسی طرح پڑھو پھر (اس کے معنی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

پھر وہ دین یوں بھی قابل اعتماد نہیں جس پر صرف چند مختصر وقتوں میں (جن کے درمیان ایسے وسیع اور گہرے خلا رہے ہیں، جن میں تاریکی اور ظلمت چھائی رہی) عمل کیا گیا ہے۔ وہ درخت جو ایک طویل اور بہتر سے بہتر موسم پانے کے باوجود پھل نہ دے قابل اعتناء و اعتماد نہیں ہوسکتا اور اس پر تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا ۔(۱) کی قرآنی مثال صادق نہیں آسکتی۔ پھر یہ امت، صرف امت دعوت اور اس کتاب آسمانی و پیغام الٰہی کے مخاطب ہی نہیں وہ اس دین و پیغام کی حامل، اس کو دنیا میں پھیلانے اس کی تفہیم و تشریح کرنے، اس پر عمل کی دعوت دینے اور خود اس کا نمونہ بننے کی بھی ذمہ دار ہے۔ اس لئے اس کا فہم کتاب ایسی ایک قوم کی فہم سے زیادہ ہونا چاہئے جس کی صرف خصوصیت یہ ہے کہ اس کی زبان میں یہ کتاب اتری ہے۔

(۹) آخری بات یہ ہے کہ اسلام کو ایک معاون فضا بلکہ زیادہ واضح اور محتاط الفاظ میں ایک مناسب موسم اور متعین درجہ حرارت و برودت (TEMPERATUR) کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ ایک زندہ انسانی دین ہے۔ وہ کوئی عقلی و نظریاتی فلسفہ نہیں جو صرف دماغ کے کسی خانہ یا کتب خانہ کے کسی گوشہ میں موجود و محفوظ ہے۔ وہ بیک وقت عقیدہ و عمل، سیرت و اخلاق، جذبات و احساسات اور ذوق کے مجموعہ کا نام ہے۔ وہ انسان کو

---

(۱) وہ درخت ہر زمانے میں اپنے رب کی اجازت سے پھل دیتا ہے۔ (سورۂ ابراہیم ۲۵)

نئے سانچہ میں ڈالتا اور زندگی کو نئے رنگ میں رنگتا ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو صبغۃ اللہ کی صفت سے یاد فرماتا ہے۔ صبغۃ ایک رنگ، امتیازی نشان اور چھاپ ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ حساس (SENSITIVE) واقع ہوا ہے، اس کے متعین و معروف حدود ہیں جن سے کوئی مسلمان تجاوز نہیں کرسکتا۔ کسی دوسرے مذہب میں ارتداد کا نہ وہ واضح مفہوم پایا جاتا ہے، نہ اس کی وہ شناعت وقباحت ہے جو اسلامی شریعت اور اسلامی تصور میں پائی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور ارشادات وہدایات، آپ کا اسوۂ مبارکہ و سنت (عقائد وعبادات سے لے کر اخلاق ومعاملات اور احساسات وجذبات تک) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں، جس میں دین کا پودا سرسبز اور بارآور رہتا ہے۔ کیونکہ دین زندگی کے تمام شرائط وصفات (نمو د حرکت، احتزاز وفرحت، نفرت و کراہیت، احساس برتری وفخر) کا مجموعہ ہے، اس لئے وہ پیغمبر کے جذبات واحساسات اور اس کی زندگی کے واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور اس کا بہترین مجموعہ احادیث صحیحہ اور محفوظ ومدون سنت نبوی ہے۔ دین ایک مثالی اور معیاری ماحول کی نظیر کے بغیر زندہ وشاداب نہیں رہ سکتا، اور یہ ماحول حدیث نبوی کے ذریعہ محفوظ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ حامل قرآن کے صحیفۂ حیات کی بھی حفاظت فرمائی۔ اسی کی بدولت حیات طیبہ کی فیض رسانی اور حیات بخشی کا امتداد و تسلسل اس وقت تک باقی ہے۔ اسی کے نتیجہ میں علمائے امت معروف ومنکر، سنت وبدعت اور اسلام وجاہلیت میں ہر دور میں فرق کرنے کے قابل ہوئے اور ان کی پاس بیرومیٹر (BAROMETER) (ہوا کا دباؤ ماپنے کا آلہ) رہا، جس سے وہ اپنے دور کے مسلمان معاشرہ کے اصل اسلامی عقیدہ وعمل سے بُعد وانحراف کی پیائش کرتے رہے، وہ امت کے دینی محاسبہ کا عمل جاری اور اصل دین کی دعوت کے فریضہ کو ہر دور میں قائم اور باقی رکھ سکے، سنت وہدایت کے یہ مجموعے (جن میں صحاح ستہ (۱) ممتاز ومعروف ہیں) اور

(۱) یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداود، جامع ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، امام مالکؒ کی مؤطا بھی اسی درجہ کی کتابوں میں ہے۔

ان کے درس وتدریس، نشر واشاعت کی مشغولیت اور مواقع ہمیشہ اصلاح وتجدید اور امت اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں انہیں کی مدد سے اصلاح کا بیڑہ اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں شرک وبدعت اور رسوم جاہلیت کی تردید و مخالفت اور سنت کی اشاعت وترویج کا جھنڈا بلند کیا۔ اسی ذخیرہ نے علمائے دین اور اہل شعور کو شر وفساد اور بدعات وضلالت کی طاقتوں اور تحریکوں سے پنجہ آزمائی کرنے اور ان کے مقابلہ میں کفن بردوش ہوکر صف آرا ہوجانے پر آمادہ کیا۔ اور تاریخ کی شہادت ہے کہ اس میں اصلاح وتجدید کی تاریخ علم وحدیث سے واقفیت واشتغال اور سنت کی محبت و حمایت سے وابستہ ومربوط ہے۔ جب بھی حدیث وسنت کی کتابوں سے علمی حلقوں کے تعلق و واقفیت میں کمی آئی اور دوسرے علوم وفنون میں ان کا انہماک بڑھا، مسلم معاشرہ، اہل صلاح واہل کمال کی موجودگی میں نئی نئی بدعات، جاہلی وعجمی رسم ورواج، غیر مسلموں کے اختلاط اور مذاہب غیر کے اثرات کا شکار ہوگیا ہے اور کبھی کبھی یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا ایڈیشن اور اس کا مکمل عکس نہ بن جائے۔(۱)

یہ ہے دین کا وہ مزاج اور اس کی امتیازی صفات اور نمایاں خط وخال جن سے دین کی اس شخصیت کی نمو اور بقاء ہے جو اس کو دوسرے مذاہب اور فلسفوں سے ممتاز کرتی ہے، ایک مسلمان کو اس سے واقف بھی ہونا چاہئے اور اس کے بارے میں اس کے اندر شدید غیرت وحمیت بھی پائی جانی چاہئے۔ اسی کے ذریعہ ہم ہر دور میں حق وباطل کی آویزش، نیز آمیزش میں (جو بعض اوقات آویزش سے بھی زیادہ خطرناک ہوجاتی ہے) دین صحیح کی صراط مستقیم پر قائم بھی رہ سکتے ہیں اور اس کی خدمت وحفاظت کی سعادت وتوفیق بھی حاصل کرسکتے ہیں۔

واللہ یھدی من یشآء الیٰ صراط مستقیم.

---

(۱) اس اجمال کی تفصیل اور اس دعویٰ کے تاریخی شواہد ودلائل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کا رسالہ "اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار" شائع کردہ مجلس نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ۔